وعظ

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

محبتِ الٰہیہ

وعظ

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

الرشید

نام کتاب ← محبت الٰہیہ
وعظ ← فقیہ العصر مفتئ اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب
رحمہ اللہ تعالیٰ
تاریخ طبع ← ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
مطبع ← حسان پرنٹنگ پریس فون:6642832
ناشر ← الرشید

ملنے کا پتہ

کتاب گھر السادات سینٹر بالمقابل دار الافتاء والارشاد
ناظم آباد۔ کراچی
فون نمبر.....۶۶۸۳۳۰۱ فیکس نمبر..... ۶۶۳۸۱۴ - ۰۲۱

فاروق اعظم کمپوزرز

فہرست مضامین ”محبت الٰہیہ“

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وعظ

محبت الٰہیہ

(۶شوال ۱۴۰۹ تا ۲۰شعبان ۱۴۱۱)

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیاٰت اعمالنا، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل له ومن یضلله فلا ھادی له ونشھد ان لا اله الا اللّٰہ وحدہ لاشریک له ونشھد ان محمدًا عبدہ ورسوله صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وصحبه اجمعین۔

امابعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم،

﴿ومن الناس من یتخذ من دون اللّٰہ اندادًا یحبونھم کحب اللّٰہ والذین اٰمنوا اشد حبًا للّٰہ ولو یری الذین ظلموا اذیرون العذاب ان القوۃ للّٰہ جمیعًا وان اللّٰہ شدید العذاب۝ اذتبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا وراوا العذاب وتقطعت بھم الاسباب۝ وقال الذین اتبعوا لو ان لنا کرۃ فنتبرا منھم کما

تبرء وا منا کذٰلک یریھم اللّٰہ اعمالھم حسرٰت علیھم وما ھم بخٰرجین من النار ﴿۲-۱۶۵ تا ۱۶۷﴾

"اور بعض لوگ وہ (بھی) ہیں جو علاوہ اللہ تعالیٰ کے اوروں کو بھی شریک (معبودیت) قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا) ضروری ہے اور جو مؤمن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے وقوع میں غور کر کے سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور یہ (سمجھ لیا کرتے) کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب (آخرت میں اور بھی) سخت ہوگا جبکہ وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان لوگوں سے صاف الگ ہو جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے اور سب عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے اس وقت سب قطع ہو جائیں گے اور یہ تابع لوگ یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو ذرا ایک بار (دنیا میں) جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہو جائیں جیسا یہ ہم سے (اس وقت) صاف الگ ہو بیٹھے، اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیوں کو خالی ارمان کر کے ان کو دکھائیں گے اور ان کو جہنم سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔"

محبت الٰہیہ کی ضرورت:

لوگوں میں یہ مرض روز بروز بڑھتا جارہا ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کی حکمتیں جاننا چاہتے ہیں۔ انہیں اللہ کے قوانین میں اشکالات ہوتے ہیں کہ یہ حکم کیوں ہے؟ یہ کیوں ہے؟ یہ کیوں ہے؟ مثلاً کہتے ہیں کہ بنک اور انشورنس کی آمدنی کیوں حرام ہے؟ ہم تو اپنی محنت کا معاوضہ لیتے ہیں یا یہ کہ قریبی رشتہ داروں سے پردہ کیوں ہے؟ ٹی وی کیوں

حرام ہے؟ اس سے تو بڑی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ایسے لاتعداد اشکالات ہیں یہ تو میں نے نمونے کے طور پر چند بتا دیئے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ اللہ پر ایمان کا دعویٰ بھی اور اس کے قوانین پر اشکالات بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ تو بہت لوگ کرتے ہیں لیکن اس کے مقتضیات کو پورا کرنے والے بہت کم ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب کسی نے کہا اٰمنا تو اس کا مطلب ہے عشقنا یعنی اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرنے کا مطلب ہے کہ یہ شخص اللہ کا عاشق ہو گیا، لیکن آج اکثر مسلمان ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ان کے قلوب اللہ کی محبت سے خالی ہیں یہی وجہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قوانین پر اشکالات ہوتے ہیں۔ اگر انہیں فضائل بتائے جائیں تو اس پر انہیں کوئی اشکال نہیں ہو گا ہاں اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ کی نافرمانیاں چھوڑ دو تو انہیں یہ بات بہت عجیب لگتی ہے۔ اللہ کے نافرمانوں کا یہ طریقہ بہت پرانا ہے:

﴿ق والقراٰن المجید ۞ بل عجبوا ان جاءھم منذر منھم فقال الکٰفرون ھذا شیء عجیب ۞﴾ (۵۰-۱،۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کفار کو اللہ کی باتیں بتایا کرتے تو وہ کہتے:

﴿ھذا شیء عجیب﴾

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"

بے دین لوگوں کو اللہ کی باتیں عجیب لگتی ہیں۔ جب تک اللہ کی محبت دل میں پیدا نہیں ہوتی ہر بات عجیب اور ہر حکم مشکل نظر آتا ہے۔ شرعاً، عقلاً اور طبعاً محبت الٰہیہ کا ہونا ضروری ہے۔

اسباب محبت:

دنیا میں محبت کے اسباب پانچ ہیں:

① مال ② کمال ③ جمال ④ نوال ⑤ قرب

❶ مال:

مال محبت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ لوگ جب کہتے ہیں نا "مال" تو کچھ نہ پوچھئے منہ ایسے بھر جاتا ہے جیسے خوانی کا لڈو منہ میں چلا گیا ہو۔ مال پر لوگ بہت رال ٹپکاتے ہیں شادی کے لئے انتخاب کریں گے تو ایسی جگہ کا جہاں مال زیادہ ہو۔

ایک تاجر کا عبرتناک قصہ:

ایک بہت بڑے تاجر نے محض مال کی خاطر اربوں پتی شخص کی لڑکی سے شادی کرلی۔ کسی نے مجھے بتایا کہ وہ لڑکی چڑیل جیسی بدصورت ہے مگر یہ مال کا عاشق جو ٹھہرا، بیوی کو دیکھ کر خواہ قے ہی کیوں نہ ہو جائے مگر مال تو ملے گا۔ جب بیوی نے سر پر جوتے بجائے تو اس نے طلاق دینے کا ارادہ کیا۔ لڑکی کے والد کو پتا چلا تو اس نے کہا:

"طلاق دینا تو رہی الگ بات اگر کبھی طلاق کا نام بھی لیا تو میرے کارخانوں میں مزدور اتنے ہیں کہ ذرا سا اشارہ کروں گا تو تمہاری ایک ایک بوٹی بھی ان کے حصہ میں نہیں آئے گی۔ خبردار! جو کبھی طلاق کا نام بھی زبان پر آیا۔"

یہ ہوتا ہے مال کی محبت کا حشر۔

مال چھننے کا خوف:

کسی نے بتایا کہ ان کا لڑکا امریکہ میں رہتا ہے۔ وہ کچھ روز کے لئے اپنی لڑکیوں کی شادی کے سلسلہ میں پاکستان آنا چاہتا ہے، انہوں نے اپنے بیٹے کو لکھ دیا کہ ابھی یہاں

کے حالات صحیح نہیں پاکستان نہ آئیں۔ میں نے ان سے کہا کہ یہاں کے حالات تو ماشاء اللہ! بہت اچھے ہیں۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ اخبار میں ڈکیتی کی کئی خبریں تھیں۔ اخبار پڑھ پڑھ کر رات کی نیند، دن کا چین سب کچھ ختم کر رکھا ہے۔ یہ سارے مال کی محبت کے عذاب ہیں، مال کی محبت نہ ہوتی تو نہ چور کا خوف نہ ڈاکو کا خوف کچھ نہ ہوتا۔

تجوری کو سلام:

ایک حکیم صاحب تھے۔ انہیں جب کوئی سلام کہتا تو وہ کہتے اچھا پہنچا دوں گا۔ وعلیکم السلام نہیں کہتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ ہم تو آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور آپ کہتے ہیں پہنچا دوں گا، یہ کیا بات ہوئی؟ حکیم صاحب کہنے لگے کہ جب مجھ پر افلاس اور تنگدستی کا زمانہ تھا اس وقت اگر میں کسی کو سلام کہتا تو وہ جواب نہ دیتا تھا۔ آج اللہ تعالیٰ نے مجھے دولت دی ہے تو ہر شخص مجھے سلام کہتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ سلام مجھے نہیں میری دولت کو کہتے ہیں۔ اس لئے جو بھی مجھے سلام کہتا ہے میں تجوری کی طرف منہ کر کے اس کا سلام پہنچا دیتا ہوں ۔

رأيت الناس قد مالوا الى من عنده مال
ومن لا عنده مال فعنه الناس قد مالوا
رأيت الناس قد ذهبوا الى من عنده ذهب
ومن لا عنده ذهب فعنه الناس قد ذهبوا
رأيت الناس منفضة الى من عنده فضة
ومن لا عنده فضة فعنه الناس منفضة

جہاں مال ہوتا ہے لوگ اس طرف مائل ہوتے ہیں، سارا چکر ہی مال کا ہے۔ جس کے پاس مال ہو یا منصب ہو لوگ بھاگ بھاگ کر اس کی جوتیاں سیدھی کرتے ہیں،

اسے ایک نظر دیکھنے کو بہت بڑی نعمت سمجھتے ہیں۔

وزیر کی زیارت پر رقص:

ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اسے جب ایک وزیر کا چہرہ نظر آگیا تو وہ رقص کرنے لگا، اسے اتنا مزا آیا کہ جیسے دنیا میں ہی جنت مل گئی ہو اس لئے کہ وزیر کے پاس مال بھی ہے اور منصب بھی۔

دوران طواف صدر مملکت کی زیارت کی تڑپ:

ایک شخص طواف کر رہا تھا، اس کا تعلق جس ملک سے تھا وہاں کا کوئی صدر یا وزیر وغیرہ طواف کر رہا تھا، میں بھی مطاف میں تھا۔ دوران طواف سیدھا چلنا چاہئے لیکن وہ شخص سیدھا چلنے کی بجائے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں اس کا اللہ تھا، اس کا اللہ تو وہی ہوا جبھی تو بیت اللہ میں ہوتے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھا۔ مجھ سے یہ منظر کہاں برداشت ہوتا، میں نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر زوردار جھٹکے سے ایسے گھما کر سیدھا کیا جیسے سائیکل کا ہنڈل پکڑتے ہیں پھر اسے جلدی سے چھوڑا نہیں بلکہ دس پندرہ قدم پکڑ کر چلایا تاکہ سائیکل پھر گھوم نہ جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا:

﴿توجہ الی ملک الملوک﴾

"بادشاہوں کے بادشاہ کی طرف توجہ کرو۔"

یہ حالت تو اس وقت ہوتی ہے جب مال اور منصب کی محبت ذرا کم ہو اور جب محبت بہت بڑھ جاتی ہے تو پھر انسان یہ سوچتا ہے کہ لیلیٰ اس کی بغل میں کیوں ہے وہ تو میری بغل میں ہونی چاہئے، اس کی وجہ سے دشمنی ہوتی ہے۔

ایک شخص نے کہا کہ جب وہ کسی کو گاڑی پر جاتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کا خون کھولنے لگتا ہے دل چاہتا ہے کہ اسے قتل کر کے اس کی گاڑی چھین کر اس میں بیٹھ جائے۔

جن لوگوں میں مال کی محبت ہوتی ہے ان کی تین قسمیں ہیں:

❶ انہیں مال دیکھ کر سکون ملتا ہے۔

❷ مال کی محبت کی وجہ سے مالدار سے محبت ہو جاتی ہے۔

❸ اہل مال سے دشمنی ہو جاتی ہے۔ ان کا مال اور منصب ان سے چھین کر قابض ہونا چاہتا ہے۔

❷ کمال:

جس میں کوئی کمال ہو اس کے ساتھ محبت ہوتی ہے خواہ اور کوئی خوبی ہو یا نہ ہو۔ آج کل لوگوں نے کمال کا مفہوم بہت غلط سمجھ لیا ہے، اگر کوئی موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلائے تو کہتے ہیں واہ! کیا کمال ہے۔

ایک بار ہمارے پڑوسی نے پیغام بھیجا کہ ہمارے ہاں ایک شخص آیا ہوا ہے جو بلیڈ کھاتا ہے اس کا یہ کمال دیکھنے کے لئے آپ بھی تشریف لائیں۔ میں نے ان سے کہا کہ ایسی واہیات چیزیں دیکھنے کی مجھے فرصت نہیں، بعد میں خیال ہوا کہ چلئے ان تماشائیوں کو کچھ تبلیغ ہی کر دوں شاید انہیں ہدایت ہو جائے۔ میں نے وہاں جا کر ان سے پوچھا کہ آپ اتنی خطرناک حرکت کر رہے ہیں اس سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ تو وہ خاموش، کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا کہ یہ حب دنیا ہے جو حب مال اور حب جاہ کا مجموعہ ہے۔ ایک تو یہ کرتب دکھا کر آپ لوگوں سے پیسہ لیتے ہیں دوسرے اس سے بھی بڑھ کر واہ واہ میں لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے۔

دراصل یہ گناہوں کا وبال ہے کہ لوگوں کی عقل ماری گئی انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ

کمال کیا ہے۔ اصل کمال تو یہ ہے کہ خود کو اللہ کی حدود کا پابند رکھے خواہ ہر طرف سے گناہوں کی یلغار ہو دنیا بھر کی رنگ رلیاں اور زمانے کی تمام تر رعنائیاں اسے دعوت عمل دیتی رہیں لیکن یہ اللہ کا بندہ بنا رہے یہ ہے کمال ۔

بت کریں مائل مجھے میں ان سے رو گرداں رہوں
کعبہ آگے ہو مرے پیچھے صنم خانہ رہے
پھیر لوں رخ پھیر لوں ہر ما سوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس روئے جانانہ رہے

ایک شخص نے ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آکر یہ کرتب دکھایا کہ ایک تختی میں دس سوئیاں ایک سیدھی قطار میں گاڑلیں پھر ایک طرف سے ایک سوئی پھینکی جو سب سوئیوں کے سوراخوں سے پار ہوگئی۔ ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے دس درھم دو اور دس درے لگاؤ، دس درھم اس لئے کہ یہ انعام کی امید لے کر آیا ہے نامراد واپس نہ جائے اور دس درے اس لئے کہ اس نے ایسے بے سود کام میں وقت ضائع کیا اور لغو مشغلہ پر محنت کی جس میں نہ دین کا کوئی فائدہ نہ دنیا کا۔

۳ جمال:

تیسرا سبب ہے جمال۔ جہاں حسن و جمال ہوتا ہے اس طرف طبیعت مائل ہوتی ہے، خواہ وہ جمال ظاہر ہو یا جمال باطن، پھر ہر شخص کی نگاہ میں حسن کا معیار مختلف ہوتا ہے۔ بہرحال جس چیز میں انسان کو حسن نظر آتا ہے اس میں اسے کشش محسوس ہوتی ہے۔

۴ نوال:

چوتھا سبب ہے نوال، نوال کا مطلب ہے کسی پر احسان کرنا اس سے محسن کے

ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

نفرت کو محبت سے بدلنے کے نسخے:

❶ جس کے ساتھ حسد یا بغض ہو اس کے لئے دنیا اور آخرت کی بہتری کی دعاء کیا کریں۔

❷ اس کی تعریف کیا کریں، کہیں ملاقات ہو تو احترام اور عظمت سے پیش آئیں۔

❸ ہو سکے تو کچھ جسمانی خدمت کیا کریں۔

❹ مالی احسان یعنی ہدایا وغیرہ دیا کریں۔

یہ تدبیریں اختیار کرنے سے حسد اور بغض وعداوت کا علاج ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کو یہ نسخہ بہت مشکل لگے تو یہ سوچیں کہ مرض بھی تو کتنا مہلک ہے جس کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو رہی ہیں، اس تدبیر سے کتنے بڑے خسارے سے بچ جائیں گے۔ ان چیزوں کو سوچیں گے تو کڑوی گولی نگلنا آسان ہو جائے گی ؏

چند روزہ جہد کن باقی بخند

دو چار روز مجاہدہ اور مشقت برداشت کرلیں تو مسرت کی پر سکون زندگی گزاریں گے۔

کوڑا پھینکنے والے پڑوسی کے ساتھ:

یہاں دار الافتاء کے عقب میں اوپر کی منزل والے روزانہ دار الافتاء کے اندر کوڑا پھینک دیا کرتے تھے۔ انہیں کئی بار کہلوایا مگر کوئی اثر نہ ہوا کسی نے مجھ سے کہا کہ ایک ٹرک پتھروں کا منگوا لیتے ہیں اور ان پر برساتے ہیں تو ان کا دماغ درست ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ نہیں یہ مناسب طریقہ نہیں، پھر میں نے پڑوسی کو کہلوایا کہ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ معلوم نہیں کہ آپ کس وقت گھر پر ہوتے ہیں اور

فارغ اوقات کیا ہیں۔ میرا یہ پیغام سن کر وہ میرے پاس خود ہی آگئے۔ میں نے کہا کہ میں آپ کو کچھ ہدایا وغیرہ دینا چاہتا ہوں اس لئے خیال ہوا کہ پہلے کچھ جان پہچان ہو جائے تو بہتر ہے وہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ہدایا دیا کریں، ہماری بدقسمتی ہے کہ اب تک محروم رہے۔ میں نے کوڑے کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ نہیں آپ کے ہاں سے تو بہت وافر مقدار میں ہدایا آتے رہتے ہیں، ٹوکروں کے ٹوکرے، اسی لئے تو خیال ہوا کہ مجھے بھی احسان کا بدلہ دینا چاہئے:

﴿هل جزاء الاحسان الا الاحسان﴾ (۵۵-۶۰)

جب آپ کے ہاں سے اس قدر ہدایا آتے رہتے ہیں تو مجھے بھی تو کچھ دینا چاہئے۔ وہ بہت نادم ہوئے اور اس کے بعد ان کے گھر سے کوڑا آنا بند ہو گیا۔

بزرگ کی غیبت کا قصہ:

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک شخص انہیں بہت بدنام کرتا اور ان کی غیبت کرتا رہتا تھا تو انہوں نے اسے کچھ ہدایا بھیجنے شروع کر دیئے بالآخر اس شخص کو یہ خیال آیا کہ میں انہیں ہر وقت بدنام کرتا رہتا ہوں اور یہ مجھے ہدایا بھیجتے رہتے ہیں تو اسے شرم آئی اور اس نے مخالفت چھوڑ دی، انہوں نے ہدایا بھیجنے چھوڑ دیئے تو وہ شخص بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب میں آپ کی مخالفت کرتا تھا تو آپ ہدایا بھیجتے تھے اور جب سے میں نے آپ کی مخالفت چھوڑی ہے آپ نے ہدایا بھیجنے بند کر دیئے۔ فرمایا کہ جب تک آپ کے ہدایا آتے رہے میں بھی بھیجتا رہا آپ نے ہدایا بھیجنے چھوڑ دیئے تو میں نے بھی یہ سلسلہ بند کر دیا، آپ پھر شروع کر دیں میں بھی شروع کر دوں گا۔

جن کے دلوں میں صلاحیت ہوتی ہے وہ لوگوں کی مخالفت کو اپنے لئے مضر نہیں سمجھتے بلکہ وہ تو اسے بہت بڑی نعمت سمجھتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تربیت

ہوتی ہے۔ بات اس پر چلی:

﴿الانسان عبد الاحسان﴾

"انسان احسان کا بندہ ہے۔"

کسی پر کوئی شخص احسان کرتا ہے تو اسے محسن کے ساتھ ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ بس اس کا غلام ہی بن جاتا ہے۔

۵ قرب:

اسباب محبت میں سے پانچواں سبب قرب ہے کسی کے ساتھ قرابت کا تعلق ہو جیسے والدین، اولاد وغیرہ ان میں دیگر اسباب محبت مال، کمال، جمال اور نوال نہ ہوں تو بھی ان سے محبت ہوتی ہے اور اس محبت کی وجہ قرب ہے۔

اللہ تعالیٰ میں تمام اسباب محبت موجود ہیں:

دنیا میں محبت کے یہی پانچ اسباب ہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے انہی اسباب کی بناء پر محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میں یہ تمام اسباب بدرجۂ اتم موجود ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے محبت بھی بدرجۂ اتم ہونی چاہئے۔

۱ مال:

دنیا اور آخرت کے تمام خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

﴿وللّٰہ خزائن السمٰوٰت والارض ولٰکن المنٰفقین لا یفقھون۝﴾ (۶۳-۷)

۲ کمال:

اللہ تعالیٰ کا کمال کسی پر مخفی نہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے کمال کا مظہر ہے۔

۳ جمال:

﴿اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہٖ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبٰرکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضیء ولولم تمسسہ نار نور علی نور یھدی اللّٰہ لنورہ من یشاء ویضرب اللّٰہ الامثال للناس واللّٰہ بکل شیء علیم۝﴾

(۲۴-۳۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی بہت عجیب مثال بیان فرمائی ہے، بہت ہی عجیب، کیا بتاؤں اور کیسے بتاؤں؟ بس اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ بہت عجیب مثال ہے، جیسا میرا اللہ بے مثال ہے ویسا ہی اس کا نور بھی بے مثال اور اس کے نور کی مثال بھی بے مثال۔

جس ذات نے دنیا و آخرت کا تمام تر حسن و جمال پیدا فرمایا خود اس کا حسن و جمال کیسا ہوگا ؎

حسن خویش ازروئے خوبان آشکارا کردۂ
پس بچشم عاشقا خود را تماشا کردۂ
پرتو حسنت نہ گنجد در زمین وآسمان
در حریم دل نمی دانم کہ چون جا کردۂ

اے میرے محبوب! تو دنیا میں بہتر سے بہتر مصنوعات پیدا کر کے ان میں اپنا جمال اور کمال دکھا رہا ہے ؎

پرتو حسنت نہ گنجد در زمین و آسمان
در حریم دل نمی دانم کہ چون جاکردۂ

تیرے حسن کا عکس، اس کا پرتو زمین و آسمان میں نہیں سما سکتا۔ اسے تو صرف وہی جانتا ہے جس کے دل میں تو نے اپنی محبت کی چنگاری رکھ دی، کامل علم تو اسے بھی نہیں لیکن کچھ شعور ہو جاتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ دل کی چھوٹی سی کوٹھڑی میں تیرا حسن کیسے سما گیا۔ ایک حدیث قدسی بتائی جاتی ہے:

﴿ماوسعنی سمائی ولا ارضی بل وسعنی قلب عبدی المؤمن﴾

”میں زمین و آسمان میں نہیں سمایا لیکن اپنے مؤمن بندے کے دل میں سما گیا۔“

اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کو موضوع کہا گیا ہے مگر مضمون صحیح ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما جهولا۝﴾ (۳۳-۷۲)

اس آیت کی تفسیر احسن الفتاوی جلد اول میں ہے جس کا حاصل یہ ہے ؎

کہیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب ہے اب وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

میرے اللہ کے ہاں قلب مؤمن کا اتنا بلند مقام ہے۔
مؤمن کا دل جانتا ہے کہ اس کا حسن کیسا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک خاتون مسئلہ پوچھنے آئیں کہ میرا

شوہر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا جائز ہے، شریعت نے تو چار تک کی اجازت دی ہے بشرطیکہ ان میں عدل قائم رکھ سکے۔ خاتون کہنے لگیں کہ میں بہت خوبصورت ہوں، میرے ظاہر و باطن میں کوئی عیب نہیں پھر بھی وہ دوسری شادی کرنے پر مصر ہے۔ مگر حضرت جنید بغدادی کیسے ناجائز کہتے مسئلہ تو بہرحال یہی ہے کہ بیوی کیسی ہی حسین ہو دوسری شادی جائز ہے۔ پھر اس نے کہا کہ حضرت اگر شریعت میں پردہ کا حکم نہ ہوتا تو میں نقاب اٹھا کر دکھا دیتی کہ میں کس قدر حسین ہوں، مجھ جیسی حسین جس کے گھر میں ہو اسے غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی کیا ضرورت؟ آپ فیصلہ کریں۔ یہ سن کر حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ بے ہوش ہوگئے، وہ عورت تو ڈر کے مارے بھاگ گئی، تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش میں آئے تو خدام نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ فرمایا کہ جب اس خاتون نے یہ کہا کہ ”اگر شریعت میں پردے کا حکم نہ ہوتا تو میں نقاب اٹھا دیتی، مجھ جیسی حسین جس کے گھر میں ہو اسے غیر کی طرف نگاہ اٹھانے کی کیا حاجت؟“ یہ سن کر مجھے اللہ تعالیٰ کے جمال کا خیال آ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے جو میری محبت میں مرے جا رہے ہیں گھلے جا رہے ہیں، رات رات بھر میری یاد میں لگے رہتے ہیں اگر وہ میرے جمال کو ذرا ایک نظر دیکھ لیں تو پھر کیا کریں، بلا دیکھے ہی ان کا یہ حال ہو رہا ہے تو دیکھنے کے بعد کیا حال ہوگا۔ اہل محبت کو تو ہر بات میں ادھر ہی توجہ ہوتی ہے۔

۴ نوال:

انسان سوچتا ہی نہیں کہ اللہ کے کتنے احسانات ہیں۔ ذرا سی عقل ہو ذرا سی عقل تو سوچے، غور و فکر کرے کہ اللہ کے کتنے احسانات ہیں، کیسا کرم ہے، کتنی نعمتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں مقام صبر ہے ہی نہیں، ہر مقام مقام شکر ہی ہے۔ یہ تو انسان کی ناشکری، ناقدری، بے ہمتی اور ہوس کی بات ہے اگر وہ یہ سمجھے کہ اس کے پاس

نعمتیں نہیں وہ صبر کر رہا ہے۔ دنیا میں صبر کا مقام کوئی ہے ہی نہیں۔ انسان جس حالت میں بھی ہو اللہ تعالیٰ کے احسانات اتنے ہیں کہ انسان کسی طرح بھی ان کا شکر اداء نہیں کر سکتا۔

نہیں ہوتا ادائے حق نعمت کچھ نہیں ہوتا
اگرچہ دل ہے وقف سجدۂ شکرانہ برسوں سے

سر تو سجدہ کرتا ہی ہے مگر جس میں صلاحیت ہو اس کا دل بھی سجدہ کرتا ہے بلکہ ہر وقت سجدۂ شکر کے لئے وقف ہو کر اپنے محسن حقیقی و منعم حقیقی کے سامنے جھکا رہتا ہے دنیا میں ہر مقام شکر کا مقام ہے، صبر کا اجر تو اللہ تعالیٰ ایسے ہی مفت میں عطاء فرما دیتے ہیں بندے کی بے ہمتی کے پیش نظر ورنہ در حقیقت مقام صبر تو ہے ہی نہیں۔ دنیا کا کوئی فرد ایسا نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب نعمتیں نہ ہوں:

﴿واٰتکم من کل ماسالتموہ وان تعدوا نعمت اللّٰہ لا تحصوھا ان الانسان لظلوم کفار﴾ (۱۴-۳۴)

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہر اس چیز سے حسب حکمت و مصلحت حصہ دیا جو تم زبان یا حال سے چاہتے تھے۔

یعنی زبان سے سوال کے بغیر ہی تمہارے حال کے مطابق تمہاری ضرورت کی چیزیں تمہیں عطاء کیں۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انہیں شمار نہیں کر سکتے، بلاشبہہ انسان بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے۔ ظالم سے مراد ہے نافرمان کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے۔

یہ انسان بڑا ناشکرا ہے، بڑا ظالم ہے، اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے، نعمتوں کا اقرار

نہیں کرتا، نعمتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا، نہ توزبان سے شکر اداء کرتا ہے نہ ہی عمل سے۔ ایک تو انَّ میں تاکید، لام میں تاکید، جملہ اسمیہ اور لام جواب قسم، چار تاکیدوں کے ساتھ فرماتے ہیں اور قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ بڑا ظالم ہے، بڑا ہی ناشکرا ہے پھر ظلوم مبالغہ کا صیغہ اور کفّار بھی مبالغہ کا صیغہ یعنی یہ چھوٹا سا ناشکرا نہیں بلکہ بہت بڑا ناشکرا ہے (حاضرین میں سے کسی کو جمائی آئی تو اس نے منہ پر ہاتھ نہیں رکھا اس پر حضرت اقدس نے فرمایا) جب جمائی آئے منہ پر ہاتھ رکھا کریں پہلے توروکنے کی کوشش کیا کریں نہ رکے تو بائیں ہاتھ کی پشت رکھا کریں۔ یہ بات شروع ہی سے بچوں کو بتانی چاہیئے مگر جہالت اور غفلت نے اس قوم کو خراب کر دیا۔ جب بچہ چھوٹا ہو تو جیسے ہی جمائی لے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیں، کہیں ہاتھ ایسے نہ رکھئے گا کہ اس کا دم ہی گھٹ جائے۔ بچہ کا منہ تو چھوٹا سا ہوتا ہے بس ایک انگلی رکھ دی کافی ہے پھر جیسے جیسے بچہ بڑا ہو گا اور وہ بڑوں کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھے گا تو وہ سمجھ جائے گا کہ یہ ضروری کام ہے وہ کسی کے کہے بغیر خود بخود کرنے لگے گا۔ جو کام آپ کے والدین کو کرنے چاہیئے تھے وہ کام میں کر رہا ہوں خاص طور پر دو کاموں کی ہدایت ایک یہ کہ جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھا کریں دوسرا یہ کہ نماز میں ہاتھ نہ ہلایا کریں۔ یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لیں اپنے بچوں کو بتایا کریں۔ جب انہیں نماز سکھائیں تو سب سے پہلے یہ بتائیں کہ نماز میں ہاتھ ہرگز نہ ہلائیں،

بات یہ ہو رہی تھی کہ مقام صبر تو دنیا میں ہے ہی نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اگر کوئی بندہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ صبر کر رہا ہے تو اس کے گمان کے مطابق اسے صابرین کی فہرست میں داخل فرما لیتے ہیں۔

شاکر دل کی علامت:

سب سے بڑا شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دیں۔ دراصل شکر تو دل کا

ہوتا ہے اور دل شاکر بنایا نہیں اس کی علامت کیا ہے؟ ایک علامت تو اس کی فریب والی ہے کہ بس زبان سے کہتے رہیں الحمد للہ! الحمد للہ!! اللہ تیرا شکر ہے۔ دوسری علامت حقیقی ہے یعنی گناہ چھوٹ جائیں زبان کے ساتھ ساتھ پورا جسم شکر گزار بن جائے۔

افادتکم النعماء منی ثلٰثة
یدی ولسانی والضمیر المحجبا

شاعر بادشاہ سے کہتا ہے کہ آپ کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ ان کی وجہ سے آپ میری تین چیزوں کے مالک بن گئے ہیں۔ میرے ہاتھ پاؤں آپ ہی کی خدمت واطاعت میں لگے رہتے ہیں اور میری زبان کے مالک بھی آپ ہی بن گئے وہ بھی آپ ہی کی تعریف میں ہر وقت تر رہتی ہے، ہمہ وقت تیرے ذکر سے رطب اللسان رہتا ہوں اور سب سے بڑی بات یہ کہ سینے میں چھپا ہوا دل بھی آپ ہی کا ہو گیا۔

زخمی بھی کیا کس کو سینے میں چھپے دل کو
شاباش او تیر افگن کیا خوب نشانہ ہے

یا اللہ! اپنی رحمت سے سب کے قلوب کے ساتھ اپنی محبت کا یہی معاملہ فرمادے

ع

شاباش او تیر افگن کیا خوب نشانہ ہے

ایک شاعر اپنے ہی جیسی ایک فانی مخلوق کے بارہ میں کہتا ہے کہ تیرے احسانات نے میرے دل کو خرید لیا اس میں غیر کا کوئی وسوسہ نہیں آتا، دوسرے کی طرف کوئی توجہ نہیں یہ دل تو بس اب تیرا ہی ہو گیا۔

خذوا فؤادی ففتشوہ وقلبوہ کما تریدوا
فلن تحسوا بہ سواکم زدوا علی الحضور زیدوا

”میرے محبوب! میرے دل کو پکڑ لے پھر اسے چیر کر خوب الٹ پلٹ کر دیکھ، تجھے اس میں تیرے سوا کچھ نہیں ملے گا، مجھ پر اور زیادہ سے زیادہ توجہ فرما“

یہ ہے محبت، اللہ کی محبت ایسی پیدا ہو جائے۔ دل کے خیالات، رجحانات، تمنائیں ساری کی ساری بس صرف اسی کی طرف متوجہ رہیں:

﴿اللھم اجعل وساوس قلبی خشیتک وذکرک واجعل ھمتی وھوای فیما تحب وترضی﴾

جس دل میں اللہ کی محبت آجاتی ہے اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ یا اللہ! میرے دل کے وساوس، میرے دل کے خیالات کیا ہوں؟ خشیتک وذکرک بس تیرے ہی خیالات آتے رہیں تیرا خوف اور تیرا ذکر، بس اس کے سوا اس دل میں کچھ نہ رہے۔ اللہ کے خوف کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ! کوئی ایسی چیز ہیں جن سے ڈرا جائے جیسا کہ ظالم جابر بادشاہ سے ڈرا جاتا ہے، اللہ سے ڈرنا یوں نہیں، اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خوف اللہ کی محبت کا عکس ہے، اس کے تابع ہے، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت جتنی بڑھتی جائے گی اس کا ڈر بھی بڑھتا جائے گا کہ کہیں محبوب ناراض نہ ہو جائے اگر کوئی بات ذرا سی بھی محبوب کی رضا کے خلاف ہو گئی تو پھر کیا بنے گا۔ یہ خوف ہوتا ہے محبوب کی ناراضی کا۔

﴿واجعل ھمتی وھوای فیما تحب وترضی﴾

میرے اہم مقاصد میری کوششیں، میری محنتیں ساری کی ساری اسی میں رہیں کہ تو راضی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سب کے حق میں یہ دعاء قبول فرمائیں۔

شدت مرض میں غلبۂ شکر:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا سید اصغر حسین

صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قصہ بیان فرمایا، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں بہت اونچے درجہ کے استاذ اور بہت بڑے بزرگ تھے۔ انہیں ایک بار بخار ہوگیا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے پوچھا: "حضرت کیسے مزاج ہیں" فرمایا "الحمد للہ! کان صحیح ہیں، الحمد للہ! آنکھ صحیح ہے، الحمد للہ! زبان صحیح ہے، الحمد للہ! ہاتھ صحیح ہیں، الحمد للہ! پاؤں میں تکلیف نہیں، الحمد للہ! سر میں درد نہیں۔ مزاج جو بتانا شروع کیا تو ایک ایک عضو پر الحمد للہ! الحمد للہ! اور جو بخار کی تکلیف تھی اس کا ذکر تک نہ کیا۔ جب دل شاکر بن جاتا ہے تو اسے تو ہر طرف نعمتیں ہی نعمتیں نظر آتی ہیں بظاہر اگر کوئی تکلیف بھی ہوتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میرے رب کی طرف سے جو بھی معاملہ ہے اسی میں میری بہتری ہے لہٰذا وہ مصیبت پر بھی شکر اداء کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"جب انسان پر کوئی مصیبت آئے تو اس پر تین شکر واجب ہیں:

① الحمد للہ! کہ یہ مصیبت دنیوی ہے دینی نہیں، دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

② الحمد للہ! چھوٹی مصیبت ہے بڑی مصیبت نہیں۔ دنیا میں بڑی سے بڑی مصیبتیں ہیں۔

③ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے مصیبت پر صبر کی توفیق عطاء فرمائی جزع وفزع سے حفاظت فرمائی۔"

الحمد للہ خیر ہوگئی:

ایک بزرگ کی یہ عادت تھی کہ جب بھی کوئی ان سے کسی تکلیف کا ذکر کرتا تو فرماتے:

"الحمد للہ خیر ہوگئی۔"

ایک شخص کا جوان بیٹا فوت ہوگیا تو انہوں نے حسب معمول وہی جواب دیا الحمد للہ! خیر ہوگئی، اسے بہت غصہ آیا اور اس نے ٹھان لیا کہ انہیں کوئی زبردست چوٹ لگا کر پوچھوں گا کیا حال ہے؟ پھر دیکھوں گا کیا جواب دیتے ہیں۔ یہ بزرگ گاؤں میں رہتے تھے، دیہاتیوں کے دستور کے مطابق قضاء حاجت کے لئے گاؤں سے باہر جاتے تھے۔ اس شخص کو ان کے باہر جانے کا وقت اور راستہ معلوم تھا۔ لاٹھی لے کر اس راستے میں کسی جھاڑی کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا کہ جب یہاں سے گزریں گے تو لاٹھی مار کر پوچھوں گا۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یوں دستگیری فرمائی کہ ان کے کمرے کے دروزے کی اونچائی کم تھی جس میں سے سر جھکا کر گزرنا پڑتا تھا۔ اس روز باہر نکلنے لگے تو سر جھکانے کا خیال نہ رہا، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت دکھانے کے لئے سر جھکانے سے غفلت طاری فرمادی، سر چوکھٹ سے ٹکرا گیا، زخم ہوگیا، گھر ہی میں اجابت سے فارغ ہوئے، سر پر پٹی باندھی۔ ادھر وہ شخص انتظار کر کے مایوس ہوگیا تو ان کے گھر پہنچا دیکھا کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے، پوچھا کہ کیا ہوا؟ انہوں نے حسب معمول وہی جواب دیا: "الحمد للہ خیر ہوگئی" اس نے دل میں کہا کہ خیر ہی ہوگئی ورنہ میں خیر بناتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت جو بصورت زحمت ظاہر ہوئی اس میں کئی فائدے ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ کو چھوٹی چوٹ لگا کر بڑی چوٹ سے بچالیا۔

② اس شخص کو بہت بڑے گناہ سے بچالیا۔

③ اگر وہ شخص اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا تو ان بزرگ کے قلب میں رنجش پیدا ہوتی پھر اگر یہ معاف بھی فرمادیتے تو شاید اللہ تعالیٰ اسے معاف نہ فرماتے دنیا اور آخرت میں کوئی عذاب اس پر مسلّط فرماتے۔

④ دیندار لوگ بلکہ بے دین بھی جنہیں بزرگوں سے تھوڑا بہت انس ہوتا ہے وہ سب اس کے دشمن ہوجاتے اور اسے تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے کچھ بعید نہیں

کہ قتل ہی کر دیتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا مقام عبدیت:

حضرت یوسف علیہ السلام پر کتنے بڑے بڑے مصائب آئے:

1. بچپن ہی میں بھائیوں نے لے جاکر کنویں میں پھینک دیا اندازہ لگائیں کہ کمسن بچے کو کنویں میں پھینک دیا جائے تو اس پر کیا گزرے گی۔
2. کنویں سے نکالنے والوں نے بازار میں لے جاکر فروخت کر دیا۔ نہ صرف نبی زادے بلکہ خود بھی نبی بننے والے تھے اور نبی نبوت ملنے سے پہلے ولی ہوتا ہے، والدین نے بڑے نازو نعم سے پالا تھا۔
3. اس برگزیدہ ہستی کو غلام بنالیا گیا، غلاموں کی زندگی حیوانوں سے بھی بدتر ہوتی ہے۔
4. ابا کی جدائی کا صدمہ۔
5. ان سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت زلیخا کی جس سے دنیا و آخرت دونوں تباہ ہونے کا خطرہ۔
6. کئی سال جیل میں رہنے کی مصیبت۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے لئے چھ کام کئے:

1. سب سے پہلے نفس و شیطان کے شر سے بچنے کے لئے اللہ سے پناہ طلب کی۔
2. اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی شان تربیت کا مراقبہ کیا:

﴿معاذ اللّٰہ انہ ربی احسن مثوای انہ لا یفلح الظّٰلمون○ ولقد ھمت بہ و ھم بھا لولا ان رأ برھان ربہ﴾ (۱۲-۲۳، ۲۴)

اپنے محسن کو ناراض کردوں یہ کبھی نہیں ہو سکتا، کچھ بھی ہو جائے میں اس مالک کو

کبھی ناراض نہیں کر سکتا۔ سب سے پہلی بات یہ سوچی، اسی لئے تو بتایا جاتا ہے کہ اپنے اعمال کا محاسبہ اور مراقبہ کیا کریں، یہ سوچا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے کتنے احسانات ہیں یہ دنیا فانی ہے، یہ لذتیں سب ختم ہو جانے والی ہیں، ایک دن مرنا ہے، پھر جان کیسے نکلے گی، عذاب قبر کو سوچا کریں، اس کے بعد پھر مالک کے حضور پیشی ہوگی اور پھر جنت یا جہنّم۔ جہنّم کی وعیدیں تو گدھوں کے لئے ہیں، گدھوں کے لئے۔ اگر کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرا سا بھی تعلّق ہو وہ تو یہی سوچ سوچ کر مرا جاتا ہے کہ کہیں مالک کی نظر نہ ہٹ جائے، کوئی کام مالک کی رضا کے خلاف نہ ہو جائے، اس کے لئے تو ہزاروں جہنّموں سے بڑھ کر جہنّم یہ ہے کہ مالک کی نظر ہٹ گئی۔ مگر آج کا مسلمان اس سے تو کیا ڈرے وہ تو جہنّم سے بھی نہیں ڈرتا یہ تو بڑا بہادر ہے، بہت بہادر ہے۔

۳ ابتلاء سے بچنے کی کوشش کی اور بھاگے۔ اگر سوچتے کہ دروازے تو مقفل ہیں تو بھاگنے سے کیا فائدہ، مبتلا ہو جاتے بچ نہ سکتے۔ یہ سوچا کہ جو کر سکتا ہوں وہ تو کروں آگے میرا مالک میری مدد کرے گا، وہ وہاں سے بھاگے اور اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی دروازے خود بخود کھل گئے۔

یہ تین تدبیریں تو زلیخا کے پہلے حملہ کے وقت فوری طور پر کیں، پھر آیندہ کے لئے حفاظت کی مزید تین تدبیریں اختیار کیں:

۱ محبوب حقیقی کی ناراضی سے بچنے کے لئے بڑی سے بڑی مشقت و مجاہدہ خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کا عزم ظاہر فرمایا، زلیخا نے جیل میں ڈالنے اور ذلیل کرنے کی دھمکی دی تو محبوب حقیقی کی ناراضی سے بچنے کا ذریعہ بننے والی جیل محبوب ہوگئی۔

۲ اپنے رب کریم کے سامنے اپنی عاجزی پیش کر کے اس ابتلاء عظیم سے بچنے کی دعاء کی۔

۳ اس قدر معجزانہ بلند ہمتی کے ساتھ اپنی ہمت پر نظر رکھنے کی بجائے اپنے رب کریم کی دستگیری پر نظر رکھی۔

مجموعہ چھ تدبیریں ہوگئیں، آخری تین تدبیروں کا بیان ان آیتوں میں ہے:

﴿قالت فذٰلکن الذی لمتننی فیه ولقد راودته عن نفسه فاستعصم ولئن لم یفعل ما اٰمره لیسجنن ولیکونا من الصٰغرین۝ قال رب السجن احب الی مما یدعوننی الیه والا تصرف عنی کیدهن اصب الیهن واکن من الجٰهلین۝﴾

(۱۲-۳۲، ۳۳)

پھر امتحان میں اتنی بڑی کامیابی حاصل ہو جانے کے بعد بھی اپنے کمال پر نظر جانے کی بجائے اپنے رب کریم کی رحمت پر نظر رہی:

﴿وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا مارحم ربی ان ربی غفور رحیم۝﴾ (۱۲-۵۳)

پھر جب جیل سے رہائی ہوئی اور بہت مدت کے بعد والد سے ملاقات ہوئی تو اتنی بڑی بڑی تکلیفوں میں سے ایک کا بھی ذکر نہیں کیا اپنے رب کریم کے احسانات ہی گنوا رہے ہیں:

﴿وقد احسن بی اذاخرجنی من السجن وجاءبکم من البدو من بعد ان نزغ الشیطٰن بینی وبین اخوتی ان ربی لطیف لما یشاءانه هو العلیم الحکیم۝﴾ (۱۲-۱۰۰)

کئی سال جیل میں رہنے کی تکلیف کا کوئی ذکر نہیں کیا جیل سے نکالے جانے کی رحمت کا ذکر فرمایا۔ اسی طرح ابا سے فراق کی پریشانی کا ذکر نہیں کیا دوبارہ ملاقات کی رحمت کا ذکر فرمایا۔

تیسری بات یہ کہ کہیں ابا کو بھائیوں سے کچھ نفرت پیدا نہ ہو جائے اور بھائیوں کو بھی اپنے کئے پر شرمندگی نہ ہو اس بارے میں کیا عجیب ارشاد ہے:

﴿نزغ الشیطٰن بینی وبین اخوتی﴾

”وہ تو شیطان نے کروادیا تھا بھائیوں کا کوئی قصور نہیں۔“

اور بھائیوں سے انتقام لینے یا شکایت کرنے کی بجائے انہیں بالکل معاف کردیا پھر مزید احسان یہ کہ ان کے لئے مغفرت کی دعاء بھی کردی:

﴿قال لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم وھو ارحم الرّٰحمین۝﴾ (۱۲-۹۲)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا مقام عبدیت:

حضرت یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی طرف سے ایسی سخت اذیت پہنچی کہ بینائی جاتی رہی اور مرنے کا خطرہ ہوگیا مگر سب کو بالکل معاف فرمادیا اور مزید دعاء مغفرت سے بھی نوازا:

﴿قال سوف استغفر لکم ربی انہ ھو الغفور الرحیم۝﴾

(۱۲-۹۸)

ایسے ہوتے ہیں شاکر بندے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبدیت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

﴿والذی ھو یطعمنی ویسقین۝ واذا مرضت فھو یشفین۝﴾ (۲۶-۷۹،۸۰)

”میرا اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔“

اگر اپنے ہاتھ کی کمائی ہے تو صلاحیت کس نے دی؟ کمانے کے مواقع کس نے

دیئے؟ اس میں برکت کس نے دی؟ خسارے اور نقصان سے بچایا تو کس نے بچایا؟ سب اسی کا کرم ہے اسی کی عطاء ہے۔

”اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفاء دیتا ہے۔“

درحقیقت بیماری اور شفاء دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ مجھے بیمار بھی کرتا ہے اور شفاء بھی دیتا ہے۔ یہ عبدیت اور ادب کا مقام ہے کہ بیماری کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور شفاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف۔ شکر کی وجہ سے دل میں ادب پیدا ہو جاتا ہے۔

نعمتوں کا سوال ہوگا:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار چند رفقاء کے ساتھ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص پر گزر ہوا جو بہرا، اندھا، گونگا تھا اور جذام کی وجہ سے اس کی کھال بھی خراب ہو رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں رک گئے اور فرمایا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم﴾ (۱۰۲-۸)

جب ہمارے ہاں پیشی ہوگی تو ہم نعمتوں کے بارہ میں پوچھیں گے کہ نعمتوں کا کیا شکر ادا کیا؟ پھر بات دل میں اتار لیں کہ نعمتوں کا شکریہ ہے کہ منعم کی، محسن کی نافرمانی چھوڑ دی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رفقاء سے پوچھا کہ کیا اس شخص سے بھی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا؟ ساتھیوں نے عرض کیا کہ اس بیچارے کے پاس ہے ہی کیا، مال و منصب وغیرہ تو رہے الگ اس کے پاس تو دیکھنے، سننے اور بولنے تک کی صلاحیتیں نہیں حتیٰ کہ اس کی کھال تک گلی سڑی ہے۔ کیا اس سے بھی سوال ہوگا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں اس سے بھی سوال ہوگا، یہ نہیں دیکھتے کہ اس کے کھانے، پینے اور ان کی نکاسی کے راستے اللہ نے بند نہیں کئے وہ صحیح ہیں۔ یہ تو آپ نے ایک مثال بیان فرمادی ورنہ جسم کے اندر کتنے اعضاء ہیں۔

دنیا میں انسان کیسی ہی حالت میں ہو وہ مقام صبر نہیں مقام شکر ہے کیونکہ اللہ کے احسانات، اس کی نعمتیں بہت زیادہ ہیں۔ انسان کیسے کہہ دیتا ہے کہ اس کے پاس یہ نعمت نہیں، یہ نعمت نہیں۔ اتنے بڑے محسن کے احسانات کا انکار کرتے ہوئے ذرا بھی تو شرم نہیں آتی، احسانات کو، نعمتوں کو نہیں سوچتے، مصیبت کو سوچتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر دل میں اتر جاتا ہے تو پھر وہ کسی مصیبت میں پریشان نہیں ہوتا وہ تو خوش ہی رہتا ہے اور جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس میں بھی اس کا فائدہ ہے۔ اس لئے اسے مصیبت میں بھی لذت محسوس ہوتی ہے ؎

ہمدم جو مصائب میں بھی ہوں میں خوش و خرم
دیتا ہے تسلی کوئی بیٹھا مرے دل میں
روتے ہوئے اک بار ہی ہنس دیتا ہوں مجذوب
آجاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مرے دل میں

ایک مدت تک میں یہ کہتا تھا کہ میں یہ شعر دوسروں کے لئے پڑھتا ہوں، اپنے لئے کبھی نہیں پڑھتا بہت ڈرتا ہوں اس لئے کہ مجھ پر تو اللہ نے کبھی کوئی مصیبت ڈالی ہی نہیں، پھولوں کی طرح رکھا۔ یا اللہ! ہر آیندہ لمحہ گزشتہ سے بہتر بنادے۔ میں یہ شعر پڑھتے ہوئے بہت ڈرتا تھا۔ ابھی چند روز ہوئے اس کا ایک مطلب اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈال دیا وہ یہ کہ دوسروں کے مصائب سن سن کر دنیا پریشان ہو رہی ہے، ڈر رہی ہے مگر میں دوسروں کے مصائب کے بارہ میں سن کر بھی پریشان نہیں ہوتا ؎

مجھے یاس کیوں ہو کہ وہ دل میں بیٹھے
برابر تسلی دیئے جا رہے ہیں
کیا جب کبھی یاد میں نے ہے ان کو
تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ آرہے ہیں

۵ قرب:

اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ انسان خود اپنے نفس سے اتنا قریب نہیں جتنا اللہ تعالیٰ اس سے قریب ہیں۔

اللہ کے قرب کو سوچنا نسخۂ سکون ہے:

اللہ کے قرب کو جتنا سوچیں گے اتنا ہی سکون بڑھتا جائے گا اور کسی حال میں بھی پریشانی نہیں ہوگی۔ جدہ میں ایک بار فجر کی نماز کے بعد امام صاحب کچھ بیان فرمارہے تھے۔ ان کے بیان کے چند جملے میں اکثر تنہائی میں دہراتا رہتا ہوں، آپ لوگ بھی یاد کرلیں، دلوں میں اتارلیں، فرمایا:

﴿خلقت وحیدا واموت وحیدا وابعث وحیدا فمالی وللناس﴾

خلقت وحیدا، ماں کے پیٹ میں جب میرا اللہ میری صورت بنارہا تھا اس وقت میرے ساتھ سوائے میرے اللہ کے اور کوئی نہیں تھا۔ واموت وحیدا، اور جب میں مروں گا اکیلا ہی مروں گا، خواہ دنیا بھر کے اسباب اختیار کرلئے جائیں مگر جب اللہ نے حکم دے دیا تو پھر اللہ کے حکم کے مقابلہ میں تمام اسباب ناکام ہوجاتے ہیں۔ وابعث وحیدا، اور جب قبر سے اٹھایا جاؤں گا تو اکیلا۔ فمالی وللناس اور پھر لوگوں سے میرا کیا تعلّق۔

ان مختصر سے جملوں کو یاد کرلیں اور سوچا کریں کہ سوائے اللہ کے کوئی کام نہیں آئے گا تو پھر لوگوں کا خوف اور انہیں راضی رکھنے کی فکر کیوں؟

عقلاً یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ میں تمام اسباب محبت کامل درجہ میں موجود ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ سے محبت بھی کامل درجہ میں ہونی چاہئے۔

اللہ کی محبت ایمان کی بنیاد:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ومن الناس من یتخذ من دون اللّٰہ اندادا یحبونھم کحب اللّٰہ والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ﴾ (۲-۱۶۵)

فرمایا کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے اور ان کو غیر اللہ کے ساتھ اتنی محبت ہے جتنی اللہ کے ساتھ ہونی چاہئے اور جو ایمان والے ہیں انہیں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ یہاں ایمان کی علامت یہی بتائی گئی ہے کہ اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لایؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین﴾ (صحیح بخاری)

"تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔"

اس ارشاد گرامی سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت ہونا، ان دونوں کے ایک

ہی معنی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت در حقیقت اللہ ہی کی محبت ہے، سو ایمان کے یہ معنی ٹھہرے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت ہو۔

اس آیت اور حدیث سے یہ بات خوب واضح ہوگئی کہ ایمان کی بنیاد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ جس پر ایمان کا دعویٰ ہے اس نے ایمان کے صحیح ہونے کا معیار بتادیا۔ اگر ایمان کا دعویٰ اس معیار کے مطابق ہے تو ٹھیک ورنہ یہ مدعی جھوٹا ہے ۔

وکل یدعی وصلا بلیلی
ولیلی لا تقر لھم بذاک

لیلیٰ کے ساتھ محبت کے مدعی تو بہت ہیں لیکن وہ لیلیٰ بھی تو مانے اس سے پوچھو وہ کیا کہتی ہے، یوں تو ہر شخص یہ کہے گا کہ اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے لیکن یہ کیسے پتا چلے کہ محبت ہے یا نہیں؟ اس سے متعلق دو باتیں سمجھ لیں:

1. محبت کی ابتداء کیا ہے؟
2. محبت کی انتہاء کیا ہے؟

محبت کی ابتداء:

محبت کی ابتداء یہ ہے کہ محبوب سے اتنی محبت ہوجائے کہ محبوب کی کبھی نافرمانی نہ کرے، خود اللہ تعالیٰ نے محبت کا یہ معیار ارشاد فرمادیا ہے:

﴿قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفر لکم ذنوبکم واللّٰہ غفور رحیم ۞ قل اطیعوا اللّٰہ والرسول فان تولوا

فان اللّٰہ لا یحب الکٰفرین ﴿﴾ (۳-۳۱، ۳۲)

اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے علاوہ عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ محبوب کی نافرمانی کا تحمل نہیں ہوتا۔

خود فیصلہ کرلیں کہ یہ بات عقل کے مطابق ہے یا نہیں؟ ؎

تعصی الرسول وانت تظهر حبه
هذا لعمری فی الفعال بدیع
لو كان حبک صادقًا لاطعته
ان المحب لمن یحب مطیع

جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہوئے محبت کا دعویٰ کرے وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

ابھی ربیع الاول قریب ہی ہے لوگ لنگوٹے کسے بیٹھے ہوں گے کہ جلسے جلوس، سیرت کی محفلیں اور طرح طرح کے ہنگامے کرکے ثابت کرنا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مرے جارہے ہیں۔ خوب نعرے لگیں گے، جلوس نکلیں گے، نعت خوانیاں ہوں گی، میلاد کریں گے لیکن جب ان کی صورت دیکھی جائے تو وہ اللہ کے دشمنوں کی ہوتی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے دعوے تو بہت ہیں لیکن جب محبوب کی صورت سامنے آتی ہے تو جی متلانے لگتا ہے گویا ابھی قے ہوجائے گی ان کا حال تو یہ ہے ؎

ہم فراق یار میں گھل گھل کے ہاتھی ہوگئے
اتنے گھلے اتنے گھلے رستم کے ساتھی ہوگئے

شاباش ایسے عاشقوں پر ؎

ساتھ غیروں کے مری قبر پہ آتے کیوں ہو
تم جِلاتے ہو مجھے تو جَلاتے کیوں ہو

گناہ کا سب سے پہلا حملہ عقل پر ہوتا ہے:

حقیقت یہ ہے کہ گناہ کا سب سے پہلا حملہ عقل پر ہوتا ہے اور سب سے بڑا وبال عقل پر پڑتا ہے۔ آپ کسی سے محبت کا دعویٰ کریں مگر اس کی بات نہ مانیں تو در اصل یہ محبت ہے ہی نہیں۔ دنیا میں کسی سے بھی ایسی محبت کی تصدیق کروانا چاہیں تو کوئی تصدیق نہیں کرے گا۔ کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے لیکن جب وہ کسی کام کو کہے تو نہ کرے بلکہ مخالفت کرے اور اسے تکلیف پہنچانے کی فکر میں لگا رہے۔ تو بھلا کون احمق یہ کہے گا کہ اس شخص کو اس سے محبت ہے۔ دعاء مانگا کریں کہ یا اللہ! اتنی عقل عطاء فرمادے کہ پتا چل جائے محبت کسے کہتے ہیں۔

الغرض محبت کی ابتداء یہ ہے کہ کوئی قول و فعل حتیٰ کہ دل کا وسوسہ بھی محبوب کی رضا کے خلاف نہ ہو۔ جو شخص اس کیفیت کا مصداق نہ ہو اور پھر بھی کہے کہ اس کے دل میں محبت ہے تو وہ منافق ہے اور جھوٹ بولتا ہے، اس دعوے کی تصدیق کے لئے دنیا کے حالات کو سوچا کریں اور آخرت بنانے کی فکر کریں۔

محبت کی انتہاء:

محبت کی ابتداء کے معیار کا بیان تو ہو گیا رہی یہ بات کہ محبت کی انتہاء کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محبت کی انتہاء تو ہے ہی نہیں ؎

عبث ہے جستجو بحر محبت کے کنارے کی
کہ اس میں ڈوب جانا ہی ہے اے دل پار ہو جانا

دل آرام در بر دل آرام جو
لب از تشنگی خشک و بر طرف جو

نہ گویم کہ بر آب قادر نیند
کہ بر ساحل نیل مستسقیند

ان اشعار میں اولیاء اللہ کی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ اگرچہ محبوب ان کی بغل میں ہے لیکن طلب اتنی شدید ہے گویا محبوب کو کبھی دیکھا ہی نہیں، گویا کہ دریائے نیل کے کنارے بیٹھے ہوئے ہیں لیکن مرض استسقاء کی وجہ سے پیاس بجھتی ہی نہیں جتنا پیتے ہیں پیاس اسی قدر بڑھتی ہے۔ اسی طرح محبت الٰہیہ کی کوئی انتہاء نہیں، جتنا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اسی قدر تشنگی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تربیت اپنے بندوں کے ساتھ ان کے حالات کے موافق رہتی ہے جہاں احساس پیدا ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ سے وصول ہو گیا تو پیاس بڑھا دی جاتی ہے کہ ارے! ابھی کچھ بھی نہیں ہوا بڑھو، بڑھتے ہی چلے جاؤ اور جہاں دیکھا کہ مایوسی پیدا ہونے لگی، تڑپ رہے ہیں کہیں ملتا ہی نہیں تو فوراً دل میں ڈال دیتے ہیں:

﴿ان اللّٰہ لمع المحسنین﴾ (۲۹-۶۹)

﴿ان اللّٰہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون﴾ (۱۶-۱۲۸)

میرے بندو! صبر کرو جب ہم تمہارے ساتھ ہیں تو گھبراتے کیوں ہو؟ بس جوں ہی یہ تسلی ملی تو پھر کیا پوچھنا دنیا ہی میں رہتے ہوئے جنت کے مزے آنے لگتے ہیں۔ لوگ تو مر کر جنت میں جائیں گے اور عشاق کا حال یہ ہوتا ہے کہ گویا وہ ابھی سے جنت میں ہیں ؎

میں دن رات جنت میں رہتا ہوں گویا
مرے باغ دل کی وہ گلکاریاں ہیں

میں گو کہنے کو اے ہمدم اسی دنیا میں ہوں لیکن
جہاں رہتا ہوں میں وہ اور ہی ہے سرزمیں میری

فنا کیسی بقا کیسی جب ان کے آشنا ٹھہرے
کبھی اس گھر میں آٹھہرے کبھی اس گھر میں جاٹھہرے

حوادث میں بھی کس صبر و سکوں کے ساتھ بیٹھا ہوں
تسلی کررہا ہے دم بدم اک ہمنشیں میری

ہمدم جو مصائب میں بھی ہوں میں خوش و خرم
دیتا ہے تسلی کوئی بیٹھا مرے دل میں
روتے ہوئے اک بار ہی ہنس دیتا ہوں مجذوب
آجاتا ہے وہ شوخ جو ہنستا مرے دل میں

مجھے یاس کیوں ہو کہ وہ دل میں بیٹھے
برابر تسلی دیئے جارہے ہیں
کیا جب کبھی یاد میں نے ہے ان کو
تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ آرہے ہیں

استحضار محبوب میٹھی نیند کا نسخہ:

دیکھا گیا ہے کہ جب کسی کو نیند نہیں آتی تو وہ خواب آور گولیاں کھانا شروع کردیتا

ہے، اس لئے آج ایک نسخہ بتاتا ہوں خواب آور گولیاں کھانے کی بجائے لیٹ کر اللہ تعالیٰ کی محبت کو سوچا کریں، بستر پر لیٹ جائیں اور سوچیں کہ میں جنت میں بہت عمدہ گھاس کی دبیز تہ پر لیٹا ہوا ہوں جس میں سے مشک کی خوشبو آرہی ہے۔ میرے چاروں طرف حور و قصور ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ مزا ہے کہ میرے محبوب نے مجھے آرام سے لٹا رکھا ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے، اسی طرح سوچتے سوچتے اللہ کی محبت میں کھو جائیں تو اس سے بہتر کوئی خواب آور گولی ہو ہی نہیں سکتی، لذت محبوب میں نیند آگئی تو کیا کہنے اور اگر نیند نہ آئی تو مزے ہی لیتے رہیں کیونکہ سونے سے اعصاب میں وہ تسکین پیدا ہو ہی نہیں سکتی جو اللہ اور اس کی محبت کے تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ سونے سے مقصد تو سکون پیدا کرنا ہے اور وہ جب تک اللہ کی محبت نہ ہو پیدا ہو ہی نہیں سکتا:

﴿الذین اٰمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب﴾ (۱۳-۲۸)

اللہ کے ان بندوں کے قلوب میں ایسا سرور ہوتا ہے کہ انہیں لفظ سرور کہنے سننے سے بھی مزا آتا ہے ؎

سرورٌ سرورٌ سرورٌ سرور
بڑا لطف دیتا ہے نام سرور

سکون یا پریشانی کا مدار:

اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ اور دائمی دستور ہے کہ وہ اپنے فرمانبردار بندوں کو دنیا میں بھی سکون و راحت کی حیات طیبہ عطاء فرماتے ہیں اور نافرمانوں پر ان کی دنیا کی زندگی بھی تنگ رکھتے ہیں، مال و دولت اور جاہ و منصب الگ چیز ہے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سکون قلب تو ان کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے، دنیا کی زندگی بھی ان کے

لئے جہنّم بنی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فیصلے سنئے:

﴿من عمل صالحًا من ذكرٍ او انثٰى وهو مؤمنٌ فلنحيينهٗ حيٰوةً طيبةً ولنجزينهم اجرهم باحسن ما كانوا يعملون﴾ (۱۶-۹۷)

اس آیت میں فرمانبرداروں کے لئے دنیا میں بھی پر سکون زندگی کا وعدہ ہے، دوسری جگہ نافرمانوں کے لئے وعید ہے کہ دنیا و آخرت دونوں میں انہیں گرفتار عذاب رکھیں گے:

﴿ومن اعرض عن ذكري فان له معيشة ضنكا ونحشره يوم القيٰمة اعمٰى ۝ قال رب لم حشرتني اعمٰى وقد كنت بصيرا ۝ قال كذٰلك اتتك اٰيٰتنا فنسيتها وكذٰلك اليوم تنسٰى ۝ وكذٰلك نجزي من اسرف ولم يؤمن باٰيٰت ربه ولعذاب الاخرة اشد وابقٰى ۝﴾ (۲۰-۱۲۴ تا ۱۲۷)

اللہ تعالیٰ کے جو بندے اپنے محبوب اور خالق و مالک کو راضی کرنے کے لئے اس کی نافرمانیوں سے بچنے بچانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں ان کے قلوب اپنے محبوب کی طرف سے بشارتوں سے ہر وقت بہت مسرور اور اپنے رب کی تجلّیات سے معمور رہتے ہیں:

﴿الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون ۝ الذين اٰمنوا وكانوا يتقون ۝ لهم البشرٰى في الحيٰوة الدنيا وفي الاخرة لا تبديل لكلمٰت الله ذٰلك هو الفوز العظيم ۝﴾

(۱۰-۶۲ تا ۶۴)

﴿ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملئكة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التي كنتم توعدون ۝ نحن

اولیٰؤکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیھا ماتشتھی انفسکم ولکم فیھا ماتدعون ۝ نزلا من غفور رحیم ۝﴾

(۴۱-۳۰تا۳۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طلب:

یہ جو میں نے کہا کہ محبت کی کوئی انتہاء نہیں اس بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک قصہ بھی سن لیجئے۔ رسالت سے بڑھ کر تو کوئی مقام نہیں ہوسکتا جب رسالت میں طلب محبت کی کوئی انتہاء نہیں تو ولایت میں اس کی انتہاء کیسے ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبل طور پر بلایا تو وہاں اللہ تعالیٰ سے یوں مکالمہ ہوا:

﴿ولما جاء موسی لمیقاتنا وکلمه ربه قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترٰنی ولٰکن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترٰنی فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا وخر موسی صعقا فلما افاق قال سبحٰنک تبت الیک وانا اول المؤمنین ۝ قال یٰموسی انی اصطفیتک علی الناس برسٰلتی وبکلامی فخذما اٰتیتک وکن من الشٰکرین ۝ وکتبناله فی الالواح من کل شیء موعظة وتفصیلا لکل شیء فخذھا بقوة وامر قومک یاخذوا باحسنھا ساوریکم دار الفٰسقین ۝﴾

(۷-۱۴۳تا۱۴۵)

اللہ تعالیٰ سے کلام کی ابتداء ہی میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست کی کہ میرے محبوب! مجھے اپنا دیدار کرادے:

﴿ولما جاء موسی لمیقاتنا وکلمه ربه قال رب ارنی انظر الیک﴾

اے محبوب! تو پس پردہ تو بول رہا ہے ذرا دیدار تو کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ یہ آنکھیں ابھی دیدار کے قابل نہیں ہوئیں البتہ تمہاری تسلی کی خاطر کہ حق الیقین عین الیقین ہو جائے ذرا پہاڑ کی طرف دیکھو! اگر پہاڑ کو میری تجلی کا تحمل ہو گیا تو تم مجھے دیکھ سکو گے:

﴿قال لن ترٰىنی ولٰکن انظر الی الجبل فان استقر مکانه فسوف ترٰىنی فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا وخر موسی صعقا﴾

اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے ۔

نکلنا ان کا پردے سے مرا دیوار ہو جانا
غرض کوئی نہ کوئی مانع دیدار ہو جانا

او پردہ نشین! میں ترے اس ناز کے قرباں
پنہاں مری آنکھوں سے ہویدا مرے دل میں

من شمع جان گدازم و تو صبح دل کشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیک آن چنانم و دور آن چنان کہ گفتم
نے تاب وصل دارم و نے طاقت جدائی

دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تجلی الٰہی کے تحمل کی طاقت پہاڑ سے بھی زیادہ تھی کہ محض بے ہوش ہوئے جبکہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو طلب دیدار سے توبہ کی:

﴿فلما افاق قال سبحٰنک تبت الیک وانا اول المؤمنین○﴾

تسلیم کرلیا کہ یا اللہ! تیری بات بالکل سچی ہے ذرہ برابر شبہہ نہیں تو غلطی سے پاک ہے ۔

نکلنا ان کا پردے سے مرا دیوار ہوجانا
غرض کوئی نہ کوئی مانع دیدار ہوجانا

بالآخر اقرار کیا کہ اے محبوب! اگر دیدار نہیں کروانا چاہتا تو ٹھیک ہے ہم نے بھی طلب چھوڑ دی، اس پر اللہ تعالیٰ نے تسکین کے نسخے ارشاد فرمائے:

﴿قال یٰموسی انی اصطفیتک علی الناس برسٰلتی وبکلامی فخذما اٰتیتک وکن من الشٰکرین○ وکتبنالہ فی الالواح من کل شیء موعظۃ وتفصیلا لکل شیء فخذھا بقوۃ وامر قومک یاخذوا باحسنھا ساوریکم دار الفٰسقین○﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ سرمہ عطاء فرمادیا کہ اسے اپنی اور اپنی امت کی آنکھوں میں لگاتے رہو یعنی احکام الٰہیہ پر عمل کرتے رہو تو نہ صرف دنیا میں تمہارا غلبہ ہوگا اور تم فرعون کو تباہ و برباد ہوتے دیکھو گے بلکہ آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہوگی۔ لیکن یہ کامیابی موقوف ہے نسخہ کے استعمال پر، اس پر ایک مثال سن لیں۔

جھوٹی محبت کے دعووں کی ایک مثال:

کسی نابینا نے شادی کرلی، ہر وقت اپنی لیلیٰ سے کہتا رہتا ہے کہ لیلیٰ میں تو تیری محبت میں مرا ہی جارہا ہوں، مجھے تجھ سے بہت محبت ہے لیکن کیا کروں میری آنکھیں ہی نہیں

ہیں اگر ہوتیں تو بس کچھ نہ پوچھ ہر وقت تجھے دیکھتا ہی رہتا۔ اتفاق سے اس علاقے میں ایک ایسا ڈاکٹر آگیا جس نے اعلان کر دیا کہ وہ مادر زاد اندھوں کو بھی درست کر سکتا ہے یا کوئی طبیب آگیا جس نے اعلان کر دیا کہ اس کے پاس ایسا سرمہ ہے جسے استعمال کرنے سے مادر زاد اندھے بھی بینا ہو جاتے ہیں۔ اس کی بیوی کہتی ہے کہ جائیں ڈاکٹر سے علاج کروالیں تو یہ کہتا ہے کہ یہ کام تو مجھ سے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ڈاکٹر جب میرا آپریشن کرے گا بلکہ آپریشن سے پہلے سن کرنے کے لئے کوئی دواء دے گا تو اس سے مجھے تکلیف ہو گی بلکہ جن نشتروں سے وہ چیر پھاڑ کرے گا انہیں تو دیکھ کر ہی میری جان نکل جائے گی لہٰذا میں ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گا۔ بیوی کہتی ہے کہ اچھا تو پھر حکیم صاحب سے سرمہ لے آئیے تو یہ محبت کا مدعی کہتا ہے کہ نہیں سرمہ تو میں ہرگز نہیں لگا سکتا وہ تو آنکھوں میں بہت چبھتا ہے اور اگر سرمہ چبھنے والا نہ ہوا تو بھی اس کی سلائی آنکھ میں چبھ جائے گی مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔

کیا اس مثال سے بات سمجھ میں آئی؟ بتائیے ایسا کمبخت جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ اے میرے محبوب! تجھ سے اتنی محبت ہے کہ اگر میری آنکھیں ہوتیں اور تیرا دیدار ہو جاتا تو بس کچھ نہ پوچھ میں تیری محبت میں کیسے کودتا اور اچھلتا، کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟ پکا منافق ہے پکا، اسی طرح جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کا طالب ہے، اس کے دل میں رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی تڑپ ہے، اگر اس سے کہا جائے کہ آنکھوں کو دیدار کے قابل بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو سرمہ بتایا ہے اسے لگائیں تو بس یہ محبت کا مدعی چیں بجبیں ہو جاتا ہے۔ ٹی بی (ٹی وی) وی سی آر دیکھنے، جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، تصویر دیکھنے رکھنے اور حرام کمانے کمانے کے مزے چھوڑنا بہت مشکل ہے، محبوب ملے یا نہ ملے ان خبیثات کے عاشقوں سے ان کی یہ محبوب چیزیں نہیں چھوٹ سکتیں۔

عورتوں کا حال یہ ہے کہ بالکل بے پردہ، ننگی پھرتی رہتی ہیں اور عشق کے دعوے ایسے کہ بس کچھ نہ پوچھئے اور بعض ایسی بھی ہیں جو باہر تو پردہ کر کے نکلتی ہیں لیکن گھروں میں وہی بے حیائیاں ہیں، جن سے خطرہ نہیں ان سے تو پردہ کر لیتی ہیں اور جن لوگوں سے بدکاری کے خطرات ہیں ان کے ساتھ بیٹھ کر ہنس ہنس کر خوب باتیں کرتی ہیں۔ ان لوگوں میں کون کون شامل ہیں سب سے پہلے تو چار تخم (چچازاد، پھوپی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد) یہ چاروں قسم کے زاد نقصان پہنچانے کے لئے ہمزاد کی طرح ہر وقت لپٹے رہتے ہیں، طبی اصطلاح کے مشہور "چار تخم" (تخم اسپغول، تخم بارتنگ، تخم ریحان، تخم کنوچہ) سے بھی بہت زیادہ پھسلن پیدا کرتے ہیں، ان سے بدکاری کے خطرات بہت زیادہ ہیں۔ آج کے فریبی مسلمان نے مزے اڑانے کا یہ طریقہ نکال لیا کہ یہ تو سب بھائی ہوتے ہیں ان سے کیا پردہ، سنئے میرا اللہ کیا کہتا ہے:

﴿وبنٰت عمک وبنٰت عمٰتک وبنٰت خالک وبنٰت خٰلٰتک التی ھاجرن معک﴾ (۳۳-۵۰)

چچا کی لڑکیاں، پھوپھی کی لڑکیاں، ماموں کی لڑکیاں، خالہ کی لڑکیاں، اس آیت مبارکہ میں چاروں "زادوں" کی تصریح فرمادی کہ ہم نے ان کو شادی کے لئے حلال کر دیا ہے، لیکن آج کے باغی مسلمان کی عقل ماری گئی، گناہ کرتے کرتے ان کی عقلیں مسخ ہو گئیں اسی لئے تو اللہ کا صاف صاف حکم ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔

زادوں کے علاوہ نندوئی، بہنوئی، جیٹھ، دیور وغیرہ ان کے ساتھ بھی خوب خوب مجلس بازی اور ہنسی مذاق ہوتا ہے اگر انہیں اپنی رونقیں نہ دکھائیں تو پھر زندگی میں رہ ہی کیا جائے گا۔

دیور کے معنی:

ایک بات اور سن لیں اللہ کرے کہ دلوں میں اتر جائے، ہندی میں دیور کے معنی

ہیں "دوسرا شوہر" "دے" کے معنی "دوسرا" "ور" کے معنی "شوہر"۔ اگر کسی میں ذرا سی بھی حیاء ہو تو وہ دیور کا لفظ کبھی بھی اپنے منہ سے نہ نکالنے، جب کبھی دیور کا ذکر آئے تو دیور کہنے کی بجائے "شوہر کے بھائی" کہا کریں، دیور کہنا چھوڑ دیں، کوئی تو توڑے ان بتوں کو۔

اگر آج کی مسلمان عورت سے کہا جائے کہ آپ جو یہ کہتی ہیں کہ آپ کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو پھر ان کا حکم کیوں نہیں مانتیں؟ خوب لہک لہک کر شعر پڑھتی ہیں ؎

نام پہ تیرے جان فدا ہو
کوئی نہ دل میں تیرے سوا ہو

اللہ پر جان قربان کرنے کی باتیں کرتی ہیں اور حال یہ ہے کہ حکم اس کا ایک بھی نہیں مانتیں، یہ کیا قصہ ہے؟ تو اس پر یہ عاشقہ کہتی ہے:

"ارے! سلام ہو ایسے اسلام پر جس میں زادوں سے ملنے جلنے پر پابندی ہو، میں ایسا نہیں کر سکتی اور نہ ہی میں دیور کو تڑپتا چھوڑ سکتی ہوں اور بہنوئی (جس پر یہ کود کود کر چڑھتی ہے) جیسے بھائی سے دور رہوں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

شاباش محبت شاباش! ان لوگوں کے حال کے موافق میں نے شعر مذکور کے دوسرے مصراع میں یوں ترمیم کر دی ہے ؎

نام پہ تیرے جان فدا ہو
حکم نہ تیرا اک بھی ادا ہو

اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہدایت عطاء فرمائیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر واقعۃً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے

تو پھر اللہ تعالیٰ کا عطاء فرمودہ سرمہ استعمال کریں یعنی ظاہری و باطنی تمام گناہوں سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کی فکر کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو بہت آسان فرمادیا ہے:

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیا میں جتنے اسباب محبت ہیں وہ تمام اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں اور انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی اور فلاح کا دارومدار اللہ کی محبت پر ہے تو اللہ کی محبت بندے کی انتہائی اہم ضرورت ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ ضروری ہوتی ہے اسے حاصل کرنا اللہ نے اتنا ہی آسان فرمادیا ہے، جیسا کہ ہوا کی بہت سخت ضرورت ہے اس کے بغیر کوئی چیز زندہ ہی نہیں رہ سکتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے مفت میں ہر جگہ عام کردیا، اس کے بعد ضرورت میں پانی کا درجہ ہے جو ہوا سے کم ہے اور دوسری چیزوں سے زیادہ، پانی کے بعد خوراک پھر لباس پھر رہائش۔ غور کیجئے یہ سب چیزیں ضرورت کے مطابق درجہ بدرجہ ہیں جو زیادہ ضروری ہے وہ ارزاں اور عام ہے اور جس کی ضرورت کم ہے وہ اسی قدر گراں اور کمیاب ہے، قیمتی موتیوں اور جواہر کی ضرورت نہیں اس لئے وہ بہت گراں اور کمیاب ہیں۔ ہوا پر دنیوی زندگی موقوف ہے جو بالآخر ایک دن ختم ہوجانے والی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس قدر آسان کردیا تو محبت الہیہ جو انسان کی اخروی زندگی کی کلید ہے اسے حاصل کرنا کیسے آسان نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بہت محبت ہے وہ اپنے بندوں کو دنیا و آخرت کے عذاب سے بچانا چاہتے ہیں۔

پیدائش سے قبل دل میں تخم محبت ڈال کر بھیجا:

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کے دل میں اپنی محبت کا تخم رکھ دیا یہ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے:

﴿واذ اخذ ربک من بنی اٰدم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى شهدنا ان تقولوا يوم القيٰمة انا كنا عن هٰذا غٰفلين﴾ (۷-۱۷۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے پوری اولاد کو نکالا پھر ان سے پوچھا:

﴿الست بربكم﴾

"کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔"

سب نے بلا سوچے سمجھے ایک دم کہا "بلی" ہاں تو ہمارا رب ہے، ہم تیرے عاشق ہیں، یہ ایک دم اس طرح وہی کہہ سکتا ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے عشق و محبت سے بھر دیا ہو، یہ عشق کے کرشمے ہیں۔ یہاں رب منوانے کا یہ مطلب نہیں کہ زبان سے رب کہتے رہو مگر بات ایک نہ ماننا بلکہ کسی کی حکومت کو تسلیم کر لینے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ سارے احکام مانے گا اس کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر ایسا کرم ایسی رحمت ہے کہ قربان جائیے ان کی رحمت کے، انہوں نے بندے کے دل میں تخم محبت ڈال کر ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ دنیا میں بھیجنے کے بعد ابتداء ہی سے تمام احکام ایسے عطاء فرمائے جو اس تخم محبت کو ضائع نہ ہونے دیں بلکہ لمحہ بہ لمحہ اللہ کی محبت میں ترقی ہی ہوتی چلی جائے۔

برا معاشرہ تخم محبت کو کھرچتا ہے:

اللہ تعالیٰ تو انسان کے دل میں تخم محبت رکھ کر دنیا میں بھیجتے ہیں لیکن والدین، بھائی بہن، بے دین معاشرہ، برا ماحول اور شیطان کی فوجیں پیچھے لگ جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ﴾ (متفق علیہ)

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یعنی پیدائشی طور پر مسلمان ہوتا ہے لیکن گھر کا ماحول اسے بگاڑتا ہے، والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں یہ شیاطین انس و جن مل کر بچے کے قلب سے تخم محبت کھرچ کھرچ کر نکالنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کہیں یہ اللہ کا عاشق نہ بن جائے اگر اللہ کا عاشق بن گیا تو پھر یہ دنیا میں رہے گا کیسے۔ اس میں دنیا کی عقل بھرو، ارے پاگل! اگر تو اللہ کا عاشق بنا رہا تو ساری دنیا سے کٹ جائے گا، سب رشتہ دار ناراض ہوجائیں گے، ارے بیوقوف! اگر زادیوں سے ملنا جلنا نہ کیا تو سارے مزے ہی ختم ہوجائیں گے۔ اری پگلی! اگر تو نے پردہ کرلیا تو تیری شادی کیسے ہوگی اور کتنے لوگوں کا حق مارا جائے گا۔

شیاطین کی حق تلفی:

ایک گیارہ سال کی لڑکی نے پردہ کرلیا تو اس کے رشتہ دار کہنے لگے کہ تو حقوق العباد ضائع کررہی ہے، رشتہ داروں کی حق تلفی کررہی ہے، مطلب یہ کہ سارے زاد تیرے دیدار سے محروم ہوگئے، بیچارے بہنوئی الگ پریشان ہیں، اور جب شادی کرلے گی تو دیور، جیٹھ اور نندوئی وغیرہ سب زیارت سے محروم رہیں گے، اس طرح تو کتنے لوگوں کی حق تلفی کرے گی۔

تجھے دنیا میں رہنا نہیں:

ایک لڑکے کو دارالجنون (دارالافتاء) کا مصالحہ لگ گیا تو اس کا ابا کہتا ہے:

"ارے تجھے دنیا میں رہنا نہیں ہے۔"

مطلب یہ کہ جب گناہ چھوڑ دیئے تو لوگ کٹ جائیں گے پھر تو اکیلا کیسے زندگی گزارے گا اس لڑکے نے جواب میں کہا:

''ہاں مجھے تو نہیں رہنا، آپ کو رہنا ہے تو آپ سوچ لیں۔''

کیسا عجیب جواب ہے۔ نئی نسل میں سے جنہیں اللہ تعالیٰ کی محبت کا مصالحہ لگ رہا ہے ان کے والدین انہیں تنگ کرتے ہیں کہ دنیا میں زندہ کیسے رہو گے۔

کوے کے گھونسلے میں کوئل کے بچے:

﴿یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویحی الارض بعد موتها وکذٰلک تخرجون﴾ (۳۰-۱۹)

اس آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ سے مردہ کو پیدا کرتا ہے اور مردہ سے زندہ کو جیسے مرغی سے انڈا اور انڈے سے مرغی۔ اس زمانے میں اس کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے یہ پیدا فرمادی کہ فساق وفجار کے گھروں میں دیندار بچے پیدا ہو رہے ہیں اور دینداروں کے ہاں فاسق وفاجر، اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دکھا رہے ہیں کسی کو اپنی نیکی پر، اپنی صلاحیت پر ناز نہیں ہونا چاہئے سب کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اپنے بندوں کا قول نقل فرماتے ہیں:

﴿وقالوا الحمد للّٰه الذی هدٰنا لهٰذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدٰنا اللّٰه﴾ (۷-۴۳)

غزوہ خندق میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلند آواز سے یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

واللّٰه لولا اللّٰه ما اهتدینا
ولا تصدقنا ولا صلینا

اللہ تعالیٰ کی دستگیری کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، جب تک اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء نہ فرمائیں اس وقت تک ہدایت نہیں مل سکتی۔

یہاں دارالجنون میں پہنچنے والے تو زیادہ ایسے ہی ہیں۔ ان کی شکایتیں ملتی رہتی ہیں کہ یہ مسلمان کیوں بن رہے ہیں اور یہ چوزے بھاگ بھاگ کر یہاں آرہے ہیں۔ یہ تو وہی قصہ ہوگیا کہ کوے کوئل کے بچے کو اپنا سمجھ کر پالتے رہے اور جہاں اس نے پر نکالے وہ بھاگا۔ کوئل بہت ہوشیار ہے اپنے انڈے کوے کے گھونسلے میں رکھ آتی ہے اور بچوں کو پالنے کی محنت اور مشقّت سے بچ جاتی ہے جب انڈے سے بچہ نکلتا ہے تو کوے سمجھتے ہیں کہ انہی کا بچہ ہے جب ذرا پر نکالے تو کوے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور جب وہ بولنے لگا تو کووں کی زبان نہیں بولتا۔ کوے کی آواز سن کر تو سر میں درد ہونے لگتا ہے اور کوئل کی آواز تو سبحان اللہ! کیا کہنے، اللہ کی قدرت دیکھئے کہ کووں میں پل کر بھی وہ ان کی زبان نہیں بولتے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ یا اللہ! اس کرم کا صدقہ تیرے جو بندے بے دین معاشرے اور برے ماحول میں دیندار بننے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، بے دین ماحول اور برے معاشرے سے ان کی حفاظت فرما۔

جو چوزے کالجوں سے بھاگ بھاگ کر یہاں آرہے ہیں ان کے والدین رو رہے ہیں کہ ان کے بیٹے تباہ ہوگئے۔ یہ بے دین والدین کووں کی طرح ہیں، انہوں نے بیٹوں کو یہ سوچ کر پالا کہ یہ بھی بڑے ہوکر ان کی طرح کوے بنیں گے، ان کی طرح اللہ کے باغی بنیں گے اور بچوں نے جہاں ذرا ہوش سنبھالا وہ پہنچے "دارالجنون" اب والدین بڑے پریشان کہ یہ کیا ہوگیا یہ تو کووں کی بولی بولنے کی بجائے کوئل کی بولی بولنے لگے پھر جیسے کوا کوئل کے پیچھے لگ جاتا ہے اسی طرح بے دین والدین ہمارے پیچھے لگ جاتے ہیں کہ انہوں نے ہمارے بچوں کو تباہ کیا ہے۔

کھاؤ گے کہاں سے؟:

ایک لڑکا کالج سے بھاگ کر یہاں آگیا تو اس کی والدہ کہتی ہے:

”ملا بن جاؤ گے تو کھاؤ گے کہاں سے؟۔“

لڑکے نے کہا:

”منہ سے۔“

دیکھئے ان چوزوں کو عقل کتنی آجاتی ہے۔ دراصل عقل موقوف ہے دیندار بننے پر، جو دیندار بنے گا، اللہ کو راضی کرلے گا اسے عقل آجائے گی اور جو اللہ کا نافرمان ہے اسے کبھی بھی عقل نہیں آتی۔

احکام شریعت احکام محبت ہیں:

اللہ تعالیٰ کا کیسا کرم ہے کہ اپنی اطاعت کروانے اور اپنی نافرمانی سے بچانے کے لئے دل میں محبت ڈال کر دنیا میں بھیجا اور پھر جو جو احکام دیئے ان میں حکمت یہ ہے کہ محبت روز بروز بڑھتی جائے اس لئے کہ محبت جتنی زیادہ ہوگی احکام پر عمل اتنا ہی آسان ہوجائے گا۔ جن لوگوں کو احکام اسلام میں اشکالات ہوتے ہیں ان کے حالات دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ ان کے قلوب اللہ کی محبت سے خالی ہیں اور جن کے دلوں میں محبت الٰہیہ کا نور ہے انہیں کوئی اشکال نہیں ہوتا وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں تو کوئی مشکل ہے ہی نہیں آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔

محبت سب مشکلات کو آسان کردیتی ہے ؏

از محبت تلخہا شیریں شود

محبت سے سب مشکلات آسان ہوجاتی ہیں اور اگر محبت نہیں تو آسان سے

آسان کام بھی مشکل لگتا ہے۔

آج کے مسلمان کو جو احکام اسلام پر اشکالات ہوتے ہیں اور انہیں یہ احکام بہت مشکل لگتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والدین اور رشتہ داروں نے کھرچ کھرچ کر ان کے دلوں سے اللہ کی محبت کو نکال دیا ہے۔

احکام کی قسمیں:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں اتنی محبت پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے بندے کی دنیا و آخرت سنور جائے محبت پیدا کرنے کا یہ عمل بچے کے دنیا میں آنے کے بعد سے ہی شروع ہو جاتا ہے پھر ہر حکم ازدیاد محبت کا ذریعہ بنتا چلا جاتا ہے۔ احکام کی دو قسمیں ہیں:

۱ اوامر:

وہ کام جو کرنے کے ہیں جیسے فرائض و واجبات وغیرہ۔

۲ نواہی:

وہ کام جو چھوڑنے کے ہیں جیسے بدعات اور محرمات و مکروہات وغیرہ۔

احکام کی پہلی قسم کا بیان:

اس میں تمام قولی بدنی اور مالی عبادات شامل ہیں جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ۔

بعض لوگ ان ارکان کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھتے ان کی ترتیب بدل دیتے ہیں مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، یہ صحیح نہیں۔ ان ارکان کی یہ ترتیب کئی لحاظ سے ہے:

❶ ترتیب درجات عشق:

یہ ارکان اسلام عشق کے درجات ہیں جب انسان کو کسی کے ساتھ عشق ہوتا ہے تو وہ اسی کی باتیں کرتا ہے، اس کی تعریف کرتا ہے قول اور عمل سے اس کے ساتھ محبت اور اس کی عظمت ظاہر کرتا ہے، یہ عشق کا پہلا درجہ ہے اور نماز اس کا مظہر ہے۔ پھر محبوب کو راضی کرنے کے لئے کچھ مال وغیرہ خرچ کیا جاتا ہے، اسے ہدایا و تحائف پیش کئے جاتے ہیں اس کی اور اس کے دوستوں کی دعوت وغیرہ کی جاتی ہے۔ محبوب کو راضی کرنے کے لئے یہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح مساکین کو زکوٰۃ دے کر محبوب حقیقی کی رضا حاصل کی جاتی ہے۔ مساکین اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں، علاوہ ازیں مساکین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ ہی کو دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ درجہ آتا ہے کہ عاشق محبوب کے عشق میں اپنی لذات بھول جاتا ہے۔ دنیا میں الذ اللذات تین چیزیں ہیں۔ اکل و شرب، نوم اور جماع، محبت کے اس درجہ کا مظہر صوم ہے۔ سال بھر میں صرف ایک ماہ کے لئے اور وہ بھی صرف دن میں ان لذات کو ترک کر دینے سے گویا انسان نے اس درجۂ عشق کو طے کر لیا۔ اس کے بعد عشق اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ انسان جنون عشق میں اپنے ہوش کھو بیٹھتا ہے۔ اسے بالکل فکر نہیں رہتی کہ اس کا حلیہ کیسا ہے، اس کی حرکتوں کو دیکھ کر لوگ کیا کہیں گے، بس وہ تو دیوانہ وار کبھی محبوب کی گلی کے چکر لگاتا ہے کبھی نعرۂ مستانہ لگا کر بے ہوش ہو جاتا ہے۔ عشق کے اس درجہ کا مظہر حج ہے۔ حج محبت الٰہیہ کا بہت بلند مقام ہے۔ اس کے بعد صرف محبوب کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کا مقام رہ جاتا ہے، محبوب کے دشمنوں پر جھپٹنا، ان کی گردنیں اڑانا اور اس مقصد کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینا:

﴿ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی

التوریۃ والانجیل والقراٰن ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذٰلک ھو الفوز العظیم﴾ (۹-۱۱۱)

ان درجات عشق کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر بیان کروں گا۔

۲ ترتیب فرضیت:

ان ارکان کی فرضیت کی ترتیب بھی اسی طرح ہے پہلے نماز فرض ہوئی، اس کے بعد زکوٰۃ پھر روزہ پھر حج۔ نماز ہجرت سے پہلے شب معراج میں فرض ہوئی، زکوٰۃ ہجرت کے بعد سن ۲ ہجری میں، روزہ بھی اسی سن ۲ ہجری میں فرض ہوا مگر زکوٰۃ کے بعد۔ اور حج سن ٦ یا ۹ ہجری میں فرض ہوا۔

۳ ترتیب زمانی:

ترتیب زمانی کا اعتبار صرف روزہ اور حج میں ہو سکتا ہے، اس لئے کہ نماز تو روزانہ کا فرض ہے اور زکوٰۃ کا کسی خاص زمانہ سے کوئی تعلّق نہیں بلکہ صاحب نصاب ہونے کے بعد جب چاہے دیدے، باقی رہے روزہ اور حج سو ان میں ترتیب زمانی اس طرح ہے کہ حج کا زمانہ رمضان کے بعد ہے رمضان کا مہینہ گزرنے کے بعد حج کا احرام باندھ سکتے ہیں۔ شوال سے قبل احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے۔

۴ ترتیب ذکری:

حدیث میں ان ارکان کا ذکر بھی اسی ترتیب سے ہے:

﴿عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما وعنھم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال بنی الاسلام علی خمس علی ان یوحد اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وصیام رمضان والحج۔ فقال

رجل الحج وصیام رمضان قال لا صیام رمضان والحج ھکذا سمعتہ من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ﷺ (صحیح مسلم)

اس سے ثابت ہوا کہ بعض روایات میں جو صوم رمضان سے پہلے حج کا ذکر ہے وہ روایت بالمعنی ہے یا کسی روای کا سہو ہے۔ اس حدیث میں صیام رمضان کی تقدیم کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً ہے اور ترتیب درجات عشق و ترتیب فرضیت اور ترتیب زمانی کے مطابق بھی یہی ہے۔

محبت اور عمل میں عجیب تعلّق:

یہ احکام محبت کے مظاہر بھی ہیں اور محبت کے مورث بھی یا یوں کہیں کہ محبت کے مسبّب بھی ہیں اور سبب بھی۔ محبت کی وجہ سے احکام پر عمل ہوتا ہے اور جیسے جیسے انسان احکام پر عمل کرتا ہے محبت بڑھتی جاتی ہے۔ محبت عمل کو پیدا کرتی ہے اور عمل محبت کو پیدا کرتا ہے۔ دنیا میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں دو چیزوں کا آپس میں ایسا تعلّق ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو بڑھاتی ہیں۔ دو گھوڑے ساتھ دوڑ رہے ہوں تو وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رفتار بڑھاتے جاتے ہیں، حرارت آگ کو پیدا کرتی ہے اور آگ حرارت کو۔

اسی طریقے سے انسان کو جب کسی کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو، انس ہو تو اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس سے کچھ بات کی جائے، سلام و کلام ہو، میل جول ہو اور جب میل جول بڑھے گا تو محبت بڑھے گی، محبت کی وجہ سے میل جول کی رغبت پیدا ہوئی اور میل جول سے محبت بڑھی۔

ایک اشکال:

شاید کسی کو یہ اشکال ہو کہ ہمیں تو جب کسی کی طرف کچھ رغبت ہوتی ہے اور سلام

وکلام کرتے ہیں، میل جول بڑھتا ہے تو چند دنوں کے بعد آپس میں لڑائی ہو جاتی ہے۔

جواب:

اس کی وجہ کچھ اور ہے۔ شروع میں کوئی مشترک کام کیا مثلاً کوئی تجارت شروع کی یا کہیں رشتہ وغیرہ کیا تو ابتداء میں تو بڑی محبت معلوم ہوتی ہے مگر چند ہی دنوں میں ساری محبت عداوت سے بدل جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان میں خود پرستی کا مادہ بہت زیادہ ہے اگر خود پرستی نہ ہوتی اور ایثار ہوتا، دوسروں کو راحت پہنچانے کی خاطر خود تکلیف برداشت کرنے کا جذبہ ہوتا تو پھر محبت بڑھتی ہی چلی جاتی مگر ایسا نہیں، حب دنیا نے انسان کو تباہ کر دیا۔ ہر فریق کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسے مال زیادہ ملنا چاہئے دوسرے کو کیوں مل گیا، اس کی عزت دوسرے سے زیادہ ہونی چاہئے، جب ہر شخص اپنی ذات کو دوسروں پر مقدم رکھنے کی کوشش میں لگا رہے گا تو ساری محبت آن واحد میں منقطع ہو جائے گی بلکہ نفرت وعداوت سے بدل جائے گی۔

محبت کا عداوت سے بدل جانا گناہوں کا وبال اور عذاب ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ محبت کی وجہ سے تعلّق بڑھتا ہے اور جیسے جیسے تعلّق بڑھتا جاتا ہے محبت بھی بڑھتی جاتی ہے۔

محبت پیدا کرنے والے احکام:

اب ان احکام کی کچھ تفصیل بتاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے ذریعہ ابتداء ہی سے بندے کے دل میں اپنی محبت وعظمت پیدا کرنے اور اسے بڑھانے کے اسباب پیدا فرمائے۔

① پیدائش کے بعد اذان:

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے۔ جیسے ہی اس عالم میں

آیا تو صرف اللہ کا نام ہی نہیں بلکہ اللہ کی کبریائی بھی اس کے کان میں ڈالی جاتی ہے تاکہ کان کے ذریعہ دل میں اتر جائے۔ "اللہ اکبر" کے یہ معنی نہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے اس لئے کہ اس سے تو یہ مطلب نکلتا ہے کہ بڑے اور بھی ہیں مگر اللہ ان سب سے بڑا ہے۔ حالانکہ بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے:

﴿وله الکبریاء فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم۝﴾ (۴۵-۳۷)

کبریائی بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے اس کے سوا کوئی بڑا نہیں سب اس کے محتاج ہیں:

﴿یٰایھا الناس انتم الفقراء الی اللّٰہ واللّٰہ ھو الغنی الحمید۝﴾

(۳۵-۱۵)

اس لئے اللہ اکبر کے معنی ہیں:

"اللہ بہت بڑا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے بعد اس کی توحید پھر رسالت پھر نماز اور دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود، اس کے بعد پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور آخر میں پھر اللہ تعالیٰ کی توحید یہ سب باتیں بچے کے کان کے ذریعہ اس کے دل و دماغ میں اتاری جاتی ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور توحید دل میں اترے گی تو انسان کبھی بھی اس کی نافرمانی کی جرأت نہیں کرے گا۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت و کبریائی نہیں، دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ جس کی عظمت، رعب اور ہیبت جتنی زیادہ ہوتی ہے لوگ اس کی نافرمانی سے اتنا ہی بچتے ہیں اس کے خلاف کرنے سے ڈرتے ہیں۔ آج کے مسلمانوں کی نافرمانی اور بغاوت کی وجہ یہی ہے

کہ ان کے قلوب میں اللہ کی عظمت نہیں۔

ماحول کا اثر:

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ میں نے بچے کو تخم محبت دے کر بھیجا ہے اب یہ تمہارے ہاتھوں میں ہے اس کے ساتھ ایسے معاملات کرو کہ اس کی محبت میں کمی نہ ہونے پائے بلکہ روز بروز بڑھتی ہی چلی جائے۔ والدین نیک ہوں گے، بچے کی صحیح تربیت کریں گے اور اسے برے ماحول سے بچائیں گے تو بچہ جب ذرا ہوش سنبھالے گا گھر میں دوسروں کو نماز، تلاوت اور ذکر و تسبیحات میں مشغول دیکھے گا، ان سب چیزوں کی برکات تو ہوں گی ہی ساتھ ہی بچہ دیکھ دیکھ کر سبق حاصل کرے گا۔ قلب میں جو تخم محبت لے کر آیا ہے وہ خوب پھلنے پھولنے لگے گا ؎

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اک خانہ بخانہ ہے اک سینہ بسینہ ہے

جس خاندان کے افراد میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی اس کا اثر یہ ہوگا کہ بچوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت غیر شعوری طور پر اترتی چلی جائے گی۔ میل جول بھی ایسے لوگوں سے ہو جو نیک ہوں تو ان کی بھی برکت ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لا یأکل طعامک الا تقی﴾ (احمد)

"تیرا کھانا متقی شخص کے سوا کوئی نہ کھائے۔"

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان لوگوں سے تعلق نہ رکھو۔

متقی کی تعریف:

متقی اسے کہتے ہیں جو گناہوں سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کی کوشش میں لگا رہے

آج کل لوگ وہی شخص کو متقی کہتے ہیں یا ایسے صوفی کو جو نفل عبادت زیادہ کرے، یہ تقویٰ نہیں کہ تہجد بھی پڑھے، اوابین اور اشراق بھی پڑھے، تسبیح بھی کھٹ کھٹ چلتی رہے اور لوگوں کے ساتھ گناہوں کی مجالس میں بھی شریک ہو جایا کرے اور برائی دیکھ کر لوگوں کو منع بھی نہ کرے، اس لئے کہ اگر برائی سے روکا تو دنیا میں کیسے زندہ رہیں گے دنیا سے کٹ جائیں گے، دنیا سے جڑے رہیں خواہ اللہ کاٹ کر جہنّم میں ہی کیوں نہ پھینک دے اس کا کوئی خوف نہیں۔

۲ قرآن مجید:

اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق گھروں میں قرآن پڑھا جائے تو اس سے بڑھ کر محبت بڑھانے کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ محبت الٰہیہ کو بڑھانے کی سب سے بڑی تدبیر تلاوت قرآن ہے اس کے ذریعہ محبت بڑھنے کی وجوہ یہ ہیں:

❶ کلام کا اثر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تلاوت میں گناہ چھڑانے کی خاصیت رکھی ہے۔ کوئی مسلمان اسے سمجھ کر پڑھے یا بے سمجھے پڑھے، عربی زبان جانتا ہو یا نہ جانتا ہو بہر کیف قلب پر اس کا اثر محسوس کرے گا۔ دل از خود محبوب کی طرف کھنچا چلا جائے گا، قرآن مجید کی تأثیر کا تو یہ عالم ہے کہ اگر پہاڑوں پر بھی اسے اتارا جاتا تو وہ بھی اس کی عظمت و ہیبت سے جھک جاتے پھٹ جاتے:

﴿لو انزلنا هٰذا القراٰن علی جبل لرایته خاشعا متصدعا من خشیة اللّٰه﴾ (۵۹-۲۱)

”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے

خوف سے دب جاتا اور پھٹ جاتا۔“

پہاڑوں میں بھی اس کا تحمل نہیں، قرآن مجید کی اس تأثیر کا دشمنان قرآن نے بھی اعتراف کیا ہے۔ وہ بیوی بچوں کو قرآن سے دور رکھنے کی سرتوڑ کوشش کرتے، انہیں ڈراتے کہ خبردار! جو اسے سن لے گا اس پر جادو کا سا اثر ہو جائے گا اس سے دور بھاگو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت مدینہ سے پہلے اپنے مکان کے صحن میں تہجد پڑھتے جس میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور کثرت سے روتے اس دوران مشرکین مکہ کی عورتیں اور بچے قرآن کی آواز سن کر جمع ہو جاتے، آخر مشرکین نے جمع ہو کر آپ کو قرآن مجید پڑھنے سے منع کر دیا اور کہا کہ اگر پڑھنا ہی ہے تو گھر کی کوٹھڑی میں چھپ کر پڑھیے آپ نے صحن میں پڑھا تو ہمارے بیوی بچوں پر اس کا اثر ہو جائے گا۔

کافر کہتے تھے کہ کہیں قرآن پڑھا جا رہا ہو تو زور زور سے شور کیا کرو تاکہ قرآن کی آواز کسی کے کان میں نہ پڑے اور وہ متأثر نہ ہو جائے:

﴿وقال الذین کفروا لاتسمعوا لھٰذا القراٰن والغوا فیہ لعلکم تغلبون﴾ (۴۱-۲۶)

❷ قرآن کے انوار:

قرآن مجید میں انوار ہیں، ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تہجد میں قرآن پڑھ رہے تھے، قریب ہی گھوڑا بندھا ہوا تھا وہ ان کی آواز سے بدکا یہ جتنا پڑھتے گھوڑا اتنا ہی بدکتا، یہ معاملہ ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ صبح کو یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری تلاوت میں سکینہ کا نزول تھا، انوار کی بارش تھی جس سے ڈر کر گھوڑا بدک رہا تھا۔

ایک بزرگ گزرے ہیں، وہ اصطلاحی عالم تو نہ تھے مگر عارف تھے۔ حقیقی معنوں میں عالم وہی ہوتا ہے جو مالک کو پہچان لے۔ جس نے مالک کو نہ پہچانا تو وہ:

"چارپائے بروکتابے چند۔"

کا مصداق ہے، کسی چوپائے پر چند کتابیں لاد دیں تو وہ کتابوں کا بوجھ اٹھانے کی مشقت برداشت کر رہا ہے مگر کتابوں سے حاصل کچھ بھی نہیں کر رہا۔ اس مثال میں تو پھر بھی کسی قدر تخفیف ہے کہ چوپائے پر چند کتابوں کا ذکر ہے مگر اللہ تعالیٰ نے تو عالم بے عمل کی تشبیہ اس سے بھی زیادہ قبیح بیان فرمائی ہے، ایسے گدھے سے تشبیہ دی ہے جس پر کتابوں کے انبار لدے ہوئے ہوں:

﴿مثل الذین حملوا التوربة ثم لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفارا بئس مثل القوم الذین کذبوا بأیٰت اللّٰہ واللّٰہ لا یھدی القوم الظّٰلمین﴾ (۶۲-۵)

علم کی روح اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے، معرفت ہی محبت کا سرچشمہ ہے۔

صرف عربی پڑھ لینے سے کوئی عالم نہیں بن جاتا۔ ابوجہل بھی عربی بولتا تھا، ایسی فصیح عربی کہ آج کا بڑے سے بڑا عالم بھی نہ بول سکے مگر رہا "ابوجہل" ہی، یہی اس کا لقب ہے جو قیامت تک رہے گا۔ "ابوجہل" کے معنی ہیں "جہالت کا باپ" یعنی اتنا بڑا جاہل تھا کہ جہالت کا بھی باپ بن گیا۔ صرف عربی لکھ پڑھ لینے سے کوئی عالم نہیں بن جاتا، عالم تو بنتا ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے۔ معرفت سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت کی علامت یہ ہے کہ محبوب کی نافرمانی چھوڑ دے۔ وہ بزرگ عربی نہ جانتے تھے انہیں قرآن حفظ نہ تھا، احادیث زبانی یاد نہ تھیں مگر جب ان کے سامنے کوئی آیت تلاوت کی جاتی تو بلا تأمل بتا دیتے کہ یہ قرآن ہے۔ حدیث پڑھی جاتی تو بھی فوراً بتا دیتے کہ یہ حدیث ہے۔ کوئی یونہی عربی پڑھتا تو بتا دیتے کہ یہ نہ قرآن ہے اور نہ ہی حدیث بلکہ عام عربی ہے۔ لوگوں کو اس بات پر بڑی حیرت ہوتی کسی نے دریافت کیا:

"آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے کہ یہ قرآن ہے، یہ حدیث ہے اور یہ نہ

قرآن ہے نہ حدیث؟"

فرمایا:

"جب کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو اس کے منہ سے آفتاب جیسی شعاعیں پھوٹتی نظر آتی ہیں اور جب حدیث پڑھتا ہے تو ماہتاب جیسا نور نکلتا دکھائی دیتا ہے بس میں فوراً بتادیتا ہوں کہ یہ قرآن ہے اور وہ حدیث اور جب کوئی دوسرا کلام پڑھتا ہے تو کسی چیز کا ظہور نہیں ہوتا اس لئے اس کا بھی فوراً ادراک کرلیتا ہوں کہ یہ قرآن ہے نہ حدیث۔"

۳ بارگاہ میں حاضری:

جب مسلمان تلاوت شروع کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے اور کسی حاکم کے دربار میں حاضری سے اس کی عظمت اور کبریائی دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ تلاوت کرنے والا بھی احکم الحاکمین کے دربار میں پہنچ جاتا ہے جس سے ان کی محبت و عظمت قلب پر چھا جاتی ہے ان کی نافرمانیوں کا خیال دل سے رخصت ہو جاتا ہے اس لئے کہ محبت اور معصیت ایک قلب میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

۴ اللہ کا دیدار:

یہ کلام بھی ایسا کہ جس میں محبوب کی صفات جمالیہ وجلالیہ، قدرت قاہرہ، کمالات لامتناہیہ اور انعامات واحسانات ربانیہ کا بیان ہے جب انہیں سنے گا یا پڑھے گا تو قلب میں اس کی صفات، اس کے کمالات کا استحضار ہوگا جس سے محبت اور بڑھے گی۔

زیب النساء:

ایران کے کسی شہزادہ نے ایک مصراع کہہ دیا اور ساتھ ساتھ دوسرے شعراء کو

دعوت دی کہ اس کے ساتھ بند لگائیں۔ وہ مصراع یہ تھا ؏

در ابلق کسے دیدہ نہ موجود

"کسی نے چت کبرا موتی کبھی نہیں دیکھا۔"

یہ شاعر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں ان کا دماغ کچھ ٹیڑھا ہوتا ہے کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہیں جو بھی دماغ میں آگیا چلتا کردو۔ البتہ اہل اللہ کی شاعری میں اللہ کی محبت کی آگ بھری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شاعروں کی یہ دونوں قسمیں بیان فرمائی ہیں:

﴿والشعراء یتبعھم الغاون۞ الم تر انھم فی کل واد یھیمون۞ وانھم یقولون مالا یفعلون۞ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وذکروا اللّٰہ کثیرا وانتصروا من بعد ماظلموا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۞﴾

(۲۶- ۲۲۴تا ۲۲۷)

اس پاگل سے کوئی پوچھے کہ در ابلق کسی نے دیکھا یا نہیں اور دنیا میں ایسا موتی ہے بھی یا نہیں اس تحقیق میں کسی کا کیا فائدہ؟ تو اپنے در ابلق کو دیکھ اللہ نے دل میں محبت کا جو در ابلق رکھ دیا تھا اس کا کیا حال ہے، کہیں نفس و شیطان اسے چرا کر تو نہیں لے جا رہے۔

شہزادی زیب النساء تک مصراع، پہنچا تو وہ بھی سوچتی رہیں ایک بار آئینہ سامنے رکھ کر سرمہ لگا رہی تھیں کہ سلائی ذرا سی چبھ گئی اور آنسو کا قطرہ نکل کر آئینے پر گر گیا، یہ سرمہ ملا ہوا قطرہ جب آئینے پر گرا تو دوسرا مصراع تیار ہو گیا ؏

مگر اشک بتان سرمہ آلود

"کسی حسینہ کی آنکھ کا سرمے والا قطرہ در ابلق ہے۔"

شہزادی نے یہ مصراع ایرانی شہزادے کو لکھ کر بھیج دیا اور یہ نہیں بتایا کہ کہنے والی شاعرہ ہے۔ شہزادہ بہت خوش ہوا اور اس شاعر کی زیارت کا اشتیاق ظاہر کیا۔ بادشاہ نے شہزادی سے کہا کہ دیکھو شعر کہنے کا کیا نتیجہ ہوا اب کیا کرو گی؟ اگر ہوتی کوئی آج کل کی عورت تو وہ تو بہت خوش ہوتی۔ اس زمانے کی عورتیں واقعۃً عورتیں تھیں ان میں نسوانیت تھی۔ شرم وحیاء کا جوہر تھا۔

مساوات کا نعرہ:

مساوات کے نعرے نے قوم کو تباہ کر دیا۔ مرد میں عورت بننے کا جذبہ پیدا ہو گیا اور عورت میں مرد بننے کا۔ ایسی مساوات کہ پتا ہی نہ چلے کہ مرد ہے یا عورت، مرد دیکھیں تو سارے آلو، ڈاڑھی منڈا منڈا کر عورتوں جیسے بننے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور عورتوں کو دیکھیں تو بے پردہ ہو کر باہر بھاگ بھاگ کر مرد بننے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں، اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں۔

زیب النساء نے کہا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں میں جواب لکھ کر بھیج دیتی ہوں، جواب کیا لکھا؟ سنئے ؎

بلبل از گل بگزرد گر درچمن بیند مرا
بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
درسخن مخفی منم چون بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد درسخن بیند مرا

”میں اپنے کلام میں ایسی پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی پتیوں میں پھول کی خوشبو۔ پتیاں نظر آتی ہیں خوشبو نظر نہیں آتی، میرے جمال کا مشاہدہ میرے کلام میں کرو۔“

شہزادہ سمجھ گیا کہ یہ پردہ نشیں عورت ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے انہیں اللہ کے کلام میں اللہ کی تجلّیات نظر آتی ہیں اور اللہ کا دیدار ہوتا ہے ۔

او پردہ نشیں میں ترے اس ناز کے قرباں
پنہاں مری آنکھوں سے ہویدا مرے دل میں

اے محبوب! تو میری آنکھوں سے تو پنہاں ہے مگر میرے دل میں ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے قلوب عطاء فرمائیں۔

۵ اسماع الکلام:

جب مسلمان تلاوت کرتا ہے تو صرف یہی نہیں کہ قرآن پڑھ رہا ہے اور بس بلکہ صاحب کلام کو اس کا کلام سنا رہا ہے۔ دنیا کے کسی مصنف کا حال دیکھ لیجئے اس کی تصنیف کیسی ہی گری ہوئی ہو نہ لکھنے کا سلیقہ ہو نہ تعبیر کی صلاحیت ہو مگر مصنف صاحب کو کوئی پڑھ کر سنائے کہ لیجئے حضور میں آپ کی تصنیف آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں، وہ کتنا خوش ہوگا جب عام انسان بھی اپنا کلام کسی سے سن کر پھولا نہیں سماتا اور سنانے والے کو انعام و اکرام سے نوازتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا کلام جس بندے سے سن رہے ہیں اس بندے کو کیسے محروم رکھیں گے؟ تلاوت کے ذریعہ جتنا اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھے گا اسی قدر گناہ چھوٹیں گے۔

۶ لذت خطاب:

قرآن میں بندہ اپنے مالک کو خطاب کرتا ہے اور مالک اپنے بندہ کو جس سے محبت کو غذا ملتی ہے۔ پانچویں اور چھٹی بات میں فرق یہ ہے کہ پانچویں میں بتایا تھا کہ بندہ اللہ کا کلام اللہ کو سناتا ہے جبکہ چھٹی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خطاب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا اللہ تعالیٰ سے خطاب کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بار بار "یاایھا الذین اٰمنوا" کے لفظ سے خطاب فرمایا ہے۔ یہ کوئی معمولی لفظ نہیں، اس کے معنی ہیں "اے میرے عاشقو" جب عاشق کو خود محبوب "اے میرے عاشق" کہہ دے تو پھر دیکھئے اس عشق کو کیسے شہ ملتی ہے اور وہ عشق کیسے بھڑکتا ہے۔ اللہ کرے یہ بندہ عاشق بن جائے۔ یہ ہے لذت خطاب، لذت خطاب کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جس سے مخاطبہ ہوتا رہے اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت سے گناہ چھوٹتے ہیں۔

لذت خطاب کی مثالیں:

① قرآن میں اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا:

﴿وما تلک بیمینک یٰموسی﴾ (۲۰-۱۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال ہوا کہ آج تو محبوب کی محبت و شفقت جوش میں معلوم ہو رہی ہے اسے پتا بھی ہے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے لیکن پھر بھی پوچھ رہا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ محبت کی چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے۔ بجائے اس کے کہ محب شروع کرے خود محبوب کی طرف سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو جائے تو محبت کو مہمیز لگ جاتی ہے ؎

نظر نظر سے جو ٹکرا گئی تو کیا ہوگا
مری محبت کو شہ آگئی تو کیا ہوگا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی محبت کو مہمیز لگ گئی اگر آپ حضرات بھی سوچیں تو انشاء اللہ سوچنے سے مزا آئے گا۔ سوچئے کہ جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی تھا کہ ان کے

ہاتھ میں کیا ہے تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر پوچھ ہی لیا تو اتنا طویل جملہ وماتلک بیمینک یٰموسی فرمانے کی کیا ضرورت تھی اولاً تو یہ سوال ہی بلاضرورت معلوم ہوتا ہے پھر اگر پوچھنا ہی تھا تو مختصر سی بات کافی تھی:

''ہاتھ میں کیا ہے؟''

مگر اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اتنا طویل کر کے فرمایا:

﴿وماتلک بیمینک یٰموسی﴾

ایک تو شروع میں ''واو'' بڑھا کر فرمایا ''وماتلک'' پھر ''دائیں ہاتھ'' کی قید لگائی جبکہ سوال اس طرح کیا جاتا ہے کہ ہاتھ میں کیا ہے؟ دائیں یا بائیں کا نہیں پوچھا جاتا، لیکن وہاں تو محبت جوش میں آئی ہوئی تھی محبوب خود ہی چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا لہٰذا کلام خوب طویل کر کے فرمایا:

''اور تیرے دائیں ہاتھ میں یہ کیا ہے؟''

پھر اسی پر بس نہیں بلکہ آگے فرمایا ''یٰموسی'' جب بات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہی ہو رہی تھی تو اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ لفظ موسیٰ بھی استعمال نہ کیا جائے اور اگر موسیٰ کہا بھی تو ''یا'' حرف نداء بڑھانے کی ضرورت نہیں تھی خطاب بغیر ''یا'' کے بھی تو ہوتا ہے اگر صرف اتنا پوچھ لیتے ''ماتلک بیدک'' یا ''ماعندک'' وغیرہ تو بھی سوال پورا ہو جاتا لیکن کتنے الفاظ کا اضافہ فرما دیا، جس سے محبت ہو اس کا نام لینے میں بھی مزا آتا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب سنئے:

﴿ھی عصای اتوکؤا علیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا مآرب اخری۞﴾ (۲۰-۱۸)

عرض کیا ''یہ میری لاٹھی ہے'' حالانکہ صرف لاٹھی کہہ دینا بھی کافی تھا، ایک کی بجائے چار الفاظ استعمال کئے، تین الفاظ تو ظاہر ہیں چوتھا حرف رابطہ مقدر ہے، پھر

اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ آگے لاٹھی کے منافع پر تقریر شروع کردی:

﴿اتو کؤا علیھا واھش بھا علی غنمی﴾

میں اس لاٹھی سے بہت سے کام لیتا ہوں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اس کے ذریعہ درختوں سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ لذت خطاب میں مست ہو کر لمبی بات شروع کردی مگر پھر خیال ہوا کہ لمبی بات کرنا کہیں محبوب کو ناگوار نہ ہو اس لئے آگے عرض کیا:

﴿ولی فیھا مأرب اخری○﴾

اور اس لاٹھی میں میرے لئے اور بھی کئی فائدے ہیں اگر مزاج یار پر گراں نہ گزرے تو ابھی تقریر جاری رکھوں ورنہ یہیں بند کردوں، اگرچہ لمبی بات بھی بلا اجازت تھی لیکن جب مالک خود ہی بلوا رہا ہو تو پھر کہاں رک سکتے ہیں ؎

گر طمع خواھد زمن سلطان دین
خاک بر فرق قناعت بعد زین

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا سؤال پھر اس کے لئے طویل کلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ضرورت سے کئی گنا زیادہ طویل کلام بلاغت کے خلاف نہیں بلکہ یہ تو بلاغت کا بلند مقام ہے اس لئے کہ محبوب کے ساتھ مکالمہ کا مقتضیٰ یہی ہے کہ لذت خطاب کی خاطر کلام زیادہ سے زیادہ طویل ہو۔

④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او الی امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ﴾ (صحیح بخاری)

فرمایا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے گناہ چھوڑنے اور دیندار بننے کے لئے ہجرت کی، اپنے اور دوسروں کے دین کی حفاظت کے لئے ہجرت کی تو:

﴿فھجرتہ الی اللّٰہ ورسولہ﴾

اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے ہاں قبول ہوتی ہے، اصل مہاجر ایسا شخص ہوتا ہے۔ اس کے برعکس:

﴿ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او الی امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ﴾

جس نے دینوی مقاصد کے لئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت انہی چیزوں کے لئے ہے اللہ اور اس کے رسول کے ہاں وہ ہجرت نہیں لکھی جاتی ایسا شخص مہاجر نہیں۔

مہاجر کسے کہتے ہیں؟:

کہنے کو تو ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ اس نے ہجرت دین کے لئے کی ہے مگر ذرا تھرما میٹر اور معیار تو لے لیجئے۔ اگر ہجرت کے بعد گناہ چھوڑ رہے ہیں، تمام معاصی و منکرات اور بغاوت سے توبہ کر چکے ہیں تو یہ ہجرت اللہ کے لئے ہے ورنہ وہ عند اللہ مقبول نہیں۔ ہزاروں بار اپنے آپ کو مہاجر کہتے رہیں لیکن جس کے لئے ہجرت کی ہے وہ کہتا ہے کہ آپ مہاجر نہیں۔

اس حدیث میں جو پہلا جملہ ہے یعنی ”جس نے ہجرت کی اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے“ چونکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کا نام تھا لہٰذا مزا لینے اور سننے والوں کو مزا دلانے کے لئے اسے پھر لوٹایا۔ بتائیے! آپ لوگوں کو یہ نام لینے میں مزا آتا ہے یا نہیں؟ میرے پاس مکہ مکرمہ، عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور مدینہ منورہ سے فون آتے رہتے ہیں، جیسے ہی فون پر بات

شروع ہوتی ہے میں فوراً کہتا ہوں:

"ہاں ہاں سبحان اللہ! مکہ کی ہوا آرہی ہے، مدینہ کی خوشبو آرہی ہے۔"

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ بھلا خوشبو کہاں آتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ حواس کچھ اور ہی ہوتے ہیں جنہیں خوشبو محسوس ہوتی ہے ؎

امن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعاجری من مقلة بدم
ام هبت الريح من تلقاء کاظمة
او اومض البرق فی الظلماء من اضم

دیارِ حبیب کی طرف سے ہوا لگ رہی ہے یا ادھر بجلی چمکتی نظر آرہی ہے جس نے دوست کی یاد تازہ کردی اور آنکھوں سے آنسو بہادیئے۔

یہ اس لئے بتادیا تاکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقصد اور جس حکمت کے تحت ان الفاظ کو دہرایا وہ صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجئے، اللہ کرے کہ ہو جائے۔ فرمایا:

"جس نے ہجرت کی اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے تو اس کی ہجرت ہوگئی اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے۔"

دونوں ناموں کو صرف مزا لینے کے لئے لوٹایا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ کا نام لینے میں مزا آہی رہا تھا، مزید آج کے نالائق مسلمانوں کو مزا دلانا مقصود ہے کہ شاید کچھ مزا آجائے اور گناہ چھوڑ دیں۔

آگے جہاں دنیا کا ذکر ہے تو چونکہ دنیائے مردار ایسی منحوس چیز ہے کہ بغیر ضرورت شدیدہ کے اس کا نام بھی نہ لیا جائے اور کسی ضرورت سے لیا بھی جائے تو بس ایک مرتبہ بقدر ضرورت، اس لئے فرمایا:

﴿ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او الی امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ﴾

جس نے دنیا کی خاطر یا کسی عورت کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی ناپاک مقصد کے لئے ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں الغرض جہاں ضمیر یا اشارہ سے کام چل جائے وہاں نام نہیں لیا جاتا مگر محبت وہ چیز ہے جو اکساتی ہے کہ نام لو اور لیتے ہی چلے جاؤ ۔

الا فاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر
ولا تسقنی سرا متی امکن الجھر

ساقی! تو مجھے جب تک شراب پلاتا رہے ساتھ ہی ساتھ کہتا چلا جا کہ یہ شراب ہے، شراب ہے، شراب ہے۔ اور چھپ چھپا کر نہیں بلکہ کھل کر پلا تا کہ خوب خوب مزا آئے۔ جب شراب جیسی خبیث چیز کے عاشق کا یہ حال ہے کہ وہ کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتا تو اللہ کی محبت کی شراب پینے والے کا کیا حال ہوگا۔ جب اللہ کی محبت غیر اللہ کی محبت پر غالب آجاتی ہے تو انسان کسی کی ملامت سے نہیں ڈرتا ۔

عذل العواذل حول قلبی التائہ
وھوی الاحبۃ منہ فی سودائہ

محبوب کی محبت میرے دل کی گہرائی میں اتری ہوئی ہے اور ملامت گروں کی ملامت دل کے اوپر اوپر ہی رہتی ہے مقام محبت تک اس کی رسائی ممکن نہیں اس لئے تنفائے محبت پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔

(۳) صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو سورہ ”لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب“ پڑھ کر سناؤں، انہوں نے عرض کیا: ”اللہ تعالیٰ نے میرا

نام لیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں" تو وہ رونے لگے۔ فرط مسرت سے رونا آگیا کہ کہاں یہ بندہ اور کہاں اللہ کی شان۔

④ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص گلی میں کھڑا تھا اور اوپر بالا خانہ میں اس کا محبوب تھا، یہ اوپر کو گردن اٹھائے ساری رات اس سے باتیں کرتا رہا، فجر کی اذان ہوئی تو کہتا ہے کہ مؤذن نے بے خبری میں وقت سے پہلے ہی اذان دے دی ہے۔

مؤذن بانگ بے ہنگام برداشت
نمی دانست کہ از شب چہ گذشت است

پوری رات کھڑا رہا تھکا نہیں گردن اوپر اٹھائے ساری رات محبوب سے باتیں کرتا رہا، گردن میں درد نہیں ہوا اور جب فجر کی اذان ہوئی تو سمجھتا ہے کہ ابھی تو صبح ہوئی ہی نہیں، یہ ہے لذت خطاب کا کرشمہ۔

⑦ مکتوب محبوب:

قرآن مجید میں محبت پیدا کرنے کے نسخوں میں سے چھ نسخوں کا بیان ہوچکا، ساتواں نسخہ ہے "مکتوب محبوب" عقل اور تجربہ دونوں کے مطابق یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان اپنے محبوب کا مکتوب دیکھتا ہے تو دل میں محبت جوش مارتی ہے، اگر کسی کے پاس اس کے کسی محبوب کا خط آئے تو اس پر نظر پڑتے ہی دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنی محبت دے کر بھیجا ہے جس نے اس تخم محبت کو ضائع نہیں کیا جب وہ محبوب کی کتاب دیکھتا ہے اس کی محبت کو شہ آتی ہے، محبت بڑھ جاتی ہے۔

⑧ کثرت ذکر:

قرآن خود ذکر ہے پھر اس میں بار بار ذکر اللہ کی تاکید فرمائی گئی ہے اور یہ قاعدہ ہے

کہ جس چیز کا جتنا ذکر کیا جائے گا اس چیز کی محبت بڑھے گی خواہ وہ چیز اچھی ہو یا بری۔

لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب کسی چیز کی کوئی نسبت بتانا چاہتے ہیں تو آنے روپے کا حساب بتاتے ہیں۔ اگر کسی بیمار سے پوچھا جائے کہ طبیعت کیسی ہے تو کہیں گے روپے میں بارہ آنے ٹھیک ہے۔ کسی کام کے بارہ میں پوچھا جائے کہ کتنا ہوا تو کہیں گے کہ چار آنے ہو گیا بارہ آنے رہ گیا۔ درحقیقت یہ حب مال کا کرشمہ ہے ورنہ ایسی باتوں میں آنے کا کیا تعلق؟ صحت ہو گئی تو اتنے آنے، مرض ہو گیا تو اتنے آنے، سفر ہو گیا تو اتنے آنے۔ اللہ کے بندو! جب ہر وقت موقع بے موقع مال کا ذکر زبان پر لاؤ گے تو مال کی محبت دل میں بڑھے گی یا نہیں؟

دنیا کے کاموں میں مشغول لوگوں کو وصیت:

جو لوگ دنیا کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں وہ دنیائے مردار کا ذکر زیادہ نہ کیا کریں۔ بقدر ضرورت ہی بات کریں مثلاً دوکان پر گئے وہاں جس کام کی جتنی ضرورت ہے اتنی ہی بات کریں اور جہاں درمیان میں فرصت ملے ذکر اللہ زبان پر جاری رکھیں اور جیسے ہی وہ کام ختم ہو ایسے سمجھیں کہ گویا ہے ہی نہیں ہمارا کام تو بس اللہ کو یاد کرنا ہے ؎

دم رکا سمجھو اگر دم بھر بھی یہ ساغر رکا
میرا دور زندگی ہے یہ جو دور جام ہے

ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یاد دلبر میں
ہماری نیند ہے محو خیال یار ہو جانا

دنیا کے کاموں میں مشغول ہوں تو کہا کریں:

"دست بکار و دل بیار۔"

یعنی ہاتھ تو کام میں مصروف ہیں لیکن دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے۔ دنیا کے دھندوں کا بلا ضرورت ذکر کریں گے تو دنیا کی محبت بڑھے گی اور اللہ کی محبت میں کمی آئے گی لہٰذا بلا ضرورت دنیا کی باتیں نہ کیا کریں۔

⑨ کثرت فکر:

قرآن مجید میں دعوت فکر بھی بہت زیادہ ہے۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات، انعامات، کمالات، قدرت قاہرہ، عظمت اور بڑائی کو سوچا کریں، موت کا بیان، مرنے کے بعد کے حالات کا بیان، جنت و جہنّم کا بیان، گزشتہ اقوام کا بیان کہ نافرمان قوموں کا کیا انجام ہوا اور فرمانبرداروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیسی محبت کا معاملہ فرمایا، قرآن مجید میں دعوت فکر کی تفصیل تو بہت طویل ہے، میں نے تو مثال کے طور پر بہت مختصر بتایا ہے ورنہ قرآن مجید کے مضامیں میں کچھ تدبر و تفکر کیا جائے تو ہر آیت بلکہ ہر ہر لفظ ہدایت کا سرچشمہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلّق پیدا کرنے اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے کا ایک مستقل نسخہ ہے، قرآن مجید کے مضامین میں تدبر و تفکر کیا کریں، اگر کسی کو زیادہ علم نہیں تو اتنا سا تفکر تو سب ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات و کمالات کو سوچا کریں، یہ قاعدہ ہے کہ کسی کے احسانات و کمالات کو سوچنے سے قلب میں اس کی محبت و عظمت پیدا ہوتی ہے۔

⑩ کثرت دعاء:

قرآن مجید میں دعائیں بہت کثرت سے ہیں، ان دعاؤں میں یہ فائدے ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے ان دعاؤں میں دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود، ہر قسم کی خیر اور بھلائی مانگنے کی تعلیم و ترغیب دی ہے اور دعاؤں کو قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۲) دعاء مانگنے سے مرض عجب سے حفاظت رہتی ہے، اس لئے کہ دعاء میں اپنے عجز اور اللہ تعالیٰ کی عنایت پر نظر رہتی ہے۔

(۳) دعاء مانگنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے جو ہر قسم کی نافرمانیوں سے بچنے اور دنیا و آخرت کی راحت و سکون کی کلید ہے۔

قرآن آج کے مسلمان کی نظر میں:

مگر آج کے مسلمان نے محبت بڑھانے کے اس نسخۂ اکسیر کی کیا قدر کی کہ اسے جن بھوت بھگانے کا ذریعہ بنالیا، خوانیاں کروا کروا کر مٹھائیاں کھانے کا ذریعہ بنالیا۔ نئی دوکان اور نئے مکان میں برکت حاصل کرنے کے لئے قرآن خوانی کرواتے ہیں۔ اللہ کے اس باغی کو یہ پتا ہی نہیں کہ قرآن مجید سے برکت کیسے حاصل کی جاتی ہے۔

برکت قرآن کیسے حاصل ہوتی ہے؟:

سنئے قرآن مجید سے برکت کیسے حاصل کی جاتی ہے۔ قرآن ختم کرنے کے بعد جو دعاء پڑھی جاتی ہے وہ تو آپ لوگ بھی پڑھتے ہی ہوں گے مگر کبھی یہ بھی سوچا کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ آج کل لوگ دعاء پڑھتے ہیں مانگتے نہیں جبھی تو دعاء کے معنی و مطلب میں غور نہیں کرتے بس طوطے کی طرح جملے رٹے اور چھٹی۔ ختم قرآن کے بعد یہ دعاء پڑھی جاتی ہے:

﴿اللھم أنس وحشتی فی قبری اللّٰھم ارحمنی بالقرأن العظیم واجعله لی اماما ونورا وھدی ورحمة اللّٰھم ذکرنی منه ما نسیت وعلمنی منه ما جھلت وارزقنی تلاوته أناء اللیل وأناء النھار واجعله لی حجة یارب العلمین﴾

''یااللہ! مجھ سے میری قبر کی وحشت دور فرما۔ یااللہ! مجھ پر عظمت والے

قرآن کے ذریعہ رحم فرما اور اس کو میرے لئے مقتدا اور نور اور ہدایت اور رحمت والا بنا۔ یا اللہ! اس کے اندر جو میں بھول گیا ہوں وہ مجھے یاد دلا اور جو مجھے نہیں معلوم وہ مجھے سکھادے۔ اور دن رات اس کی تلاوت کرنے کی مجھے توفیق عطاء فرما۔ اور اے سب جہانوں کے پالنے والے! اس کو میرے لئے دلیل بنا۔"

اس دعاء کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پر عمل کی توفیق عطاء فرمادیں اور اس کی برکت سے دنیا و آخرت کے تمام تفکرات، آفات اور پریشانیوں کو دور فرمادیں۔ یہ سب کچھ خوانیاں کروا کروا کر کھانے پینے سے نہیں ہوگا بلکہ یہ مقاصد اگر حاصل ہوں گے تو صرف اور صرف قرآن مجید کی ہدایات پر عمل کرنے سے حاصل ہوں گے۔

بوقت تلاوت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تلاوت کرنے کے لئے قرآن مجید کھولتے تھے تو اسے چومتے تھے، قرآن تو انہیں زبانی یاد تھا اس کے باوجود صرف حق محبت اداء کرنے کے لئے دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔ جس کتاب میں محبوب کا کلام لکھا ہوا ہو ذرا اسے بھی دیکھیں، اس لئے جب قرآن مجید کھولتے تو اسے چومتے تھے۔ آج کا مسلمان تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ چومتا ہے مگر چومنے پر بس ہے قرآن کو چوم لیا تو سارے کام ہو جائیں گے۔ یاد رکھئے! صرف قرآن کو چومنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ کا چومنا محبت سے ہے یا دھوکہ ہے خود فیصلہ کیجئے۔ اگر محبت سے چوم رہے ہیں تو اس پر عمل کیوں نہیں؟ اور جب عمل نہیں ویسے ہی چوم رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب کر رہے ہیں کہ دیکھ ہم تیرے قرآن کو چوم تو رہے ہیں مگر عمل اس پر بالکل نہیں کریں گے۔ یا اللہ! اس باغی مسلمان کو فریب کی زندگی سے نجات عطاء فرمادے۔ تو نے مسلمان کے گھر میں پیدا فرمایا اس رحمت کے صدقے تو صحیح معنوں میں اپنی مرضی

کے مطابق مسلمان بنادے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید کو کھول کر چومتے اور ساتھ ساتھ یوں کہتے:

﴿عھد ربی و منشور ربی عزو جل﴾

”یہ میرے رب عزوجل کا عہد نامہ ہے اس کے قوانین کی کتاب ہے۔“

قبر میں عہد نامہ رکھنا:

یہ وہ عہد نامہ نہیں جسے لوگ قبر میں رکھتے ہیں۔ اسے دیکھ کر تو فرشتے اور زیادہ پٹائی لگاتے ہوں گے۔ گناہ کا سب سے پہلا حملہ عقل پر ہوتا ہے۔ یہ جو عہد نامہ قبر میں رکھ دیتے ہیں فرشتے اس نافرمان کو یہ عہد نامہ دکھا دکھا کر ٹھکائی کریں گے کہ نافرمان! تو نے اللہ سے یہ یہ عہد کئے پھر ان کو توڑ ڈالا، ساری عمر عہد شکنی کرتا رہا۔

فرماتے: عھد ربی۔ یہ میرے رب کا معاہدہ ہے۔ جب انسان زبان سے کوئی بات کہتا ہے تو وہ بات کانوں کے ذریعہ دل تک پہنچتی ہے اور دل پر اثر کرتی ہے یہ کلمات کہنے سے دل میں یہ استحضار پیدا ہوگا کہ جسے پڑھنے بیٹھے ہیں یہ کیا ہے؟ عھد ربی میرے رب نے اور میں نے آپس میں کچھ عہد کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اوفوا بعھدی اوف بعھد کم وایای فارھبون﴾ (۲-۴۰)

تم اپنا عہد پورا کرو گے تو میں اپنا عہد پورا کروں گا، اگر تم نہیں کرو گے تو میں بھی نہیں کروں گا معاملہ برابر رہے گا۔ تم نے یہ عہد کیا تھا کہ ”ہاں تو ہمارا رب ہے ہم تیرا ہر حکم مانیں گے“ اور میں نے یہ عہد کیا تھا کہ ”اگر تو میرا بن کر رہے گا مجھے راضی رکھے گا تو میں دنیا و آخرت میں تجھے پر سکون زندگی عطاء کروں گا“ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔

و منشور ربی۔ قرآن مجید میں میرے رب کی حکومت کے قوانین ہیں، اس کے

قانون کے خلاف جو کرے گا مجرم ٹھہرے گا اور دنیا و آخرت میں اس کی سزا بھگتنا پڑے گی اور میرا رب کون ہے؟ عزوجل "غالب ہے، بہت جلالت شان والا احکم الحاکمین ہے" یہ اس کا منشور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن مجید کی تلاوت سے قبل یہ الفاظ اس لئے اداء فرماتے کہ استحضار رہے حالانکہ ان کے دل تو اللہ تعالیٰ نے ایسے بنا دیئے تھے کہ غفلت کا کوئی وقت آہی نہیں سکتا تھا اس کے باوجود استحضار میں مزید ترقی کے لئے اور دوسروں کو سکھانے کے لئے وہ ایسا کرتے تھے۔

اگر قرآن مجید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے کا یقین ہو، اس پر ایمان ہو تو قرآن محبت بڑھانے کا ایسا اکسیر نسخہ ہے کہ اس کے بعد کسی اور نسخے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ہر شخص یہ سوچے کہ وہ اس نسخۂ اکسیر سے کیا فائدہ حاصل کر رہا ہے۔

(۳) نماز:

ارکان اسلام میں سے کلمہ شہادت کے بعد دوسرا رکن نماز ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے اور جیسے جیسے محبت بڑھتی جاتی ہے گناہوں کو چھوڑنے کی ہمت بڑھتی جاتی ہے، گناہ چھوٹتے جاتے ہیں۔ یہاں کسی کو یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو نماز بہت پڑھتے ہیں اور گناہ بھی بہت کرتے ہیں، اس بارہ میں یہ سمجھ لیں کہ یہ بات کس نے کہی ہے کہ نماز سے گناہ چھوٹتے ہیں، یہ اللہ کا ارشاد ہے اور کیا اللہ سے زیادہ سچا کوئی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

﴿ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللّٰہ اکبر واللّٰہ یعلم ما تصنعون۝﴾ (۲۹-۴۵)

"بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتے ہیں۔"

اس آیت میں صاف صاف فرمادیا کہ نماز برائیوں سے روکتی ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر نمازیوں کے گناہ کیوں نہیں چھوٹ رہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کے مسلمان نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہ گناہ کسی حال میں بھی نہیں چھوڑے گا، اللہ کی نافرمانی پر ہی مرے گا، سو ایسے بدبخت لوگوں کو اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت نہیں دیتے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ فیصلہ سنایا ہے:

﴿انلزمکموھا وانتم لھا کٰرھون ۝﴾ (۱۱-۲۸)

دل میں گناہوں کو چھوڑنے کا عزم اور ہدایت کی طلب پیدا کر کے نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق لازماً گناہ چھوٹنے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے شروع ہی میں اس پر یوں تنبیہ فرمائی ہے:

﴿ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدی للمتقین ۝﴾ (۲-۲)

قرآن مجید صرف انہی لوگوں کو ہدایت کرتا ہے جو متقی بننا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑ کر اس کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں۔ اگر بلا طلب ہی قرآن سے ہدایت ہوجاتی تو دنیا میں کوئی بھی کافر نہ رہتا سب مسلمان ہوجاتے، یہ لوگ اسی لئے ہدایت اور اسلام کی دولت سے محروم ہیں کہ ان میں طلب نہیں انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿واتل علیھم نبا الذی اٰتینٰہ اٰیٰتنا فانسلخ منھا فاتبعہ الشیطٰن فکان من الغٰوین ۝ ولو شئنا لرفعنٰہ بھا ولٰکنہ اخلد الی الارض واتبع ھوٰہ فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث ذٰلک مثل القوم الذین کذبوا باٰیٰتنا فاقصص القصص لعلھم یتفکرون ۝ ساء مثلاً القوم الذین کذبوا باٰیٰتنا وانفسھم کانوا یظلمون ۝﴾ (۷-۱۷۵ تا ۱۷۷)

اور فرمایا:

﴿ولو شئنا لاٰتینا کل نفسٍ ھدٰبھا ولٰکن حق القول منی لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین ۝﴾ (۳۲-۱۳)

کسی کو اشکال ہو سکتا تھا کہ یہ نسخہ ہی بہت مشکل ہے نماز نہیں پڑھی جاتی، اس لئے اس آیت میں نماز کو آسان کرنے کا نسخہ بھی بتا دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی سے بچنے اور دین پر مکمّل استقامت کا اصل اور بنیادی نسخہ ہے ہمت، نماز بھی بغیر ہمت کے نہیں پڑھی جا سکتی اور ہمت پیدا ہوتی ہے خوف سے یا محبت سے۔ اس آیت میں محبت اور خوف دونوں کا بیان ہے اس مقصد کے لئے دو جملے ارشاد فرمائے:

❶ ولذکر اللہ اکبر۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کو سوچنے سے اس کے ساتھ محبت بھی پیدا ہوتی ہے اور اس کی نافرمانی سے خوف بھی۔

❷ واللہ یعلم ماتصنعون۔ اس کے استحضار سے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب وکتاب کا خوف پیدا ہوتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

﴿واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ وانھا لکبیرۃ الا علی الخٰشعین ۝ الذین یظنون انھم ملٰقوا ربھم وانھم الیہ رٰجعون ۝﴾ (۲-۴۵،۴۶)

”اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے قلوب میں خشوع ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں، وہ خاشعین وہ لوگ ہیں کہ خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔“

جب اللہ سے عشق کا دعویٰ کر دیا تو اس کی اطاعت کرنی پڑے گی نافرمانی چھوڑنی پڑے گی اور یہ ہمت کے بغیر ممکن نہیں اس لئے صبر اور ہمت سے مدد لینے کا حکم فرمایا اور ہمت بڑھانے کے لئے نماز سے مدد لینے کا حکم فرمایا۔ پھر جیسا کہ پہلی آیت کی تفسیر میں بتا چکا ہوں کہ یہ نسخہ ہی بہت مشکل ہے، اس کے لئے بھی ہمت چاہئے۔ پھر عشق و محبت سے خالی انسان کے لئے نماز پڑھنا بھی بہت مشکل کام ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وانها لكبيرة﴾

"اور بلاشبہہ نماز بہت مشکل ہے۔"

خشوع سے نماز آسان ہو جاتی ہے:

اس لئے پھر نماز کو آسان اور مؤثر بنانے کا نسخہ ارشاد فرمایا کہ اس میں خشوع کی روح پیدا کرو، فرمایا:

﴿الا على الخشعين ۝﴾

اگر تم میں خشوع پیدا ہو جائے تو نماز کچھ مشکل نہیں، نماز اس لئے مشکل لگ رہی ہے کہ دل میں خشوع نہیں۔ ہر لمحہ ہر حالت میں دل و دماغ پر دنیا کی فکر سوار رہتی ہے۔

پھر تحصیل خشوع کا نسخہ ارشاد فرمایا:

﴿الذين يظنون انهم ملٰقوا ربهم وانهم اليه رٰجعون ۝﴾

اس میں بھی خوف اور محبت کے ذریعہ ہمت پیدا کرنے کا بیان ہے، حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت اور حساب و کتاب کے مراقبہ و استحضار سے قلب میں محبت و شوق اور خوف و خشوع پیدا ہوتے ہیں جس سے ہمت بڑھتی ہے اور نماز آسان ہو جاتی ہے۔

دنیا کی محبت اور دنیا کے تفکرات نماز میں یکسوئی پیدا نہیں ہونے دیتے اس کا علاج یہ ہے کہ رات کو سونے سے پہلے کچھ دیر کے لئے یہ سوچ لیا کریں کہ مرنا ہے، اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اس سے فکر آخرت پیدا ہوگی اور دل میں یکسوئی پیدا ہو جائے گی۔

بعض لوگ یہ بتاتے ہیں کہ وہ رات کو سونے سے پہلے محاسبہ اور مراقبہ کرنا بھول جاتے ہیں تو انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ تکیے کے پاس کوئی یادداشت رکھ لیا کریں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جیسے ہی لیٹے فوراً نیند آگئی، اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ لیٹنے سے پہلے بیٹھ کر محاسبہ و مراقبہ کر لیا کریں، پھر لیٹ کر بھی سوچنا شروع کر دیں اگر اسی لمحہ نیند آگئی تو کوئی بات نہیں یہ تو بہت مبارک نیند ہے، پریشان ہونے کی بات نہیں، آپ سوچنا شروع کر دیں کہ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، اس سے دل میں یکسوئی پیدا ہوگی خشوع پیدا ہوگا تو ہمت بلند ہو جائے گی جس سے نماز آسان ہو جائے گی پھر جب نماز پڑھنے لگیں گے تو مزید ہمت بڑھے گی جس سے مکمّل دیندار بننا آسان ہو جائے گا۔ انسان جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑتا جاتا ہے اس کی محبت میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ نماز میں ہمت بلند ہونے کے نسخے ذرا آگے چل کر بتاؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یا اللہ! سب کو یہ نسخہ استعمال کرنے کی توفیق عطاء فرما اور سب کے حق میں نافع بنا، مثمر بنا، بار آور بنا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿یایھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ ان اللّٰہ مع الصّٰبرین۝﴾ (۲-۱۵۳)

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو، بلاشبہہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔"

اس میں دین پر صبر و استقامت کو آسان کرنے اور ہمت بڑھانے کا ایک نسخہ تو وہی ارشاد فرمایا کہ نماز سے مدد لو اور دوسرا نسخہ یہ ارشاد فرمایا کہ صابرین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کا مراقبہ کیا کریں، دین پر قائم رہنے میں صبر سے کام لیں یہ سوچیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اللہ کا بندہ کبھی نفس و شیطان کا بندہ نہیں بن سکتا، گناہ کے ایک ایک تقاضے کے وقت صبر سے کام لیں جبل استقامت بن جائیں۔

نماز میں صبر و تحمل کی مشق:

نماز میں صبر یعنی پابندی کی مشق کروائی جاتی ہے مثلاً وقت کی پابندی، مردوں کے لئے مسجد میں جانے کی پابندی، جماعت سے نماز پڑھنے کی پابندی، بلکہ پہلے سے مسجد میں پہنچ کر تکبیرۂ تحریم میں شریک ہونے کی فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ بڑے صبر اور ہمت کا کام ہے اس کے لئے نمازی کو بیدار اور ہوشیار رہنا پڑے گا۔ خواتین کے لئے جماعت کی پابندی تو نہیں مگر وقت کی بابندی تو ہے، خواتین کو چاہئے کہ جیسے ہی اذان ہو فوراً نماز پڑھ لیں، جو خواتین نماز نہیں پڑھتیں ان کا تو کہنا ہی کیا اور جو پڑھتی ہیں وہ یہ سمجھتی ہیں کہ جماعت تو ہم پر واجب ہے نہیں اطمینان سے پڑھ لیں گے، بیٹھی رہتی ہیں کبھی تو بیٹھے بیٹھے نماز کا وقت ہی گزر جاتا ہے، پوچھو تو تعجب سے کہتی ہیں ارے! بھول ہی گئی، پڑھ بھی لی تو بہت دیر سے کبھی اتنی دیر سے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وقت باقی ہے بھی یا نہیں، اول تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں نماز جیسی مزیدار چیز میں اتنی دیر کیوں کی جائے۔ دوسرے یہ سوچیں کہ اگر اس دوران موت آگئی تو؟ اگر نماز کا وقت نکلنے سے پہلے موت آگئی تو اگرچہ نماز اس کے ذمہ فرض نہ رہی یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ گناہ نہ ہوا مگر یہ سوچیں کہ یہ کتنی بڑی محرومی کی بات ہے دنیا کی آخری گھڑی اور مالک کی طرف جانے کا پہلا وقت، ایسی حالت میں موت آئی کہ اللہ کے سامنے حاضری بھی نہ دی۔

پھر یہ بھی تو سوچیں کہ اللہ تعالیٰ کا منادی پکار رہا ہے صرف یہ اطلاع ہی نہیں دے رہا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے بلکہ وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کبریائی، عظمت شان وجلالت شان، اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کر رہا ہے اور اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کر رہا ہے کہ نماز کی طرف آؤ اور فلاح و کامیابی حاصل کر لو۔ کیسے کیسے دل ہلا دینے والے اعلان ہو رہے ہیں اور سر عام لاؤڈ اسپیکروں پر ہو رہے ہیں پھر بھی اگر دلوں پر اثر نہ ہو تو سوچئے کہ یہ دل کتنے سخت ہو گئے ہیں۔ ایسے ایسے اعلان کہ شیطان ان کو برداشت نہیں کر سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اذان شروع ہوتی ہے تو شیطان پادتا ہوا بھاگتا ہے پادتا ہوا۔ اس وقت اس کی ریح آہستہ آہستہ نہیں نکلتی بہت زور زور سے خارج ہوتی ہے جیسے شیعہ کے گھروں میں شب براءت کے پٹاخے۔

شیطان تو اللہ تعالیٰ کی عظمت سے اتنا ڈرتا ہے کہ ان کا نام سن کر مرا جا رہا ہے، بھاگا جا رہا ہے مگر افسوس آج کل کے مسلمان کے دل پر اثر نہیں ہوتا، اس میں خوف پیدا نہیں ہوتا۔

بات یہاں سے چلی کہ اللہ تعالیٰ کی شان، عظمت اور کبریائی کے لاؤڈ اسپیکروں پر اعلان پر اعلان ہو رہے ہیں مگر خواتین پھر بھی بے فکر بیٹھی رہتی ہیں کہ پڑھ لیں گے ہم پر کون سی جماعت واجب ہے۔ خواتین پر لازم ہے کہ جیسے ہی اذان سنیں فوراً سب کام چھوڑ کر پہلے نماز پڑھیں دوسرے کام بعد میں کریں۔ خواتین کے لئے اذان کا ذکر اس لئے کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہے، اسے سن کر بھی تأخیر کرنا بہت بڑی غفلت ہے۔ ویسے مسئلہ یہ ہے کہ اذان سے پہلے بھی خواتین کے لئے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ نماز کا وقت ہو جانے کا یقین ہو۔

نماز میں صبر کی مشق یوں بھی کروائی جاتی ہے کہ جیسے ہی نماز میں کھڑے ہوئے کھانا، پینا، بولنا، چلنا، ہاتھ پاؤں ہلانا سب کچھ حرام ہو گیا۔ سوچئے اس میں صبر و تحمل کا

کتنا بڑا سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کر سب کچھ چھوڑ دو۔ احکم الحاکمین کا حکم ہے کہ ساری دنیا کو چھوڑ کر ہم سے باتیں کرو، ہاتھ وغیرہ بھی نہ ہلاؤ، سکون سے رہو۔

آج کل تو لوگوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں ہاتھ ہلانے کو فرض سمجھتے ہیں، یہاں مسجد میں جب کوئی نماز کے دوران ہاتھ ہلاتا ہے تو وہ جہاں بھی ہوتا ہے مجھے نظر آجاتا ہے (یہ حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کی کرامت ہے۔ جامع) اور نماز کے بعد جب میں اس سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے نماز میں ہاتھ کیوں ہلایا؟ تو وہ کہتا ہے کہ پتا ہی نہیں چلا، شاباش بیٹے شاباش! واہ تیری نماز، تو نماز میں ہاتھ بھی ہلاتا رہتا ہے بار بار ہلاتا ہے اور تجھے پتا بھی نہیں چلتا۔ یہ حال کیا ہوا ہے لوگوں نے نماز کا بالخصوص ڈاڑھی سے کھیلنے کا مشغلہ تو بہت ہی مرغوب معلوم ہوتا ہے، نماز اور ڈاڑھی سے کھیلنے کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ جیسے ڈاڑھی ان کے لئے کوئی کھلونا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص نماز میں ڈاڑھی سے کھیل رہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه﴾

(فتح الباری صفحہ ۷۹ا جلد ۲)

"اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی، اس کا ہاتھ ڈاڑھی کی طرف کبھی نہ جاتا، ہاتھوں میں بلکہ پورے جسم میں سکون ہوتا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمادی کہ نماز تو پڑھ رہا ہے مگر خشوع نہیں۔

نماز سے صبر کی توفیق یوں بھی ہوتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے جس سے محبوب کے احکام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے ؎

از محبت تلخہا شیرین شود

اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت کا اظہار:

دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اتارنے کے لئے نماز شروع ہی "اللہ اکبر" سے ہوتی ہے کہ "اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں" اذان اور اقامت کی ابتداء بھی اسی جملے سے ہوتی ہے کہ "اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں" تکبیرۂ تحریم کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی ہمارے دل میں اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوری دنیا کو ہم نے پس پشت پھینک دیا۔ پھر ہاتھ باندھنے کے بعد حمد وثناء کے ذریعہ زبانی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پورا جسم اللہ تعالیٰ کے سامنے ظاہری و باطنی خشوع وخضوع اور مکمّل سکون کے ساتھ بلاحس وحرکت قالب بے جان کی طرح کھڑا اپنے عجز و نیاز اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار کررہا ہے، پھر سورہ فاتحہ میں اپنے مالک کی حمد وثناء کے بعد اس کی بارگاہ میں صراط مستقیم کی ہدایت کی درخواست پیش کرتا ہے اور سورہ فاتحہ کے ہر جملہ پر اپنے مالک و محبوب کی طرف سے جواب پاکر لذت خطاب سے مشرف اور محظوظ و مسرور ہوتا ہے، مالک و محبوب کی بارگاہ میں حضوری اور جانبین سے مخاطبہ و مکالمہ کی لذت سے سرشار۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازی کو سورۂ فاتحہ کے ہر جملہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملتا ہے، جب بندہ "الحمد للہ رب العٰلمین" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حمدنی عبدی۔ "میرے بندے نے میری حمد کی" پھر جب بندہ "الرحمٰن الرحیم" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اثنی علی عبدی "میرے بندے نے میری ثناء کی" پھر جب بندہ "مالک یوم الدین" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فوض الی عبدی۔ "میرے بندہ نے سب کچھ میرے سپرد کردیا" پھر جب بندہ "ایاک نعبد وایاک نستعین" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ھذا بینی و بین عبدی ولعبدی ماسأل۔ یعنی پہلے جملہ میں میری توحید بیان کی ہے اور دوسرے جملہ میں اپنے لئے دعاء۔ پھر جب بندہ

"اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ھذا العبدی ولعبدی ماسأل۔ یعنی میرے بندے نے مجھ سے صراط مستقیم کی دعاء کی ہے میں نے اس کی دعاء کو قبول کر لیا، نمازی کو چاہئے کہ ہر آیت کے بعد یہ تصور کیا کرے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا یہ جواب مل رہا ہے۔

پھر سورہ فاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورت پڑھی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو اس کی طلب ہدایت کا جواب ہے کہ میرے بندے! تو نے مجھ سے ہدایت طلب کی ہے میں نے تیری دعاء اس طرح قبول کی ہے کہ تجھے یہ قرآن دیا جو سراسر ہدایت ہے:

﴿ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ھدی للمتقین﴾ (۲-۲)

اس پر عمل کرو۔ پھر رکوع میں قیام سے بھی زیادہ زبان اور جسم دونوں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اپنی تواضع و انکسار کا اظہار کر رہا ہے۔ اپنے رب کے سامنے جھک کر اس کی تسبیح کرتا ہے تو قومہ میں رب کی طرف سے جواب ملتا ہے: "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" اللہ نے تیری تسبیح قبول کر لی۔ اس پر اظہار مسرت و اداء شکر کے لئے بندہ کہتا ہے:

﴿اللّٰھم ربنا ولک الحمد﴾

پھر سجدے میں اس سے بھی بڑھ کر عظمت کا اظہار کر رہا ہے، پھر سجدہ بھی ایک نہیں بلکہ دو فرض کئے گویا کہ بندہ اپنے مالک سے یوں کہتا ہے:

"یا اللہ میں نے تیرے سامنے جیسے زبان سے تیری عظمت کا اقرار کیا ویسے ہی اپنے دوسرے تمام اعضاء سے بھی کر رہا ہوں۔"

نماز اول تا آخر اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت کا اظہار ہے۔ نمازی دل اور زبان

سے بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار واعتراف کرتا ہے اور عمل سے بھی دل، زبان اور پورا جسم جلوۂ جاناں میں فنا ہیں۔

رکوع اور سجدہ کے بعد قعدہ کا نمبر آتا ہے اس کی حکمت بھی سمجھ لیجئے۔ نماز قولی، بدنی اور مالی عبادات کا مجموعہ ہے اس لئے قعدہ میں پہلے ان تینوں قسم کی عبادات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ پھر یہ سوچنے کی بات ہے کہ احکم الحاکمین کے عالی دربار میں جو پانچ وقت ہم حاضر ہوتے ہیں، اس دربار تک رسائی کس کے ذریعہ ہوئی؟ محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری امت پر احسان عظیم ہے۔ اس احسان شناسی کی تعلیم کے لئے نماز میں یہ حکم دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجیں اور درود شریف پڑھیں۔ ہر نماز میں کہیں:

﴿السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و بر کاته﴾

آگے یہ بھی سوچئے کہ ہم میں سے کسی نے براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں۔ دنیا میں ہم کبھی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے یہ دولت تو جنت میں جا کر نصیب ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے نہیں دیکھا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وساطت سے ہم تک پہنچا ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا ان سے دین لے کر آگے تابعین نے پہنچایا ان سے آگے تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ نے، تبع تابعین سے اللہ کے دوسرے صالحین بندوں نے، اسی طرح چلتے چلتے یہ سلسلہ ہم تک پہنچا اور آگے قیامت تک چلتا جائے گا۔ جو حضرات ہم تک دین پہنچانے کا ذریعہ بنے سب کا امت پر احسان ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام و رحمت بھیجنے کے بعد یہ تعلیم دی گئی:

﴿السلام علینا و علی عباد الله الصّٰلحین﴾

ان عباد صالحین میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر آخر تک کے تمام حضرات آگئے، یہ سب ہمارے محسن ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

پانچوں وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہوتی ہے اور ہر حاضری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اور صحابہ وتابعین اور دوسرے تمام وسائط کے حق میں رحمت وسلامتی کی دعاء ہوتی ہے۔

اصل مقصد تو شاہی دربار کی حاضری ہے۔ اس کا ادب یہ ہے کہ ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رہے، اس دوران غیر کا خیال گوشۂ قلب میں بھی نہ آنے پائے۔

احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حاضری دی رازو نیاز کی باتیں کیں اس دوران رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور بھی آگیا پھر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے بعد کے عباد صالحین کا خیال بھی آگیا کہ ان حضرات کے واسطہ سے ہم تک دین پہنچا۔ انہی کے واسطہ سے اس دربار تک رسائی ملی، اس لئے ان کے حق میں دعاء بھی کی۔ اصل مقصود تو احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حاضری تھی، درمیان میں ان حضرات کا خیال آگیا گو یہ تصور بھی ربط کی بناء پر تھا خود مقصود نہ تھا مگر نمازی پھر بھی کلمۂ شہادت کے ذریعہ توحید کی تجدید کرتا ہے:

﴿اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ﴾

میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، صرف اس کی عبادت کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت نہیں کرتا، مزید تاکید کے لئے "عبدہ" کا اضافہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اللہ تعالیٰ کے عبد ہیں، عبد کامل۔ اس سے شرک کی جڑ کٹ گئی۔ پھر کلمۂ شہادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آگیا تو درود شریف پڑھتا ہے، آخر میں دربار سے رخصت ہوتے وقت آخری بار اپنی حاجت براری کی

درخواست پیش کرکے وداعی سلام کہہ کر رخصت ہوجاتا ہے:

﴿السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ﴾

اللہ تعالیٰ کے لئے سلام کی دعاء کرنا جائز نہیں اس لئے ملائکۃ اللہ کو سلام کہا جاتا ہے۔

دنیا کا دستور ہے کہ کسی بڑے حاکم کے دربار میں پہنچ کر حمد وثناء اور درخواست پیش کرنے کے بعد آخر میں رخصت ہوتے وقت پھر اپنا مدعا دہرایا جاتا ہے اور الطاف وتوجہات کی آخری درخواست کی جاتی ہے کہ حضور! ہم رخصت ہوتے ہیں ہمارا خیال رہے، ہم پر حضور کی نظر رہے، بس اب ہم چلتے ہیں، پھر کبھی بارگاہ عالی میں حاضری نصیب ہو یا نہ ہو، السلام علیکم۔

اسی طرح مسلمان بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ کر حمد وثناء کرکے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرکے آخر میں درود شریف اور اس کے بعد کوئی مختصر اور جامع دعاء عرض کرکے رخصت ہونے لگتا ہے تو سلام وداع کہہ کر رخصت ہوتا ہے۔

آج کے مسلمان کا سلام:

آج کے مسلمان نے تو اپنا سلام ہی تبدیل کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ملاقات اور رخصت کے اوقات میں سلام کی تعلیم فرمائی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے "عاشق" اس سلام پر راضی نہیں انہوں نے السلام علیکم کی بجائے متبادل سلام گھڑلیا ہے "خدا حافظ" اللہ کے احکام تو تمہیں منظور نہیں، ان کا بتایا ہوا سلام پسند نہیں پھر وہ حافظ کیسے ہوگا؟ مسلمان نے مسنون سلام چھوڑ کر اپنا سلام گھڑلیا پھر وہ بھی غلط "خدا حافظ" کی بجائے "خدا حافیظ" کہتے ہیں۔ اس کی بجائے سلام کا مسنون طریقہ اختیار کیجئے "السلام علیکم" کہنے میں سنت پر عمل کرنے کا اجر وثواب بھی ہے اور مسلمان بھائی کے لئے سلامتی کی دعاء بھی۔

بوقت وداع "خدا حافظ" کہنا:

بوقت رخصت السلام علیکم کی بجائے "خدا حافظ" کہنے کی رسم بنالینا ناجائز ہے۔ اگر السلام علیکم کی بجائے خدا حافظ کہا تو شریعت کی تحریف ہے اور اگر السلام علیکم کے ساتھ کہا تو شریعت پر زیادتی ہے، البتہ اگر سلام وداع سے الگ خدا حافظ اور کبھی کچھ اور دعائیہ کلمات کہہ دئے جائیں تو کوئی حرج نہیں، مگر انہی الفاظ کے التزام سے واضح ہے کہ وقت وداع کے لئے اپنی طرف سے مخصوص الفاظ متعیّن کئے جارہے ہیں جس کا زیادۃ فی الدین ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ اصطلاح کسی غیر قوم سے لی گئی ہے تو اور بھی زیادہ قبیح ہے۔

④ زکوٰۃ:

ارکان اسلام میں سے تیسرا رکن زکوٰۃ ہے۔ اس میں بھی محبت کی تعلیمات ہیں۔

زکوٰۃ رضاء محبوب کا ذریعہ:

دنیا میں جب کسی کو کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اسے راضی کرنے کے لئے انسان کیا کیا طریقے اختیار کرتا ہے وہ سب زکوٰۃ میں موجود ہیں، نمبروار بتاتا ہوں۔

❶ جب انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو وہ محبوب کو حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرتا ہے اسی طرح محبوب حقیقی کو راضی کرنے کے لئے اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

❶ خاص طور پر محبوب کے اہل تعلّق کو کھلایا پلایا جاتا ہے۔ اور ہدایا و تحائف دیئے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعہ محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ زکوٰۃ میں یہ بھی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بندے اللہ کی مخلوق ہیں، اللہ سے ان کا تعلّق ہے اور اللہ کو اپنی مخلوق سے محبت ہے اس لئے اللہ کے بندوں پر رحم کرنے سے، انہیں کھلانے پلانے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے سے اللہ راضی ہوگا اور اس کی محبت اور قرب حاصل ہوگا۔

۳ خود محبوب کو براہ راست ہدایا وغیرہ دیئے جاتے ہیں، یہ چیز بھی زکوٰۃ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بار بار فرماتے ہیں کہ اللہ کو دو، اس پر شریعت کا ایک اصول مرتب ہوگیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق جب انسان کسی مسکین کو کچھ دیتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ کو دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اور اس کے قبضے کو اپنا قبضہ فرماتے ہیں۔

۴ زکوٰۃ میں مسلمان یہ ثابت کرتا ہے کہ اے میرے محبوب! مجھے تجھ سے اتنی محبت ہوگئی ہے کہ دنیا میں جس چیز کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے میں تیری محبت پر اس کی محبت کو قربان کر رہا ہوں۔ دنیا میں سب سے زیادہ محبت دو چیزوں سے ہوتی ہے، مال اور جاہ۔ دنیا میں لوگوں نے ان کو اللہ بنا رکھا ہے۔ مال پر اتنا عاشق، اتنا عاشق کہ کچھ بھی ہوجائے مال مل جائے۔

مال کے عاشق صادق:

کسی مغربی ملک میں ایک شخص سولہ ملین ڈالر کا مالک تھا۔ تجارت میں ایک پاؤ ملین اس کا نقصان ہوگیا وہ اسے برداشت نہ کرسکا کئی منزلہ عمارت سے کود کر خودکشی کرلی۔ مال کی خاطر جان دے دی کمبخت نے جبکہ اس کے پاس اتنا مال موجود تھا کہ کئی نسلوں تک بھی ختم نہ ہوتا مگر یہ ہیں مال کے عاشق صادق۔

یہاں بھی بہت سے لوگ دو چار پیسے بچانے کی خاطر جان دے دیتے ہیں، پٹرول بچانے کی خاطر خلاف قانوں گاڑی چلاتے ہیں، کہتے ہیں کہ جان تو جانے ہی والی ہے

کیوں نہ پیسہ بچاتے بچاتے جائے۔ یہ ہیں مال کے عاشق ؏

لولا التقی لقلت جلت قدرته

شاعر کہتا ہے کہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور احتیاط کر رہا ہوں اگر مجھے اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں پیسے کو "جلت قدرته" کہتا "جل جلاله" پیسے کو یوں کہنے کو جی چاہتا ہے اتنی محبت ہے پیسے سے۔

زکوٰۃ میں انسان اس کا ثبوت دیتا ہے کہ یا اللہ! میں تجھے ہی اللہ سمجھتا ہوں، تیرے حکم کے سامنے، تیری رضا حاصل کرنے کے لئے میں نے اپنا مال قربان کر دیا۔ میرے دل میں مال کی محبت نہیں تیری محبت ہے اور یہ محبت ہر محبت پر غالب ہے۔

⑤ روزہ:

چوتھا رکن روزہ ہے اس سے بھی صبر و ہمت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت بڑھتی ہے اس لئے گناہ چھوٹنے لگتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یایها الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۝ ایاما معدوٰدت فمن کان منکم مریضا اوعلی سفرٍ فعدة من ایام اخر وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین فمن تطوع خیرا فهو خیر له وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ شهر رمضان الذی انزل فیه القراٰن هدی للناس وبینٰت من الهدی والفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ومن کان مریضا اوعلی سفر فعدة من ایام اخر یرید اللّٰه بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدة ولتکبروا اللّٰه علی ماهدبکم ولعلکم تشکرون ۝﴾

(۲- ۱۸۳تا ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں، ایک روزہ کو آسان کرنے کے نسخے اور دوسری روزہ کی حکمت۔

روزہ کو آسان کرنے کے پندرہ نسخے:

سرسری نظر سے ان آیات میں روزہ کو آسان کرنے کے پندرہ نسخے سامنے آئے، ان بے بہا پندرہ یواقیت کی طرف جتنی زیادہ توجہ کریں گے اور جس قدر زیادہ سوچیں گے اسی قدر روزہ آسان سے آسان تر ہوتا چلا جائے گے، اب اکسیر کیمیا تأثیر نسخے سنئے:

❶ یایھا الذین اٰمنوا۔ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے ساتھ محبت کے دعوے کرتے ہو، اگر تم اپنے ان دعوں میں سچے ہو تو تمہیں روزہ کی ذراسی مشقت برداشت کرنا کیوں مشکل لگ رہا ہے، محبت سے تو مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتے ہیں ؎

از محبت تلخہا شیرین شود

❷ کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم۔ مشکل کام وہ ہوتا ہے جو صرف ایک شخص کے سر ڈال دیا جائے، وہ دوسروں کو دیکھ کر کہتا ہے کہ میں مصیبت میں پڑ گیا، مجھ پر آفت گئی، لیکن اس کام پر اگر سب کو لگا دیا جائے تو وہ کسی کو مشکل نہیں لگتا ہر شخص یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ یہ حالت تو سب پر گزر رہی ہے۔ اس طرف متوجہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ روزہ صرف تم پر ہی فرض نہیں کیا گیا، تم سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امتوں پر بھی روزہ فرض تھا، جیسے انہوں نے ہنسی خوشی سے یہ فرض اداء کیا تم بھی اداء کرو۔ اب اگر کوئی کہے کہ روزہ تو بہت مشکل ہے ہم سے نہیں رکھا جاتا تو یہی کہا جائے گا کہ یہ اس کی بے ہمتی ہے، یہ کام چور ہے، ورنہ کوئی پوچھے کہ جو کام ساری دنیا کے مسلمان کر رہے ہیں وہ تجھ اکیلے کے لئے کیوں مشکل ہے، کوئی مشکل ہوتی تو سب کے لئے ہوتی، یہ

کیا کہ ساری دنیا کے لئے سہل اور آسان صرف ایک شخص کے لئے دشوار!

❸ لعلکم تتقون۔ روزہ میں یہ تأثیر ہے کہ تم روزہ رکھنے سے متقی بن جاؤ گے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑ دو گے، اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت دونوں میں پر سکون زندگی عطاء فرماتے ہیں، ہر قسم کی پریشانی سے محفوظ رکھتے ہیں، اتنی بڑی دولت حاصل کرنے کے لئے روزہ کی ذرا سی مشقت برداشت کر لینا تو کیا اپنی جان قربان کر دینا بھی بہت سستا سودا ہے ع

متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

❹ ایامًا معدودٰتٍ۔ یہ گنتی کے چند دن ہیں، صرف ایک ماہ، ورنہ کئی احکام اللہ تعالیٰ نے چالیس روز تک دیئے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ چالیس دن روزے رکھیں تو تورات ملے گی، اسی طرح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینی فائدہ حاصل کرنے والوں کے لئے چالیس روز مقرر فرمایا کرتے تھے مگر روزہ میں اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرما دی۔ صرف ایک مہینہ جس کے کبھی انتیس دن ہوتے ہیں کبھی تیس دن۔ مریض کو انتیس انجیکشن لگوانے سے بھی وہی فائدہ ہوتا ہے جو تیس انجیکشن لگوانے سے ہوتا ہے، ایک انجیکشن کم کرنے سے مرض عود نہیں کر آتا۔ سو کبھی تیس کی بجائے انتیس دن پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں، بلکہ تیسویں دن عید ہو گئی تو روزہ رکھنا جائز ہی نہ رہا، کھانا پینا فرض ہو گیا۔

اب سوچئے! اس میں کیا مشقت ہے؟ سال میں گیارہ ماہ چھٹی صرف ایک ماہ پابندی، ماہ بھی کبھی انتیس دن کا اور ثواب پورے تیس دن کا۔

❺ فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر۔ مرض اور سفر میں روزہ چھوڑ دینا جائز ہے بعد میں قضاء کرے۔

❻ فعدۃ من ایام اخر۔ مرض اور سفر ختم ہونے کے بعد قضاء روزے فورًا رکھنا ضروری نہیں جب چاہیں رکھ سکتے ہیں۔

❼ فعدة من ایام اخر۔ قضاء روزے مسلسل رکھنا ضروری نہیں متفرق طور پر بھی رکھ سکتے ہیں۔

❽ وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین۔ اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، بہر صورت مسئلہ یوں ہے کہ جو شخص کسی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے روزہ کی قدرت نہ رکھتا ہو اور آیندہ بھی تاحیات قدرت ہونے کی توقع نہ رہی ہو وہ روزہ نہ رکھے، اس کا فدیہ دے دے۔

❾ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون۔ روزے سے دنیا و آخرت کے بے بہا فائدے اور اس کے اجر عظیم کو سوچا کرو۔

❿ شهر رمضان الذیٓ انزل فيه القراٰن هدًی للناس وبینٰتٍ من الهدٰی والفرقان۔ ماہ رمضان اس لئے بھی بہت مبارک و مقدس ہے کہ اس میں قرآن نازل ہوا ہے جو سرچشمہ ہدایت ہے اور دنیا و آخرت کی ہر خیر و بہبود، صلاح و فلاح اور سکون و راحت کا ذریعہ ہے۔

⓫ یرید اللّٰه بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے وہ اپنے بندوں کو بہت آسان احکام دیتا ہے مشقت میں نہیں ڈالتا۔

⓬ ولتکبروا اللّٰه۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان کرنے سے دلوں میں اس کا خوف اور محبت پیدا ہوتے ہیں جن سے احکام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

⓭ علی ما هدٰبکم۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی نعمت کو سوچنے سے اس کے ساتھ محبت بڑھتی ہے جس سے اس کی نافرمانی چھوٹ جاتی ہے اور اطاعت کی توفیق ملتی ہے۔

⓮ ولعلکم تشکرون۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اداء کرنے سے محبت میں ترقی ہوتی ہے جس کی وجہ سے معصیت سے نفرت اور اطاعت کے جذبات ابھرتے ہیں۔

⓯ ان آیات کے بعد دوسری آیت میں فرمایا:

﴿وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی الیل﴾ (۲-۱۸۷)

یعنی رمضان میں کھانے پینے کی پابندی صرف دن میں ہے، رات کو رمضان میں بھی چھٹی کھلی چھٹی، جو چاہو کرو، خوب مزے اڑاؤ۔

روزہ کی حکمت:

اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حکمت یہ ارشاد فرمائی: لعلکم تتقون ۞ تم متقی بن جاؤ، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے پاک وصاف ہو کر دنیا وآخرت دونوں میں عزت، راحت اور سکون کی زندگی پاؤ۔

روزہ حصول تقویٰ کا قدیم ترین نسخہ:

روزہ اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے، اس کی نافرمانیاں چھڑانے اور اس کے عذاب سے بچانے کا بہت قدیم اور مؤثر ترین نسخہ ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۞﴾

یعنی روزے تم پر فرض کئے گئے جیسے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ نافرمانی سے باز آجاؤ، گناہوں کے چھڑانے کا یہ نسخہ کوئی نیا نہیں بلکہ بہت پرانا ہے۔ لوگوں کو کسی چیز کی اہمیت جتانے اور اس پر مطمئن کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔ پرانی چیز سے کسی کو خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ قدیم سے آنے والی اشیاء دنیا کے مسلمات میں شمار ہوتی ہیں۔ اس لئے فرمایا روزہ میں

گناہ چھڑانے کی تاثیر، گناہوں سے بچنے کا تیر بہدف علاج بہت قدیم ہے کوئی نیا علاج نہیں جو ابھی کسی نے دریافت کیا ہو۔ یہ نسخہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا ہے اس کے نافع ہونے میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں مگر شرط وہی ہے کہ نسخہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ گناہوں سے بچنے کی نیت ہو ہمت اور کوشش کی جائے، بس پھر دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ آخری عشرہ تک دنیا اور آخرت کی جہنّم سے نجات مل جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رمضان کے پہلے دس دن رحمت کے ہیں درمیان کے دس دن مغفرت کے ہیں اور آخری دس دن جہنّم سے نجات کے ہیں۔" (ابن خزیمہ، بیہقی)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ گناہ چھوڑے بغیر ہی پورا رمضان گزر جانے سے ہر فاسق وفاجر کی مغفرت اور جہنّم سے نجات ہو جاتی ہے، اگر اس حدیث کو اس کے ظاہر کے مطابق عام رکھا جائے تو اس کے ظاہر سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے اور انہیں جہنّم سے نجات مل جاتی ہے۔ پھر جہنّم تو خالی ہی رہ جائے گی جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہنّم کو بھرنا ہے:

﴿ولو شئنا لاتينا كل نفس هدبها ولكن حق القول منى لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين ﴾ (۳۲-۱۳)

اس سے ثابت ہوا کہ مغفرت اور نجات کے لئے ایمان کی شرط ہے، اسی طرح قرآن وحدیث کی دوسری نصوص سے تقویٰ کی شرط بھی ثابت ہے۔ اس لئے رمضان سے مغفرت اور نجات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے جو مغفرت ونجات کی شرط ہے، اگر روزہ کا صحیح مقصد سمجھ کر صحیح طریقے سے روزے رکھے جائیں تو تقویٰ پیدا ہوتا ہے گناہ چھوٹنے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت، مغفرت اور نجات کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے:

﴿لعلکم تتقون۝﴾

یعنی ہم نے روزے اس لئے فرض کئے تاکہ تم اس کی بدولت اللہ کے عذاب سے بچ جاؤ، گناہ چھوٹ جائیں۔ اللہ کے عذاب سے بچنا اس پر موقوف ہے کہ انسان گناہوں سے توبہ کرلے جب تک گناہ نہیں چھوڑتا اللہ کے عذاب سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہیں، خواہ آپ ختم خواجگاں کرتے کرواتے رہیں، آیۂ کریمہ کے ختم کریں، قرآن مجید کے ختم کریں، جتنے چاہیں ختم کرلیں، وظیفے پڑھ لیں، جہنّم سے نجات نہیں ہوسکتی جب تک کہ گناہ نہیں چھوڑتے۔

کسی نے ٹیلی فون پر مجھ سے پوچھا کہ ہم آیۂ کریمہ کا ختم کروانا چاہتے ہیں، کسی نے بتایا ہے کہ یہ جلالی ہوتا ہے اس لئے اس ختم کو پڑھنے سے پہلے کسی بزرگ سے اجازت لینی چاہئے ورنہ یہ بڑا جلالی ہے نقصان دیتا ہے۔ دوسری بات یہ بتائی کہ سوالاکھ مرتبہ ہو اور ایک ہی نشست میں ہو۔ یہ شخص ایک تو مجھ سے اس کی اجازت لینا چاہتا تھا دوسرے یہ تصدیق کروانا چاہ رہا تھا کہ ان شرائط کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے یا کسی بھی طریقے سے پڑھ سکتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ سے دوری کا نتیجہ ہے، شیطان نے مسلمانوں میں یہ چکر چلا رکھے ہیں بس فلاں ختم کروالو، فلاں وظیفہ پڑھ لو تو سارے کام ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں بار بار اعلان فرمایا ہے کہ جو ہماری نافرمانی نہیں چھوڑتا وہ جہنّم سے نہیں بچ سکتا، دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں سے توبہ کرے اور صرف توبہ کافی نہیں بلکہ آیندہ کے لئے اپنی اصلاح بھی کرے یعنی گناہوں سے بچنے بچانے کی کوشش میں لگا رہے، اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ بار بار اپنا یہ فیصلہ دہرایا ہے:

﴿تابوا واصلحوا﴾

"تابوا" کے بعد "اصلحوا" بھی فرمایا یعنی توبہ کے بعد اپنی اصلاح بھی کرلیں اور توبہ کا مطلب یہ نہیں کہ صرف زبان سے توبہ استغفار کرتے رہیں استغفار کی تسبیح پڑھتے رہیں بلکہ ایسی سچی توبہ کریں جس کا اثر لازمًا یہ ہو کہ آیندہ کے لئے اصلاح ہوجائے، ظاہری و باطنی گناہوں سے زندگی پاک ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فیصلوں سے ثابت ہوا کہ اللہ و رسول کی نافرمانیاں چھوڑے بغیر صرف رمضان گزرنے سے مغفرت اور جہنّم سے نجات ہرگز نہیں ہوسکتی۔

اس لئے اس حدیث کا وہی مطلب لیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری احادیث میں ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی رمضان میں گناہ چھوڑنے کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے نسخے استعمال کئے جائیں، نسخے استعمال کریں گے تو گناہ چھوٹیں گے اور گناہ چھوٹیں گے تو جہنّم سے نجات ہوگی۔

اب یہ سمجھ لیں کہ پہلے رحمت پھر مغفرت اور پھر نجات کا مطلب یہ ہے کہ نسخہ کا اثر بتدریج آہستہ آہستہ ہوتا ہے، پہلے گناہوں پر ندامت اور چھوڑنے کی فکر پیدا ہوتی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے پھر آہستہ آہستہ گناہ چھوٹنے لگتے ہیں تو مغفرت کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور رمضان کے آخر تک تمام گناہوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے تو مغفرت مکمّل ہوکر جہنّم سے نجات مل جاتی ہے۔ یہ تفصیل ان لوگوں کے لئے ہے جو گناہوں میں مبتلا ہیں۔ جو پہلے سے گناہ چھوڑے ہوئے ہیں ان کے لئے پہلے ہی سے رحمت بھی ہے، مغفرت بھی اور جہنّم سے نجات بھی، ان کے لئے تو جنت کی نعمتوں میں ترقی ہوگی اور جن کی زندگی پہلے سے گناہوں میں گزر رہی ہے ان کے لئے یہ ترتیب ہے۔

رمضان شروع ہوا تو نسخہ استعمال کرنا شروع کردیا۔ جب مریض کوئی دواء

استعمال کرتا ہے تو اس کا اثر آہستہ آہستہ ہوتا ہے یہ نہیں کہ ادھر دواء منہ میں ڈالی اور ادھر مرض جاتا رہا۔ اگر مرض پرانا ہو پھر تو طویل مدت تک نسخہ استعمال کرنے کے بعد فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جس کی زندگی گناہوں میں گزرتی رہی ہے اس کا مرض بہت پرانا ہے۔ عموماً چودہ پندرہ سال کی عمر میں انسان بالغ ہوتا ہے۔ اگر بلوغ پر ایک سال گزرا تو اس کا مرض ایک سال پرانا ہے بلکہ اس سے پہلے جو چودہ سال گزرے وہ بھی فساق وفجار کے ماحول میں، اس برے معاشرے میں رہ کر اس بچہ نے جو کچھ دیکھا وہ اس کے دل میں اترتا چلا گیا، دل اس زنگ سے آلودہ ہو گیا۔ بچوں پر تو اور بھی جلدی اثر ہوتا ہے۔ پندرہ سال کی عمر ہے تو پندرہ سال کا پرانا مرض ایک گولی کھانے سے یا ایک قطرہ پینے سے تھوڑا ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ مرض بھی کیا دل کا، دل کا مرض ہے، جتنے گناہ ہوتے ہیں دراصل مریض تو ہوتا ہے دل، دل اللہ کا نافرمان بنتا ہے، ناشکرا بنتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی بجائے دنیائے مردار کی محبت بھر جاتی ہے، دل مریض ہے۔

دل کی بیماری سب بیماریوں کی بنیاد:

اصل میں دل بیمار ہوتا ہے، دل کی بیماری تمام اعضاء پر اثر کرتی ہے۔ دل تندرست ہوتا ہے تو پورا جسم تندرست اور دل بیمار تو پورا جسم بیمار۔ جو دل اللہ کی محبت سے خالی ہے اس کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک اور زبان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کبھی نہیں کر سکتے وہ تو نافرمانی ہی کریں گے اور جس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہے اس کا اثر اس کے تمام اعضاء پر ہوتا ہے، ہر عضو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، ہر نافرمانی سے بچتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهي القلب﴾ (صحیح مسلم)

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا درس عبرت:

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تقریباً نوے سال کی عمر میں ایک بار یہاں میرے پاس تشریف لائے تو فرمایا کہ یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس لئے بڑھاپے میں جن امراض کا خطرہ ہوسکتا ہے حفظ ماتقدم کے طور پر ان سے حفاظت کا خیال رکھنا چاہئے زیادہ غلو تو صحیح نہیں اعتدال کے ساتھ کچھ توجہ رکھنا چاہئے۔ چنانچہ آنکھوں کے ڈاکٹر سے آنکھوں کا معاینہ کروایا تو اس نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہیں، پھر خیال ہوا کہ یہاں کراچی میں ایک حکیم صاحب بہت مشہور ہیں ان سے دل کے بارہ میں مشورہ کرلیا جائے۔ حکیم صاحب کے پاس تشریف لے گئے۔ حکیم صاحب کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی کہ میں آپ کے پاس آگیا۔ میرا خیال تھا کہ میں آپ سے دل کے بارہ میں معلومات کروں کہ میرے دل کی کیا کیفیت ہے مگر یہاں پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی آپ تو خود ہی مریض قلب ہیں، میرا دل کیا دیکھیں گے۔ حکیم صاحب کہنے لگے کہ نہیں نہیں میں تو بالکل ٹھیک ہوں فرمایا نہیں آپ دل کے مریض ہیں، حکیم صاحب بہت حیران کہ یہ عجیب مریض آیا ہے۔ دو تین مرتبہ تکرار کے بعد حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی وضاحت فرمادی، فرمایا کہ پہلی بات تو یہ کہ آپ کا دین یہ کہہ رہا ہے کہ ڈاڑھی رکھنا ضروری ہے۔ جس پر ایمان ہے، جس کے ساتھ عشق و محبت کے دعوے کرتے ہیں اس کی صورت سے نفرت کیسے ہوسکتی ہے، معلوم ہوا کہ آپ کا دل مریض ہے۔

دوسری بات یہ کہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد بنایا ہے مرد ہی رہو عورت بننے کا شوق کیوں ہورہا ہے۔

تیسری بات یہ کہ طبیعت کا تقاضا بھی یہی ہے، مردوں کی طبیعت مردانہ ہونی چاہئے اور عورتوں کی طبیعت عورتوں جیسی۔ غرضیکہ آپ کے دین، آپ کی عقل اور

آپ کی طبیعت سب کا تقاضا یہ ہے کہ ڈاڑھی ہونی چاہئے مگر لوگوں سے ڈر کر آپ ڈاڑھی منڈاتے ہیں، آپ کو ضعف قلب کا مرض ہے، آپ دل کے مریض ہیں، اچھا میں جا رہا ہوں۔ یہ فرما کر وہاں سے اٹھ کر آ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے عشق و محبت کی بدولت قوت قلب آخر دم تک ایسی عطاء فرمائی تھی کہ آخری وقت میں فرما رہے تھے کہ میرے ہاتھ پاؤں سے جان نکل چکی ہے لیکن الحمد للہ! میرے قلب پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں، دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے اور بہت جوش سے یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

اے مرے محبوب میرے دلربا
مجھ کو آغوش محبت میں بٹھا

دیکھئے جس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزرتی ہے اس کا قلب کتنا مطمئن ہوتا ہے۔ میں جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ تسلی کے کلمات، اللہ کی محبت کے کلمات کہو، میں حیران تھا دو وجوہ کی بناء پر ایک تو یہ کہ طبعی صدمہ تو ہوتا ہے یقین ہو گیا کہ دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جن کا اتنا بلند مقام ہے ان کے سامنے میں کیا بولوں۔ ویسے بھی ہم ان کے سامنے بولا نہیں کرتے تھے اور پھر ایسی حالت میں میں کیا بولوں، میں ایک دو لمحے خاموش رہا تو خود ہی شروع ہو گئے کہ جاتے جاتے میں ہی ان کو تسلی دوں، بہت جوش کے ساتھ یہ شعر پڑھا ؎

اے مرے محبوب میرے دلربا
مجھ کو آغوش محبت میں بٹھا

ایک اور شعر بھی یاد کر لیجئے ؎

مزے کا وقت ہے اے موت اس دم آ تو بہتر ہے
کہ دل میں میرے دلبر اور نظر میں میری منظر ہے

روزانہ ایک بار وقت متعیّن کر کے (وقت متعیّن کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ ناغہ نہیں ہوتا) اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور یہ تصور کریں کہ جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف فرما ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہے، یہ سوچ کر یوں کہئے ؂

مزے کا وقت ہے اے موت اس دم آتو بہتر ہے
کہ دل میں میرے دلبر اور نظر میں میری منظر ہے

یہ معمول بنانے کا یہ فائدہ ہو گا کہ بوقت موت اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رہے گی۔ توجہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ واقعۃً توجہ ہو یعنی گناہوں سے توبہ کر کے اپنے اعمال کی اصلاح کرے، دل میں شوق وطن پیدا ہو، جب دل کی یہ کیفیت ہو گئی تو سبحان اللہ! کیسا مزا ہو گا جب تصور میں وہ محبوب حقیقی بس گیا تو اس سے بڑا مزا اور کیا ہو گا؟ ع

کہ دل میں میرے دلبر اور نظر میں میری منظر ہے

اس مصراع میں ایک بڑی عجیب بات ہے، دلبر تو اسے کہتے ہیں جو دل کو نکال کر لے جائے لیکن اس میں یہ ہے کہ دلبر دل کو نکال کر لے جانے کی بجائے میرے دل میں بس گیا ؂

دنیا سے جب ہو رخصت یا رب غلام تیرا
دل میں ہو دھیان تیرا لب پر ہو نام تیرا

یہ چیز صرف تمنّاؤں اور دعاؤں سے پیدا نہیں ہوتی۔ خوب سمجھ لیں ہر چیز کی بنیاد ہمت ہے جب تک ہمت نہیں کریں گے کسی کی دعاء آپ کے حق میں کبھی بھی قبول نہیں ہو سکتی۔ دنیا کے کاموں میں آج کا مسلمان بڑا ہوشیار ہے کبھی یہ نہیں کہتا کہ کھانا کھانے کی ہمت نہیں ہوتی دعاء کر دیں کہ کھانا کھائے بغیر میرا پیٹ بھر جائے۔ یا کوئی احمق یوں کہے کہ شادی نہیں کروں گا اولاد ہو جائے یہ تو کبھی نہیں کہتے۔ جو شخص شادی

نہیں کرتا وہ دنیا بھر کے اولیاء اللہ سے دعائیں کرواتا رہے، اسے یہی کہا جائے گا کہ ارے نالائق! پہلے شادی تو کرو پھر دعاء کروانا۔

خوب سمجھ لیں کہ جب تک دل بنانے کی فکر نہیں کریں گے، اسے غیر اللہ کی محبت سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت سے منور کرنے کی ہمت اور کوشش نہیں کریں گے اس وقت تک کوئی نسخہ کارگر نہیں ہوگا ۔

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو دل پر سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے، توبہ کر لیتا ہے تو صاف ہو جاتا ہے ورنہ بڑھتا جاتا ہے، بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پورے دل کا احاطہ کر لیتا ہے اور دل پر مہر لگ جاتی ہے توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ وقت آنے سے پہلے ہر مسلمان کو توبہ کی توفیق عطاء فرمائیں۔ دل کا اللہ کی محبت سے خالی ہونا یہ ایسا مہلک مرض ہے ایسا مہلک کہ اس کی وجہ سے انسان دنیا میں بھی جہنّم میں جلتا ہے، موت کے وقت بھی جہنّم میں، قبر میں بھی جہنّم میں، حشر میں بھی جہنّم میں اور پھر اس سے آگے تو ہے ہی جہنّم۔ کتنا خطرناک مرض ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کی حفاظت فرمائیں۔

نافرمان کے لئے اللہ کا اعلان:

جو شخص گناہوں کی زندگی نہیں چھوڑتا اس کے لئے دنیا جہنّم بن جاتی ہے اسے سکون نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ اس پر پریشانی مسلّط فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مسلّط کی ہوئی چیز سے کوئی کیسے نکل سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کافر کے بارہ میں بددعاء کی کہ یا اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلّط فرما دے۔ اس کافر کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی بددعاء قبول ہوگئی۔ کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا یقین تھا اس کے باوجود مانتے نہیں تھے۔ اس کافر کو یہ یقین ہو گیا کہ ایسا کوئی حادثہ ہو کر رہے گا، آپ کی زبان سے جو بات نکلی ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتی۔ وہ جہاں کہیں جاتا اپنی بہت حفاظت کرتا تھا۔ ایک بار قافلے کے ساتھ کہیں تجارت کے سلسلہ میں نکلا تو اپنی حفاظت کے لئے یہ طریقہ اختیار کرتا کہ سامان تجارت کا ڈھیر لگا کر اسکے اوپر سوتا تھا اور چاروں طرف دوسرے لوگ ہوتے تھے کہ کہیں رات میں کوئی کتا، شیر یا بھیڑیا وغیرہ نہ آجائے۔ ایک سفر میں وہ اس طریقے سے سویا ہوا تھا، ایک شیر رات کو آیا، چاروں طرف قافلے کے لوگ سو رہے تھے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا سیدھا اس شخص کے پاس گیا اسے چیرا اور واپس لوٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء سے بچنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اس کافر کو تو یہ یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی بات پوری ہو کر رہے گی لیکن افسوس آج کے مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں اور وعیدوں کا اعتبار نہیں۔

اللہ تعالیٰ براہ راست اعلان فرما رہے ہیں ایک بار نہیں بار بار اعلان فرمایا کہ جو شخص نافرمانی کرتا ہے میں نے اس پر پریشانی کو مسلط کر دیا ہے تو پھر وہ اللہ کی گرفت سے کیسے بچ سکتا ہے؟ لیکن اللہ کو اپنے بندوں سے بہت محبت ہے وہ انہیں دنیا و آخرت دونوں کی جہنّم سے بچانا چاہتے ہیں کہ کسی طرح میرے بندے جہنّم سے بچ جائیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے دل بنانے اور گناہوں سے بچنے کی ہمت پیدا کرنے کے کئی نسخے عطاء فرمائے ہیں، رمضان بھی انہی نسخوں میں سے ایک نسخہ ہے۔

گناہ چھڑوانے کا مؤثر نسخہ:

اب یہ سمجھئے کہ گناہ چھڑوانے کے اس نسخہ کو مؤثر کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ کہنے کو تو یہ

ایک نسخہ ہے "رمضان میں روزہ رکھنا" مگر در حقیقت اس نسخہ کے دس اجزاء ہیں اور ہر جزء اپنی جگہ مستقل نسخہ ہے۔

❶ مراقبہ:

روزہ تو رکھ لیا مگر روزہ میں جو مراقبہ ہے وہ نہیں کیا تو گناہ نہیں چھوٹیں گے۔ مراقبہ یہ ہے کہ لذت کی وہ تمام چیزیں جو غیر رمضان میں حلال ہیں، وہ رمضان میں حرام کر دی گئیں تو حرام ہو گئیں بلکہ رمضان میں بھی رات میں حلال ہیں صرف دن میں حرام ہو گئیں تو سوچئے! جو چیزیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہیں وہ انسان کیسے کر سکتا ہے؟

❷ صبر کی مشق:

روزہ میں صبر کی مشق کروائی جاتی ہے کہ اگر کھانے پینے اور بیوی کے پاس جانے کے لئے دل للچائے تو صبر کرو۔ دل للچانے پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔ دیکھئے کتنا بڑا کرم ہے، کیسی رحمت ہے۔ یہ نفس کو لگام دینے کے لئے، اسے قابو میں لانے کے لئے صبر کی مشق کروائی جا رہی ہے۔ جب صبر کی مشق ہو گی تو کسی بھی گناہ کے تقاضے کے وقت یہ مشق کام دے گی۔

اعتکاف کی صورت میں صبر کی مزید مشق ہوتی ہے دنیا بھر سے تعلّقات منقطع کر کے بس ایک مالک کے دروازے پر دھرنا مار کر بیٹھا ہوا ہے ؎

پھیر لوں رخ پھیر لوں ہر ماسوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس روئے جانانہ رہے

❸ نماز:

رمضان میں عام دنوں کی بنسبت نماز کی مقدار زیادہ رکھی گئی ہے نماز سے بھی گناہ

چھوٹتے ہیں۔ اس کا بیان تفصیل سے ہو چکا ہے۔

۴ تلاوت:

رمضان میں کثرت سے تلاوت کی جاتی ہے۔ نمازوں میں تلاوت، تراویح میں تلاوت اس کے علاوہ ہر عامی سے عامی مسلمان بھی ماہ مبارک میں تلاوت کا خاص اہتمام کرتا ہے اور تلاوت سے اللہ کی محبت میں ترقی ہوتی ہے اس کی تفصیل بھی پہلے بیان کر چکا ہوں۔

۵ نقل محبت:

روزہ میں مسلمان محبت کی نقل اتارتا ہے، عشق کا مظاہرہ کرتا ہے۔ نقل کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتے ہیں اس میں اثر ڈال دیتے ہیں۔ لیکن یاد رکھئے! نقل اتارنے کے لئے بھی صرف زبانی دعویٰ کافی نہیں ہوتا، محبوب کی صورت اختیار کرنا پڑتی ہے، اس کا کہنا ماننا پڑتا ہے۔ کچھ کئے بغیر صرف دعویٰ تو فریب ہی ہے۔ محبت کی کچھ نقل آپ اتارلیں اسے اصل وہ بنادیں گے۔ نقل اتارنے سے سچی محبت دل میں اتر جائے گی اور محبوب کی نافرمانی چھوٹنا شروع ہو جائے گی۔ کوشش بھی کریں اور ساتھ ساتھ یہ دعاء بھی کرتے رہئے ؎

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کر دے میں صورت لے کے آیا ہوں

یا اللہ! تیرے محبوب کی صورت تو اختیار کرلی، اس صورت کے طفیل ہمیں بھی اپنا محبوب بنالے۔ محبوب کی صورت اختیار کرلینے سے بھی بہت کچھ ہاتھ آتا ہے، انہیں تو دینے کے لئے بہانہ چاہئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جب جادوگر آئے تو انہوں نے اپنی رسیاں اور چھڑیاں پھینکیں جو جادو کے اثر سے سانپوں

کی صورت میں نظر آنے لگیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا تو وہ اژدھا بن گیا اور جادوگروں کی رسیوں اور چھڑیوں کے جو سانپ بن گئے تھے ان سب کو نگل گیا۔ وہ جادوگر ایمان لے آئے، ایمان بھی کتنا پکا ایک ہی لمحہ میں فوراً وہیں کے وہیں کتنا پکا ایمان، فرعون نے کہا کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا، سولی پر چڑھا دوں گا، تمہیں ختم کردوں گا تو وہ جواب میں کہتے ہیں:

﴿فاقض ما انت قاض انما تقضی هذه الحيوة الدنيا﴾

(۲۰-۷۲)

جو چاہے کرلے۔ ایسا بھی تو ہو سکتا تھا کہ جناب ہم سے کیا قصور ہو گیا مذاکرات کرلیجئے، موسیٰ علیہ السلام سے کہتے کہ آپ فرعون سے کچھ بات کریں مذاکرات کریں، سمجھنے سمجھانے کی بات کریں پھر یہ ہے کہ لکم دینکم ولی دین، چلو نہیں مانتے تو تم اپنے دین پر رہو ہمیں ہمارے دین پر چھوڑ دو، فرعون صاحب کیا ہو گیا اگر ہم ایمان لے آئے چلو بخش دو، چھوڑ دو۔ نرمی سے بات کر سکتے تھے، خوشامد کر سکتے تھے سمجھنے سمجھانے کی بات کر سکتے تھے مگر وہ تو فرعون کو اور چڑا رہے ہیں:

﴿فاقض ما انت قاض انما تقضی هذه الحيوة الدنيا﴾

ایک لمحہ میں ایسی ہمت کہ جو چاہے کرلے زیادہ سے زیادہ کیا کرلے گا یہی کہ دنیا کی زندگی ختم کردے گا کردے سبحان اللہ! اور کیا چاہئے وطن پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب میں شوق وطن آخرت اور اپنی محبت اتنی پیدا فرمادی کہ ان کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر جتنی بھی نہ رہی ان پر تو اللہ کی یہ رحمت ہوئی ادھر فرعون نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گود میں پالا جوانی تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس رہے، موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں فرعون نے کتنی مدت گزاری مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا اور جادوگر ایک لمحہ میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ مفسرین رحمہم اللہ

تعالیٰ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لباس میں آئے تھے۔اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ مقابلہ کے وقت دونوں فریق ایک جیسے لباس میں ہوں اس لئے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا لباس پہن کر آئے، اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی شباہت پسند آگئی ان کی رحمت کو محبوب کی نقل اتارنے والوں پر جوش آگیا اور اسی لمحہ ایمان میں ایسے کمال سے نوازا کہ وہ بے دھڑک پکار اٹھے اور فرعون جیسے جابر وظالم بادشاہ کو تحدی (چیلنج) کردی:

﴿فاقض ما انت قاض انما تقضی هذه الحیوة الدنیا﴾

اللہ تعالیٰ نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا، یہ محبت کی نقل کے کرشمے ہیں۔ بعض کتابوں میں ایک قصہ لکھا ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو مع لشکر کے سمندر میں غرق کردیا تو کافروں میں سے ایک شخص بچ گیا جو استہزاء کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل اتارا کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی زبان صاف نہیں تھی تو وہ مذاق اڑاتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! یہ تو میرا سب سے بڑا دشمن ہے، یہ تو مجھ سے استہزاء کے طور پر میری نقل اتارتا تھا اس کو تو سب سے پہلے غرق کرنا تھا اسے کیسے چھوڑ دیا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا موسیٰ! یہ تیری نقل اتارتا تھا جو میرے محبوب کی نقل اتارے اسے میں کیسے غرق کردوں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آگیا آخرت کا معاملہ تو جو ہے سو رہے گا مگر دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اس کو غرق ہونے سے بچالیا حالانکہ وہ محبت سے نقل نہیں اتارتا تھا وہ تو عداوت کی وجہ سے ایسا کرتا تھا تو جو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل محبت سے اتارے اس پر اللہ تعالیٰ کی کیسی رحمت ہوگی۔

رمضان میں مرغوب چیزوں کو چھوڑ دینا، چند گھنٹے ان سے صبر کرلینا، اہل محبت کی نقل ہے، عاشقوں کی سی صورت ہے۔اسی صورت کے طفیل عشق کی چنگاری دل میں پڑتی ہے اور شعلہ بن کر ہر ماسوا کو بھسم کردیتی ہے۔عاشق اپنے معشوق کے سوا ہر چیز کو

بھول جاتا ہے۔

❻ کوشش اور دعاء:

کوشش کے بغیر دنیا کا کوئی ذرا سا کام بھی نہیں ہوتا تو عمر بھر کے گناہ بغیر کوشش کے صرف تمنّا کرنے سے تو نہیں چھوٹ سکتے۔ سو پہلی چیز کوشش ہے اور دوسرے نمبر پر دعاء کا اہتمام:

"یا اللہ! میں گناہ چھوڑنا چاہتا ہوں، تیرا بندہ بننا چاہتا ہوں مگر نفس و شیطان میری راہ میں رکاوٹ ہیں، یہ مجھے جہنّم میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ تو ہی میری دستگیری فرما، مجھے گناہوں سے بچا، نفس و شیطان کی دست برد سے مجھے چھڑا۔"

دعاء کے ساتھ کوشش بھی جاری رکھے گا تو اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچ جائے گی۔ دعاء میں اثر پیدا ہوگا۔ یہ دو کام کر کے دیکھیں گناہ فورًا چھوٹنا شروع ہو جائیں گے۔ ہاں! ایک دو دن یہ کام کر کے بیٹھ نہ جائیں بلکہ مہینہ بھر نفس سے کشتی جاری رکھنا ہے۔ دعاء کی پابندی ترک نہ کریں۔

❼ جسمانی ضعف:

روزہ رکھنے سے روزہ دار کو ضعف محسوس ہوتا ہے، طبیعت میں اضمحلال آجاتا ہے۔ یہ ضعف و اضمحلال بھی گناہ چھڑوانے کا ایک مستقل نسخہ ہے۔ کمزوری پیدا ہونے سے نفس کی شوخی ختم ہو جاتی ہے، نافرمانی کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔

❽ شیاطین کا مقید ہو جانا:

انسان کو شرارت اور سرکشی پر آمادہ کرنے والی دو چیزیں ہیں، ایک نفس اور دوسرا

شیطان۔ شیطان کے بارہ میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی یوں دستگیری فرمائی کہ رمضان میں اسے قید کر دیا۔ اس پر کسی کو اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر شیاطین قید میں ہیں تو رمضان میں لوگ گناہ کیوں کرتے رہتے ہیں؟ اس دوران تو سب کو پکے سچے مسلمان بن جانا چاہیے۔ اس کے کئی جواب ہیں:

❶ بڑے شیاطین مقید ہوتے ہیں، ان کے کارندے کام کرتے رہتے ہیں۔

❷ گناہ کروانے کے لئے صرف شیطان ہی نہیں انسان کا اپنا نفس بھی تو ہے۔ بتائیے شیطان کو کس نے گمراہ کیا تھا؟ اگر شیطان کے لئے دوسرا شیطان ضروری ہے جس نے اسے گمراہ کیا تو اس دوسرے شیطان کے لئے بھی ایک تیسرے شیطان کا وجود ضروری ہے۔ اس طرح تسلسل لازم آئے گا جو رکنے کا نام نہ لے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے شیطان کو اس کے نفس نے گمراہ کیا۔ اصل شیطان تو نفس ہے جس نے ابلیس کو بھی گمراہ کیا۔ شیاطین اس مہینے میں مقید ہو جاتے ہیں مگر سب سے بڑا شیطان یعنی نفس تو انسان کے اندر موجود رہتا ہے، وہ اپنا عمل جاری رکھتا ہے۔

❸ گیارہ ماہ تک شیطان کا انسان پر تسلط رہا وہ اپنا زہر مسلسل چھوڑتا رہا، گیارہ ماہ تک ڈستا رہا۔ اب ایک ماہ میں گیارہ ماہ کا زہر کیسے ختم ہو گا؟ وہ تو ختم ہوتے ہوتے ہی ختم ہو گا۔ سو بارہویں مہینے میں گو شیطان قید ہو جاتا ہے مگر اس کا چھوڑا ہوا زہر اپنا اثر دکھاتا رہتا ہے۔

❹ شیطان اور اس کے حواری جنات رمضان میں مقید ہو جاتے ہیں مگر انھوں نے انسانوں میں سے کئی شیطان تیار کر لئے ہوتے ہیں۔ یہ انسانی شکل کے شیطان اپنا کام جاری رکھتے ہیں اور اصل شیطانوں سے بھی بڑھ کر کام کر جاتے ہیں۔ پورے گھر میں بے چارہ ایک فرد مسلمان بننا چاہتا ہے، گناہوں سے اپنا دامن بچانا چاہتا ہے مگر شیطانوں میں گھرا ہوا ہے۔ بیوی، والدین، بھائی، بہن اور مختلف ''زاد'' بہکانے پر تلے ہوئے ہیں۔ چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد، ''زادیوں'' کو بہکانے میں شیطان سے

بھی بڑا کردار اداء کرتے ہیں۔ پھر اس بے چارے نیک بننے والے کی بھی حاجات سب سے وابستہ ہیں، کسی کے رشتہ کا پاس ہے، کسی سے طمع ہے، کسی سے خوف ہے، کسی سے محبت ہے۔ اسے بہکانے اور راہ راست سے ہٹانے کے لئے سب مصروف ہیں، سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں کہ کہیں یہ ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ بڑا شیطان تو قید ہے مگر اپنے گھر میں شیاطین کا یہ پورا جتھا تو کھلا ہوا ہے اور پوری آزادی سے مصروف عمل ہے۔ ان شیاطین سے تو مفر نہیں ان سے مقابلہ کئے بغیر پوری ہمت دکھائے بغیر انسان کا چھوٹ نکلنا ممکن نہیں۔

۹ موت کی یاد:

اس بات کو سوچیں کہ جس طرح آپ کے بہت سے اعزہ و احباب جو گزشتہ رمضان میں آپ کے ساتھ تھے اس رمضان میں موجود نہیں۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کا بھی یہ آخری رمضان ہو۔ جب موت کو یاد کریں گے تو غفلت جاتی رہے گی، دنیا سے دل ٹوٹے گا آخرت سے جڑے گا اور گناہ چھوٹنے لگیں گے کیونکہ عام طور پر انسان اپنے نفس کی لذت کے لئے گناہ کرتا ہے۔ جب یہ بات سامنے رہے گی کہ گناہ کے جتنے اسباب ہیں موت آکر سب کی جڑ کاٹ دے گی ہر چیز دھری کی دھری رہ جائے گی تو انسان گناہ سے باز رہے گا (موت کو یاد کرنے سے گناہ چھوٹنے کی مزید تفصیل حضرت اقدس کے وعظ "مراقبۂ موت" میں پڑھیں۔ جامع)

۱۰ عقلی تربیت:

رمضان میں اللہ تعالیٰ بندے کی عقلی تربیت فرماتے ہیں۔ دن بھر کھانا پینا، بیوی سے ہم بستر ہونا سب حرام مگر رات ہوتے ہی یہ سب جائز، سوچئے! ایسا کیوں ہے؟ غروب سے ایک لمحہ پہلے جو کام حرام تھے وہ غروب ہوتے ہی جائز بلکہ ثواب بن گئے۔

یہ بات عقل و دانش کے سراسر خلاف معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح رمضان میں روزہ رکھنا فرض تھا لیکن جب رمضان ختم ہو گیا تو دوسرے دن یعنی عید کو کھانا پینا فرض ہو گیا اس دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ کل جو بات موجب اجر و ثواب تھی آج وہی موجب عذاب بن گئی، آخر یہ کیا ماجرا ہے؟

یہ سب عقلی تربیت ہو رہی ہے۔ بات سمجھ میں آئے نہ آئے، عقل تسلیم کرے نہ کرے مگر ہمارا حکم آنکھیں بند کر کے ماننا پڑے گا، چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ مالک کے حکم میں حکمتیں تلاش کرنا بندے کا کام نہیں اس کا کام تو یہ ہے کہ حکم سنتے ہی کہہ دے کہ میرے رب! تیرے حکم پر دل وجان سے راضی ہوں۔ تیری رضا پر اپنی رضا کو قربان کرتا ہوں، تیری مصلحت پر اپنی مصلحت کو قربان کرتا ہوں، میں تیرا بندہ ہوں، تیرے حکم سے سرتابی کی کیا مجال؟

روزے رکھنے سے ماہ مبارک کی برکت سے اگر اصلاح عقل کی یہ دولت مل جائے تو بڑے سے بڑے گناہ بھی چھوٹ جائیں۔ جب انسان کی عقلی تربیت نہیں ہوتی، اپنی عقل نارسا کو غلط طور پر استعمال کرتا ہے تو ہر گناہ کا راستہ کھل جاتا ہے، بلکہ بعض اوقات کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یہ عقل کا بندہ سوچتا ہے کہ مجھ جیسی عقل، مجھ جیسا فہم کسی کو نصیب نہیں۔ کسی کے سامنے جھکنا اپنی ہتک سمجھتا ہے۔ اس سے کبر و عجب کا دروازہ کھلتا ہے اور یہی جڑ ہے تمام روحانی امراض کی۔ عجب اور کبر میں فرق ہے، عجب کا مطلب ہے بس خود کو بڑا سمجھنا اور اس پندار میں رہنا کہ میں سب کچھ ہوں۔ بس اپنے آپ پر ہی نظر رہے۔ اور کبر کے معنی ہیں خود کو بڑا سمجھنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھنا، اپنے آپ کو عقل کل اور دوسرں کو بے وقوف اور نکھٹو تصور کرنا۔ جب دماغ میں یہ خناس آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے احکام میں بھی حکمتیں تلاش کرنا شروع کر دیتا ہے اور جس حکم میں حکمت و مصلحت اس کی محدود اور کوتاہ عقل میں نہیں آتی اس حکم کا انکار کر دیتا ہے۔ اس طرح متاع ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا

ہے۔

اگر اس ماہ مبارک کو واقعۃً محبت پیدا کرنے اور گناہ چھڑانے کا نسخہ سمجھا جائے اور ان نسخوں کو صحیح طریقہ سے استعمال کیا جائے تو یہ ایک ماہ انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور گناہ چھوٹنے لگے ہیں۔

رمضان میں دو بہت بڑے گناہ:

لوگ رمضان میں گناہ چھوڑنے چھڑوانے کی کوشش کی بجائے اور زیادہ گناہ کرتے ہیں مثلاً روزہ کشائی کی رسم، افطار پارٹی کی رسم، عید کے دن سویاں پکانے کا التزام اور ایک دوسرے کے گھروں میں پہنچانے کی رسم وغیرہ ان رسوم میں کئی خرابیاں ہیں اس لئے ناجائز ہیں، ان سے بھی بڑھ کر رمضان میں دو گناہ تو بہت ہی بڑے کئے جاتے ہیں جن میں عوام وخواص سب ہی مبتلا ہیں:

❶ قاری اور سامع کو اجرت دینا۔
❷ ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرنا۔

اب دونوں ناجائز رسموں کے مفاسد اور خرابیاں سنیئے:

❶ قاری اور سامع کو اجرت دینا:

رمضان میں ختم تراویح کے موقع پر لوگ خدمت کے نام سے نقد رقم یا کپڑے وغیرہ دیتے ہیں لیکن یہ در حقیقت معاوضہ ہی ہے اور اجرت طے کرنے کی بنسبت زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ اس میں دو گناہ ہیں، ایک قرآن سنانے پر اجرت کا گناہ اور دوسرا جہالت اجرت کا گناہ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاری اور سامع بھی للہ کام کرتے ہیں اور ہم بھی للہ ان کی خدمت کرتے ہیں معاوضہ مقصود نہیں، ایسے حیلہ بازوں کی نیت معلوم کرنے کے

لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ امتحان رکھا ہے کہ اگر قاری اور سامع کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ آیندہ بھی اس مسجد میں خدمت کے لئے آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور اہل مسجد کا امتحان یہ ہے کہ اگر یہ قاری اور سامع ان کی مسجد میں نہ آئیں تو بھی یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یا نہیں؟ اب دور حاضر کے لوگوں کو اس کسوٹی پر لائیے، قاری اور سامع کو اگر کسی مسجد سے کچھ نہ ملا تو آیندہ وہ اس مسجد کی طرف رخ بھی نہیں کریں گے اور اہل مسجد کا یہ حال ہے کہ جس قاری یا سامع نے ان کی مسجد میں کام نہیں کیا وہ خواہ کتنا ہی محتاج ہو ان کو اس کی زبوں حالی پر قطعاً کوئی رحم نہیں آتا، اس سے ثابت ہوا کہ جانبین کی نیت معاوضہ کی ہے اور للّٰہیت کے دعوے میں جھوٹے ہیں لہٰذا اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں، اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فرائض میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے ترک جماعت جائز نہیں مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتداء جائز نہیں، اگر صالح حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائیں، اگر محلہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ اداء کر کے تراویح الگ مکان میں پڑھیں۔

بالفرض کسی قاری کا مقصود معاوضہ نہ ہو تو بھی لین دین کے عرف کی وجہ سے اس کی توقع ہوگی اور کچھ نہ ملنے پر افسوس ہوگا، یہ اشراف نفس ہے جو حرام ہے۔ اگر کسی قاری کو اشراف نفس سے بھی پاک تصور کر لیا جائے تو بھی اس لین دین میں عام مروج فعل حرام سے مشابہت اور اس کی تأیید ہوتی ہے علاوہ ازیں دینی غیرت کے بھی خلاف ہے، اس لئے بہرکیف اس سے کلی اجتناب واجب ہے۔

۲ ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرنا:

مٹھائی تقسیم کرنے کی مروج رسم میں کئی قبائح ہیں مثلاً:

۱ اسے مستقل ثواب سمجھا جاتا ہے جو دین پر زیادتی ہونے کی وجہ سے بدعت ہے۔

۲ اس کا ایسا التزام کیا جاتا ہے کہ کسی حال میں بھی اس رسم کو ترک نہیں کیا جاتا، التزام کی وجہ سے تو مستحب کام بھی واجب الترک ہو جاتا ہے چہ جائیکہ جس کا استحباب ہی ثابت نہ ہو۔

۳ وقف کی رقم سے اس پر صرف کرنا ناجائز ہے، اس لئے کہ یہ خرچ مصارف مسجد سے نہیں۔ لہٰذا منتظمہ پر شرعاً اس رقم کا ضمان واجب ہوگا۔

۴ بلا ضرورت شرعیہ چندہ کرنا ناجائز ہے اس میں دین اور قرآن مجید کی تحقیر و تذلیل ہے۔

۵ چندہ میں اگر خطاب خاص کیا گیا یا ایسی مجلس میں خطاب عام کیا گیا کہ جس میں کچھ خاص لوگ شریک ہوں تو ان دونوں صورتوں میں چندہ دہندگان کی رضا اور طیب خاطر متیقن نہیں بلکہ ظن غالب یہ ہے کہ مروت اور غلبۂ حیاء کی وجہ سے رقم دی ہوگی، لہٰذا اس رقم سے خرید کردہ مٹھائی حلال نہ ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسه﴾ (مسند احمد)

۶ عموماً ایسی تقریبات کے چندہ میں بینک اور انشورنس وغیرہ جیسی حرام آمدنی والے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، جس کی دو وجہیں ہیں:

① حرام خوروں کے پاس پیسا زیادہ ہوتا ہے۔

② یہ لوگ مساجد میں اور ختم قرآن جیسے مواقع میں شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے پر رقم لگا کر عوام کو یہ فریب دینا چاہتے ہیں کہ ان کی آمدنی حلال ہے اگر حرام ہوتی تو اہل مساجد کیوں قبول کرتے۔

۷ قبائح مذکورہ نہ بھی ہوں تو بھی اس میں ایک بہت بڑی قباحت یہ ہے کہ اس سے ناجائز رسم اور بدعت شنیعہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے بہر حال ناجائز اور واجب الترک ہے۔

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو سال پہلے ۲۱ شعبان ۱۳۱۹ھ میں وعظ ''تطہیر رمضان'' میں اس پر بہت سخت تردید فرمائی ہے اور فرمایا کہ اس بری رسم کو ختم کرنے کے لئے اگر عوام و خواص پوری کوشش کریں تو بھی پچاس سال سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے وعظ میں تو عوام اور علماء بہت ہوا کرتے تھے، عوام اور علماء کے اتنے بڑے مجمع میں فرمایا کہ اگر سب مل کر کوشش کریں تو بھی اس قبیح رسم کو مٹانے میں آدھی صدی لگے گی مگر یہاں حال یہ ہے کہ پوری صدی گزر جانے کے بعد بھی یہ ناجائز رسم ختم ہونے کی بجائے اور زیادہ ترقی کر گئی ہے اور روز بروز مزید ترقی کر رہی ہے بلکہ اور نئی نئی بدعات پیدا کی جارہی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام و خواص میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑنے چھڑوانے کی طرف توجہ نہیں، فکر ہی نہیں بلکہ اس کبیرہ گناہ کو تو گناہ سمجھنے کی بجائے کار ثواب سمجھ کر اور زیادہ سے زیادہ رواج دے رہے ہیں۔

رمضان کے مبارک مہینے کو اللہ تعالیٰ کی ایسی علانیہ نافرمانیوں، منکرات اور بدعات سے پاک کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنا ہر مسلمان پر بالخصوص علماء پر فرض ہے، اس فرض کے اداء کرنے میں غفلت کرنے والا برابر کا مجرم ٹھہرے گا، آخرت میں جواب دہ ہوگا اور عذاب میں برابر کا شریک۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو صراط مستقیم کی ہدایت عطاء فرمائیں۔

رمضان المبارک کے بارے میں مزید تفصیل وعظ ''رمضان ماہ محبت'' اور وعظ ''بدعات رمضان'' میں پڑھئے۔ (جامع)

⑥ حج:

اسلام کا پانچواں رکن حج ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ محبت کا سب سے بلند اور آخری مقام تو محبوب کے دشمنوں کی گردنیں اڑانا، محبوب کی خاطر جانبازی اور سراندازی ہے مگر اس سے پہلے جتنے درجات عشق ہیں ان میں سے سب سے بلند مقام حج کا ہے لیکن آج کے مسلمان نے اس کی کیا قدر کی:

❶ لوگوں پر حج فرض ہو جاتا ہے مگر کرتے نہیں، ایسے کتنے لوگ ہیں جو بہت مالدار ہونے کے باوجود بغیر حج کئے ہی مر جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشرہ میں ایک قبیح رسم یہ بھی ہے کہ لڑکی کو جہیز اتنا دے دیتے ہیں کہ اس پر زکوٰۃ بھی فرض ہو جاتی ہے اور حج بھی اور پھر اسے حج کرواتے بھی نہیں۔ استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے بہت سخت دھمکی دی ہے کفر کی وعید سنائی ہے اور اپنی نظر رحمت سے گرا دینے کا فیصلہ سنایا ہے:

﴿وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا و من کفر فان اللّٰہ غنی عن العلمین○﴾ (۳-۹۷)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیت یا نصرانیت کی موت سے ڈرایا ہے:

﴿عن علی رضی اللّٰہ تعالی عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من ملک زادا و راحلۃ تبلغہ الی بیت اللّٰہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یھودیا او نصرانیا﴾ (ترمذی)

❷ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ حج کرتے تو ہیں مگر بہت تاخیر سے جبکہ حج فرض ہو جانے کے بعد بلا عذر شرعی تاخیر کرنا بہت سخت گناہ ہے۔ عام طور پر ایک مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ بیٹیوں کی شادی کرنی ہے تو اس صورت میں حج کریں یا نہ کریں، مسلمانوں کی اس حالت پر تعجب اور افسوس ہوتا ہے اس لئے کہ شادی پر تو ایک روپیہ بھی خرچ

نہیں ہوتا صرف زبان خرچ ہوتی ہے، دو گواہوں کے روبرو لڑکا یا لڑکی یہ کہہ دے کہ میں نے تجھ سے نکاح کر لیا دوسرا کہہ دے میں نے قبول کر لیا بس ہو گیا نکاح اور اگر نکاح خواں جانبین کی اجازت سے کہہ دے کہ میں نے فلاں کا نکاح فلاں سے کر دیا تو نکاح منعقد ہو گیا کچھ بھی خرچ نہیں ہوا۔ آج کل شادی کو لوگوں نے اپنے لئے مصیبت بنایا ہوا ہے۔ لڑکی کی شادی کی خاطر حج میں تأخیر کرنا انتہائی درجہ کی جہالت اور بے دینی ہے، انتہائی درجہ کی جہالت اور بے دینی، جس پر حج فرض ہو گیا تو اسی سال حج کرنا ضروری ہے، حج میں تأخیر کرنا بہت سخت گناہ ہے۔ یہ سوچیں کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ سے لکھوا لیا ہے کہ آپ ایک سال تک نہیں مریں گے، کس کی ضمانت ہے کہ آپ ایک سال تک زندہ رہیں گے اور آیندہ سال حج کے لئے چلے جائیں گے، کیا معلوم کب وقت آ جائے۔

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد صاحب نے ایک کارخانے میں آپ کے نام کچھ حصہ کر دیا حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے والد صاحب سے دریافت کیا کہ کسی مصلحت سے میرے نام کیا ہے یا واقعۃً مجھے مالک بنا دیا ہے۔ لوگ مصلحۃً بھی ایسا کر لیتے ہیں ٹیکس وغیرہ سے بچنے کے لئے، والد صاحب نے فرمایا کہ آپ کے نام تو کیا تھا مصلحۃً مالک بنانا مقصود نہیں تھا مگر اب میں نے آپ کو مالک بنا دیا آپ کو وہ حصہ دے دیا۔ حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرض کیا کہ مجھ پر حج فرض ہو گیا میں اسے بیچ کر حج کے لئے جا رہا ہوں۔ والد صاحب نے فرمایا کہ تمہاری بہنوں کی شادی ابھی باقی ہے، اس لئے آیندہ سال چلے جانا تو عرض کیا کہ کیا آپ یہ ذمہ داری لے سکتے ہیں کہ آیندہ سال تک میں مروں گا نہیں اسے بیچا اور حج کے لئے تشریف لے گئے۔

۳ اور جو لوگ حج کرتے ہیں ان میں سے اکثریت ایسی ہے کہ وہ حج کے دوران بھی اللہ کی بغاوتیں نہیں چھوڑتے بلکہ اور زیادہ کھلی بغاوتیں کرتے ہیں نقل اتار رہے ہیں جنون عشق کی اور حالت یہ ہے کہ محبوب کے دربار میں جا کر کھلی نافرمانیاں کرتے ہیں

اور سونے پر سہاگہ یہ کہ ان نافرمانیوں اور ان گناہوں کو گناہ بھی نہیں سمجھتے، ان عاشقوں کا حال تو یہ ہے ۔

ہم فراق یار میں گھل گھل کے ہاتھی ہوگئے
اتنے گھلے اتنے گھلے رستم کے ساتھی ہوگئے

اللہ کے بندو! کچھ تو سوچو بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے وقت بھی ہاتھ میں بغاوت کا علم لے کر اور سراپا باغی بن کر یہ تو وہی قصہ ہو گیا نا ۔

نام پہ تیرے جان فدا ہو
حکم نہ تیرا اک بھی ادا ہو

اگر اللہ کی رضا مقصود ہوتی تو یہ حالات نہ ہوتے۔ یہ حشر کیا ہوا ہے حج جیسی اہم عبادت کا لوگوں نے، اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہدایت عطاء فرمائیں۔

ایک غلط رجحان کی اصلاح:

جو لوگ حج کے لئے جاتے ہیں ان میں سے بعض لوگ اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں اور دعاء بھی کرتے ہیں کہ واپس لوٹ کر نہ آئیں وہیں موت آجائے۔ شاید ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ مکہ اور مدینہ میں دفن ہونے والے سیدھے جنت میں ہی جائیں گے۔ وہاں مرنے اور دفن ہونے کی خواہش کرنا شرعاً و عقلاً صحیح نہیں۔ اگر اس جگہ رہنے یا مرنے کی کوئی فضیلت ہوتی تو ابوجہل بھی تو وہیں رہتا تھا اور وہیں مارا گیا اور بھی کتنے بڑے بڑے کفار و منافقین وہیں رہتے تھے اور وہیں دفن ہوئے۔ اگر اس بات کی کوئی فضیلت ہوتی تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو وہیں رہتے اور وہیں دفن ہوتے جبکہ ایسا نہیں ہوا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جہاد کی خاطر مدینہ منورہ کو بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر دنیا کے کونے کونے میں گئے اور وہیں

شہید بھی ہوئے اور دفن بھی وہیں ہیں، اصل چیز تو یہ ہے کہ مکہ والے سے تعلق مضبوط ہونا چاہئے پھر خواہ کہیں بھی رہیں کہیں بھی مریں۔

جس وقت ہندوستان میں انگریز اپنے قدم جمار ہا تھا تو علماء دیوبند نے کھل کر انگریز کی مخالفت کی۔ اس زمانے میں حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ میں مقیم تھے۔ اس وقت مکہ کا حاکم جسے شریف مکہ کہا جاتا تھا وہ انگریز کا حمایتی اور مجاھدین کا مخالف تھا، حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے کہا کہ شریف مکہ آپ کو یہاں سے نکال دے گا تو انھوں نے فرمایا "تو کیا ہوا یہ فقیر جہاں بھی جا کر بیٹھ جائے وہیں اس کا مکہ ہے"۔

اصل چیز جو کہ باعث فضیلت، باعث رحمت، باعث نجات ہے وہ اللہ کی اطاعت و فرمانبرادری ہے اس کی طرف لوگوں کی توجہ نہیں۔

ایک عالم انگلینڈ میں رہتے تھے وہاں ایک انگریز عورت مسلمان ہوگئی ان عالم سے ہی کلمہ پڑھا پھر ان سے اس خاتون نے بہت کچھ سیکھا پڑھا، علم و عمل میں بہت پختگی حاصل کی کچھ عرصہ بعد اس خاتون کا انتقال ہوگیا۔ مولوی صاحب انگلینڈ سے حج یا عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ آئے وہاں ایک عالم کا انتقال ہوگیا۔ وہاں زمین پتھریلی ہونے کی وجہ سے یہ دستور ہے کہ ایک ہی قبر میں کچھ وقت کے بعد دوسری میت رکھ دیتے ہیں اس طرح ایک ہی قبر میں مناسب وقفہ سے کئی کئی اموات کو یکے بعد دیگرے دفن کرتے رہتے ہیں، پہلی میت کی ہڈیاں وغیرہ ایک طرف کر کے اسی قبر میں دوسری میت رکھ دی جاتی ہے۔ جب اس عالم کے لئے قبر کھودی گئی تو اس میں اسی لڑکی کی میت رکھی ہوئی تھی جس کا انگلینڈ میں انتقال ہوا تھا چونکہ ان مولوی صاحب نے اس لڑکی کے اسلام قبول کرنے سے پہلے اسے دیکھا ہوا تھا اس لئے یہ پہچان گئے کہ یہ تو وہی لڑکی ہے پھر کسی دوسری قبر میں اس عالم کو دفنا دیا گیا۔ جب یہ مولوی صاحب واپس انگلینڈ گئے تو انہیں خیال ہوا کہ یہ لڑکی جو انگلینڈ میں دفن کی گئی اس کی میت مکہ پہنچ گئی تو

دیکھنا چاہئے کہ یہاں اس کی قبر میں کون ہے، جب اس کی قبر میں دیکھا تو وہاں مکہ کے عالم کی میت رکھی ہوئی تھی انہیں بڑا تعجب ہوا کہ آخر یہ کیا قصہ ہے پھر انھوں نے سوچا کہ اس عالم کے بارہ میں معلوم کرنا چاہئے کہ یہ کیسا شخص تھا، لوگوں سے پوچھا تو ہر شخص یہی کہتا کہ بہت اچھے عالم تھے نیک تھے۔ ان مولوی صاحب نے سوچا کہ اس عالم کی بیوی سے پوچھا جائے کیونکہ بیوی کا تعلّق زیادہ قریبی ہوتا ہے انھوں نے اس عالم کی بیوی سے پوچھا تو اس نے بھی یہی جواب دیا کہ بہت اچھے تھے بہت نیک تھے لیکن ایک بات کہا کرتے تھے کہ اگر جنابت میں غسل فرض نہ ہوتا تو بہت آسانی ہوتی عیسائی مذہب میں یہ بہت اچھی بات ہے کہ غسل جنابت فرض نہیں۔

بات کچھ سمجھ میں آرہی ہے وہ لڑکی جو کفرستان میں مری وہیں دفن ہوئی اللہ کی رحمت اور اللہ کے نزدیک اس کی مقبولیت دیکھئے کہ کفرستان سے اس کی میت کو مکہ مکرمہ پہنچادیا اور ایک عالم جو بظاہر نیک تھا لیکن اس نے اسلام میں نقص نکالا اور کفر کے طریقہ کو پسند کیا جس کا وبال یہ پڑا کہ مکہ میں مرنے اور وہیں دفن ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کی میت کو مکہ سے کفرستان پہنچادیا۔ لمحہ فکریہ اور باعث عبرت ہے یہ بات ان لوگوں کے لئے جو مسلمان کہلاتے ہیں لیکن غیر مسلموں کے طریقوں کو علی الاعلان اچھا کہتے ہیں ان کے ملکوں میں جانے کے لئے مرے جاتے ہیں ایسا لگتا ہے کہ کفرستان میں جانا ان کی معراج ہے۔ اپنی اولاد کی پرورش کفار کے طریقوں پر کررہے ہیں ان کے حلیہ کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مسلمان ہیں، آج کا مسلمان کفار کے ساتھ مشابہت کو فخر سمجھتا ہے، مسلمان بننا اور مسلمان کی سی شکل وصورت بنانا ان کے نزدیک دقیانوسیت ہے۔ اگر عبرت حاصل کرنے والا دل ہو تو اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشاد کافی ہیں فرمایا:

﴿من تشبہ بقوم فھو منھم﴾ (ابوداؤد)

”جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ انہی میں شمار ہوگا۔“

اور فرمایا:

﴿من کثر سواد قوم فھو منھم﴾ (مسند ابی یعلی)

”جس نے کسی قوم کی جمعیت کو بڑھایا وہ انہی میں سے ہے۔“

حج میں اول سے آخر تک عشق کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ محبت جب بڑھ جاتی ہے تو محبوب کے گھر کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے۔ محبوب کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز کے ساتھ محبت ہو جاتی ہے ؎

پائے سگ بوسید مجنون گفت خلقے این چہ سود
گفت گا ہے این سگے در کوئے لیلیٰ رفتہ بود

ایک بار مجنوں کسی کتے کے پاؤں چومنے لگا۔ لوگوں نے کہا ارے! یہ کیا کر رہے ہو تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ یہ کتا ایک بار لیلیٰ کی گلی سے جا رہا تھا اس لئے میں نے اس کے پاؤں چومے ہیں۔ یہ ہیں محبت کے کرشمے۔ مجنون کی اور سنئے ؎

امر علی الدیار دیار لیلی
اقبل ذاالجدار وذاالجدارا
وما ھذی الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

جب میں لیلیٰ کے گھروں پر جاتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو میں جو لیلیٰ کے گھروں کی دیواروں کو چوم رہا ہوں تو یہ گھروں کی محبت کا کرشمہ نہیں بلکہ ان گھروں کی نسبت جس کی طرف ہے یہ اس کا کرشمہ ہے۔ اسی طرح حجر اسود کو چومنے کے تقاضے، بیت اللہ کے چکر کاٹنے کے تقاضے، حطیم میں نماز پڑھنے اور مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کے جو تقاضے ہوتے ہیں، یہ خود مقصود نہیں بلکہ ان کی نسبت جس کی طرف ہے وہ مقصود ہے، یعنی اللہ کی رضا۔ امرؤ القیس کہتا ہے ؎

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل
بسقط اللوی بین الدخول فحومل

محبوب کے گھر کے کھنڈرات پر گزر ہوا کسی زمانے میں محبوب وہاں رہا کرتا تھا اب وہ گھر تو گر گیا اس کے کچھ نشان باقی ہیں، جب وہاں پہنچے تو کہنے لگے کہ ذرا یہاں رک کر محبوب کو یاد کر کے رولیں۔ حضرت بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

أمن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعا جری من مقلة بدم
أم ھبت الریح من تلقاء کاظمة
او اومض البرق فی الظلماء من اضم

فرمایا: میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں اتنا روتا ہوں کہ آنکھوں سے آنسوؤں کے ساتھ خون آرہا ہے کبھی مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوا چل گئی، اور کبھی اس طرف بجلی چمکتی نظر آگئی تو اس نے مجھے رلادیا ؎

فصل گل میں سب تو خنداں ہیں مگر گریاں ہوں میں
جب چمک جاتی ہے بجلی یاد آجاتا ہے دل

محبت یہ کام کروایا کرتی ہے۔

عمرۃ متقبلۃ:

ایک بار میں ریاض کے مطار پر امیگریشن کی قطار میں کھڑا ہوا تھا ایک افسر خود ہی میرے پاس چلے آئے اور بڑے جوش سے کہنے لگے:

﴿عمرة متقبلة﴾

"اللہ تعالیٰ آپ کا عمرہ قبول فرمائیں۔"

بس ان کا اتنا کہنا تھا کہ میری محبت کوشہ آگئی ؎

نظر نظر سے جو ٹکرا گئی تو کیا ہوگا
مری محبت کو شہ آگئی تو کیا ہوگا

ارے! ذرا سا کوئی چھیڑ دے ذرا سا تو پھر دیکھئے ؎

کبھی میں تجھ کو چھیڑوں اور کبھی تو مجھ کو چھیڑ اے دل
کبھی میں ساز بن جاؤں کبھی تو ساز بن جائے

میں نے عربی کے دو تین اشعار پڑھ دیئے تو وہ کہتے ہیں:

﴿زد﴾ —— ”اور سنائیے۔“

میں نے کہا کہ ٹھیک ہے سنتے جائیے، جب میں نے یہ اشعار پڑھے ؎

علی بربع العامریة وقفة
یملی علی الشوق والدمع کاتب
ومن دیدنی حب الدیار لاھلھا
وللناس فیما یعشقون مذاھب

محبوب کے مکان پر جا کر چکر کاٹنا میری عادت بن چکی ہے اور جب وہاں جاتا ہوں تو محبوب کی نشانیوں کو دیکھ کر شوق کچھ لکھواتا ہے اور میرے آنسو لکھتے ہیں تو وہ افسر بڑے تعجب سے کہتے ہیں:

﴿الدمع یکتب﴾ —— ”کیا آنسو بھی لکھا کرتے ہیں۔“

میں نے کہا:

﴿ایو دموعی تکتب﴾

”ہاں میرے آنسو لکھتے ہیں۔“

حج اللہ کی محبت کا مظہر ہے اور یہ مظہر اتم ہے۔ اس کی ابتداء تا انتہاء ایک کامل عشق کا نقشہ ہے۔

احرام:

احرام باندھ کر زینت کا لباس ترک کر دیا ۔

لنگکے زیرو لنگکے بالا
نے غم دزدو نے غم کالا

ایک لنگی نیچے باندھ لی اور دوسری ویسی ہی چادر اوپر کندھوں پر ڈال لی۔ مزین لباس چھوڑ دیا۔ پاگلوں جیسا لباس پہن لیا۔ یہ ثبوت پیش کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں عقل کھو بیٹھے، عشق نے پاگل کر دیا۔ بالکل ابتداء ہی سے جنون محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔

احرام کی حقیقت:

یہ مسئلہ بھی یاد رکھئے! کہ لباس تبدیل کرنے کا نام احرام نہیں۔ اگر لباس تبدیل کر لیا اور تلبیہ نہیں پڑھا تو احرام شروع نہیں ہوا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ کہنے کے بعد احرام شروع ہوتا ہے۔

تلبیہ:

تلبیہ یہ ہے:

﴿لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک﴾

لبیک کے معنی ہیں ”میں دوبار حاضر ہوں“ ایک تلبیہ میں چار بار لبیک ہے اور ایک

لبیک کے معنی ”دو بار حاضر ہوں“ اس طرح ایک تلبیہ میں آٹھ بار کہے گا ”میں حاضر ہوں“ ارے رٹ لگادی اس نے رٹ لگادی، یہ ہے جنوں عشق ۔

متاع عقل و دانش جمع کی تھی عمر بھر میں جو
وہ میقات حرم پر عشق کی بازی میں ہار آئے

جو عقل و دانش کو جواب نہیں دیتا وہ حج نہیں کرسکتا۔ آج کل کے ترقی یافتہ لوگوں کی نئی روشنی کی ایک نئی تہذیب یہ بھی ہے کہ احرام میں چیخ کر لبیک کہنے سے شرماتے ہیں۔ آہستہ آہستہ دو تین بار کہہ لیا پھر سارے راستے کچھ پتا ہی نہیں۔ گپ شپ کرتے رہیں گے آپس میں باتیں کرتے رہیں گے مگر لبیک نہیں کہیں گے، یہ ”نئی روشنی“ درحقیقت ”نئی ظلمت“ اور ان کی ”نئی تہذیب“ درحقیقت ”نئی تعذیب“ ہے ۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿العج و الثج﴾ (ترمذی)

”چلانا اور خون بہانا۔“

افضل حج یہ ہے کہ لبیک زور زور سے پکارا جائے اور اس کی انتہاء ہے قربانی۔ لبیک لبیک ایسے پکارو جیسے دیوانے ہوگئے، زینت کا لباس چھوڑا، خوشبو لگانا چھوڑدی، پسینے وغیرہ سے ہوسکتا ہے کہ جسم میں بدبو بھی پیدا ہوجائے، ناخن بڑھے ہوئے ہیں، بال بڑھے ہوئے ہیں، کنگھا نہ کرنے کی وجہ سے سر اور ڈاڑھی کے بال پراگندہ ہیں عمامہ بلکہ ٹوپی بھی نہیں، بیوی سے تعلق بھی چھوڑ دیا، ساری لذتیں چھوڑ دیں ۔

تصور خواب، فرش خاک بستر، سنگ در تکیہ
میسر اب کہاں وہ شوکت شاہانہ برسوں سے
بس اب آجا بس اب آجا کرم فرما کرم فرما
صدائیں دے رہا ہے کوئی بے تابانہ برسوں سے
بس اب آجا کرم فرما بدل مجذوب کی صورت
کہ بے سرمہ ہیں آنکھیں بال ہیں بے شانہ برسوں سے

طلب محبوب کی دھن نے سب کچھ فناء کرکے رکھ دیا ؎

شوق کو دھن ہے کہ چل کر اس کو ڈھونڈ
لوگ کہتے ہیں کہ سودا ہوگیا
آپ کی دھن ہے کہ سودا ہوگیا
ہائے کیا جانے مجھے کیا ہوگیا

لطیفہ:

یہاں شعر میں تو سودا ہونے کا مطلب ہے پاگل ہو جانا لیکن میں اس کا ایک لطیفہ بتایا کرتا ہوں کہ سودا سے مراد خرید و فروخت والا سودا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا سودا ہوگیا۔ یا اللہ! تیری دھن ایسی لگی کہ تو نے سودا ہی کرلیا:

﴿ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بأن لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التوربۃ والانجیل والقران ومن اوفی بعھدہ من اللّٰہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیم۝﴾ (۹-۱۱۱)

یا اللہ! تو خود ہی فرما رہا ہے کہ میں نے سودا کرلیا تیری جان اور مال میں نے خرید

لئے۔ارے! اس سے بڑھ کر بشارت اور کیا ہو سکتی ہے۔ وہ اللہ جس کا خریدار ہو اس سے بڑا سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔ لوگوں کی اصطلاح ہے کہ فلاں تو بک گیا یہ بکاؤ مال ہے جس کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جائے وہ دنیا بھر سے کٹ کر اللہ کے ہاتھ بک گیا اب وہ کسی کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہ ہر وقت اپنے محبوب کے دشمنوں کی گردنیں اڑانے کے لئے سربکف اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے جذبہ سے سرشار اور اللہ کی پوری زمین پر صرف اللہ ہی کی حکومت قائم کرنے کے لئے بیتاب رہتا ہے۔ یا اللہ! تو ہم سب کو خرید لے، اپنے ایسے بندے بنا لے۔

آج کے مسلمان کی خباثت:

حج کی حقیقت اور روح تو یہ ہے کہ اللہ کے عشق میں سب لذتوں کو، تمامتر خواہشات نفسانیہ کو قربان کر دیا جائے مگر آج کے مسلمان کی خباثت دیکھئے کہ یہ کیا کہتا ہے۔ ایک شخص نے مجھے فون پر بتایا کہ وہاں پردہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہاں جانے کے بعد نہ مرد مرد رہتا ہے اور نہ عورت عورت رہتی ہے یعنی ان کے خیال میں سارے ہی ہیجڑے بن جاتے ہیں۔ شریعت نے تو یہ حکم دیا ہے کہ حالت احرام میں بیوی سے الگ رہو یہ نہیں فرمایا کہ مخنث بن جاؤ، وہاں تو قوتیں اور زیادہ ابھرتی ہیں۔ انسان جتنا زیادہ نیک بنتا جاتا ہے مرد کی مردمی اور عورت کی نسوانیت بڑھتی ہے۔ مرد کا مرد بننا اور عورت کا عورت بننا یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے یہ اللہ کے باغی کہتے ہیں کہ وہاں پردے کی ضرورت نہیں وہاں نہ مرد مرد رہتے ہیں نہ عورت عورت رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہدایت عطاء فرمائیں۔

یہ جو مرد اور عورتیں حج اور عمرے کے لئے جاتے ہیں انہوں نے وہاں کی حکومت کو عاجز کر رکھا ہے، نگرانوں کو بھی عاجز کر رکھا ہے وہ لوگ مطاف میں جگہ جگہ کھڑے ہوتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو مگر یہ پھر بھی نہیں رکتیں

مردوں پر آآکر گرتی ہیں یوں لگتا ہے کہ جب تک یہ مردوں سے رگڑے نہ کھائیں انہیں مزا ہی نہیں آتا ۔

نگل جا اے زمیں ناپید انہیں اے آسماں کردے
نہ یوں بیٹھیں گی پردے میں یہ بے غیرت یہ سیلانی

ان کے مرد ان سے بھی زیادہ بے غیرت ہیں ان بے غیرتوں کے دل سیاہ اور عقلیں مسخ ہوگئیں ۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

یہ لوگ دیوث ہیں دیوث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیوث کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا (طبرانی کبیر)

مجھے کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ انہیں روکنے کے لئے میں وہاں کی حکومت سے اجازت لے لوں پھر دیکھئے کیسے روکتا ہوں انہیں، ارے جہاں میں پہنچ جاؤں تو پھر رکیں گی کیسے نہیں، دارالافتاء کے تو ایک بچے نے پوری بس کو الٹ ڈالا (ایک مجاہد طالبعلم جس کا حضرت اقدس سے اصلاحی تعلق ہے اس نے بتایا کہ وہ بس میں سفر کررہا تھا، ڈرائیور نے گانا لگادیا طالبعلم نے منع کیا تو ڈرائیور نے آواز مزید تیز کردی، طالبعلم نے پھر روکا تو آواز مزید بڑھادی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ٹیپ ریکارڈر پر ایک زوردار مکہ رسید کیا، ایک ہی مکے سے ٹیپ ریکارڈر کا ستیاناس ہوگیا۔ اس کے بعد ڈرائیور کو دو تین مکے رسید کئے، ڈرائیور مجھ سے بہت طاقتور تھا مگر وہ اتنا مرعوب ہوا کہ مجھ پر ہاتھ نہ اٹھا سکا، گاڑیاں رک گئیں، لوگوں کا ہجوم ہوگیا، ایک عامی شخص نے نعرہ لگایا "طالبان زندہ باد"، پولیس والے نے ڈرائیور کا چالان کاٹا (بسوں میں گانا لگانا خلاف قانون ہے،

پولیس والوں کو اس کی تو ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ گناہوں سے روکیں یا خلاف قانون سے روکیں انہیں تو اپنی جیب گرم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے وہ ایسا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے) بعد میں ایک بوڑھے شخص نے مجھ سے حضرت اقدس کا نام لے کر پوچھا کہ کیا آپ ان کے شاگرد ہیں؟ میں نے کہا ہاں تو اس شخص نے کہا کہ یہ کام ان کا شاگرد ہی کر سکتا ہے)

یہ لوگ جو حج کرنے جاتے ہیں وہاں جا کر بالکل مست ہو جاتے ہیں کسی کی بات مانتے ہی نہیں، چلئے ایک قصہ اور بتا دوں یہ تو بڑی عبرت کا قصہ ہے۔

رئیسۃ القوم:

ایک بار حج کے موقع پر مزدلفہ میں میرے قریب ایک خاندان بیٹھا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ پنجاب سے تعلّق ہے کراچی میں رہتے ہیں انہوں نے بتایا کہ وہ کئی کارخانوں کے مالک ہیں۔ جس کے دل میں جس چیز کی محبت ہوتی ہے وہ جہاں بھی بیٹھتا ہے ذکر لیلیٰ چھیڑ دیتا ہے ؎

جہاں بھی بیٹھتے ہیں ذکر انہی کا چھیڑ دیتے ہیں

کوئی مولیٰ کا ذکر چھیڑے کوئی لیلیٰ کا۔ یہ لوگ میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے مجھ سے کچھ مسائل پوچھنا شروع کر دیئے، میں نے سوچا کہ چلئے شاید اسی طرح انہیں کچھ ہدایت ہو جائے اس لئے میں بھی متوجہ ہو گیا مسائل بتاتا رہا ایسے لگ رہا تھا کہ سب میرے عاشق ہو گئے، لٹو ہی ہو گئے، ساری رات ایسے ہی گذر گئی میں نے سوچا کہ ایک مسئلہ پوچھنے کا ثواب ایک ہزار رکعت نفل پڑھنے سے زیادہ ہے مجھے بتانے کا تو اور بھی زیادہ ثواب مل رہا ہے، یہ تو ہمیں افضل ترین عبادت مل گئی، مزدلفہ میں حکم ہے کہ زیادہ سے زیادہ عبادت کرو، اللہ کا ذکر کرو تو میں نے سوچا افضل ذکر مل گیا ہے، ان لوگوں کو ہدایت ہو جائے گی اور کیا چاہئے۔ ساری رات اسی طرح گذر گئی صبح کو

جب اذان ہوئی تو مجھ سے کہنے لگے کہ نماز پڑھائیں میں نے کہا ابھی وقت نہیں ہوا۔ آپ لوگ بھی یاد رکھیں! مزدلفہ میں معلّم صبح صادق سے پہلے ہی اذانیں دلوا کر لوگوں کو نماز پڑھوا دیتے ہیں۔ کسی کی نماز ہو یا نہ ہو کسی کا حج ہو یا نہ ہو ان کو اپنا کام آسان کرنا ہوتا ہے کہ جلدی جلدی پہنچاؤ۔ ایک بار منیٰ میں ابھی زوال کا وقت ہوا نہیں تھا معلّم پہلے ہی کنکریاں مارنے کے لئے بھگائے چلا جا رہا ہے، میں نے اس سے کہا کہ ابھی تو وقت ہوا نہیں اس سے پہلے ہی آپ لئے جا رہے ہیں تو کہتے ہیں آپ کی رمی نہیں ہوگی ان لوگوں کی ہو جائے گی، چلنے دو، حاجیوں کو بکریاں بنا رکھا ہے وہ پیپسی کولا پلا دیتے ہیں تو اور بھی بکری کا دماغ چکرا جاتا ہے۔ اس پر ایک قصہ سن لیں۔

شف بیبسی:

جدہ میں ایک شخص عید کے موقع پر بکرا خریدنے گیا، وہاں ایک بدوی جو بکریاں بیچ رہا تھا اس نے اپنے پاس پیپسی کولا کی بوتلیں بھی رکھی ہوئی تھیں جو بھی اس کے قریب جاتا تو وہ بدوی کہتا "شف بیبسی شف بیبسی۔" عربی میں پ نہیں ہے پ کی جگہ ب استعمال کرتے ہیں اور شف کے معنی ہیں دیکھو یعنی بیبسی کا کرشمہ دیکھو پھر وہ ایک بکرے کے منہ میں چند گھونٹ پیپسی کے ڈال دیتا بکرا چکرا کر گر جاتا پھر کھڑا ہوتا پھر گر جاتا اور بدوی لوگوں کو یہ تماشا دکھا کر کہتا شف بیبسی، شف بیبسی، شف بیبسی۔ اس طریقہ سے وہ لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ یہ جو رات دن تم بیبسی پیتے رہتے ہو یہ ایسی خراب چیز ہے، لوگوں کو پیپسی کے نقصان سے بچانے کے لئے پیپسی پر اپنے پیسے خرچ کر رہا تھا۔

بات ہو رہی تھی مزدلفہ کی، وہ لوگ کہنے لگے کہ نماز پڑھائیں وقت ہو گیا ہے۔ میں نے بتایا ابھی وقت نہیں ہوا جب وقت ہو جائے گا تو میں بتا دوں گا۔ میرے پاس تو دنیا بھر کے حسابات رہتے ہیں جہاں کا بھی چاہیں فوراً چند منٹ میں بتا سکتا ہوں کہ وقت ہوا ہے یا نہیں۔ جب میں نے کہا کہ ابھی وقت نہیں ہوا تو وہ ذرا بیٹھ گئے پھر کسی

دوسری طرف سے کسی معلّم نے اذان دلوادی تو ان میں سے ایک کہتا ہے:

''او کیوں چانگراں مارن ڈیا؟''

''وہ کیوں چیخیں مار رہا ہے؟''

بندروں کے چیخنے چلانے کی آواز کو ''چانگراں'' کہتے ہیں، ایسے واہیات لوگ کہ اذان کی آواز کو اس سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ پھر کسی مؤذن کی آواز سنی تو پھر ویسے ہی کہنے لگا:

''او کیوں چانگراں مارن ڈیا؟''

اصرار شروع کردیا کہ نماز پڑھائیں، میں نے پھر ایک دوبار کہا کہ آخر مجھے بھی تو نماز پڑھنی ہے جب وقت ہوجائے گا تو پڑھادوں گا اپنی نماز برباد مت کریں انتظار کرلیں۔ بڑی مشکل سے انہوں نے دوتین منٹ صبر کیا تو ایک عورت بولی:

''گنا ای تاں ماف کراون آئے آں اناں وچ اے وی سئی اے وی ماف ہوجاؤ گا، چلو پڑھو نماج تے چلیئے۔''

''گناہ ہی تو معاف کروانے آئے ہیں، سارے گناہ معاف ہوجائیں گے یہ نماز کا گناہ بھی ساتھ ہی معاف ہوجائے گا، نماز پڑھو اور چلو۔''

معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت رئیسۃ القوم تھی اس نے جیسے ہی کہا سب اٹھ گئے، رات بھر کا عشق بہ کر نکل گیا، رئیسۃ القوم بلکہ فقیہۃ القوم فرمار ہی ہیں کہ یہاں گناہ ہی تو معاف کروانے آئے ہیں، اگر یہ ایک نماز نہیں ہوئی تو یہ بھی ساتھ ہی معاف ہوجائے گی چلو پڑھو۔ یہ تو جاتے ہی اس نیت سے ہیں کہ گناہ معاف کروانے آئے ہیں اس لئے یہاں خوب خوب گناہ کرو کیونکہ حج کرنے سے تو سارے گناہ معاف ہو ہی جائیں گے۔ یہ حاجی لوگ وہاں جاکر صرف شیطان کی بات مانتے ہیں اور کسی کی بات نہیں مانتے۔

طواف:

اس کے بعد کولہو کے بیل کی طرح بیت اللہ کے چکر لگاؤ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ نفل پڑھیں، تلاوت کریں، اعتکاف کریں، صدقات وخیرات کریں۔ یہ کیا کہ ایک گھر کے چکروں پہ چکر، چکروں پہ چکر لگائے جارہے ہیں، یہ کون سی عبادت ہوئی، یہ جنون عشق ومحبت کا مظاہرہ ہے، محبوب کے گھر کے دیوانہ وار چکر لگارہے ہیں ؎

دل و جاں کی وہ دولت جو بہت پیاری رہی اب تک
ترے کوچے میں پھر پھر کرو ہیں پر اس کو وار آئے
وہ عالم کیف و مستی کا وہ طوفاں اشک باراں کا
الٰہی عمر میں میری پھر آئے بار بار آئے

مسلمان یہ ظاہر کرتا ہے کہ میرے محبوب! مجھے تیرے ساتھ ایسی محبت ہوگئی کہ تیرے گھر کے درودیوار سے بھی محبت ہے۔ محبت ایسے ایسے کام کرواتی ہے جو عقل و دانش کی رسائی سے بالاتر ہیں ؎

دید مجنون راکی صحرا نورد
در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بودو انگشتان قلم
می نمودی بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست این
می نویسی نامہ بہر کیست این
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود راتسلی می دہم

کسی صحرانورد نے مجنوں کو دیکھا کہ جنگل میں اکیلا بیٹھا ریت پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہا ہے، اس نے پوچھا کہ مجنوں! یہ کیا کر رہے ہو؟ کسے خط لکھ رہے ہو؟ مجنوں نے جواب دیا کہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے لیلیٰ کا نام لکھنے کی مشق کر رہا ہوں۔

رمل:

محبوب کے گھر پر حاضری اور اس کے گھر پر دیوانہ وار چکر لگاتے وقت جنون عشق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ محبوب کے دشمنوں کی گردنیں اڑانے کے جذبات ابھرتے ہیں، وہ محبت ہی کیا جس میں محبوب کے دشمنوں کی گردنیں اڑانے کے ولولے نہ ہوں، یہ محبت نہیں فریب ہے ؎

تو بیک زخمی گریزانی زعشق
تو نمی دانی بجز نامی زعشق

”تو عشق کی ایک چوٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا، تو تو عشق کا صرف نام ہی جانتا ہے۔“

محبوب کی خاطر جان لینے دینے کے جنون سے خالی عشق کے دعوے قابل قبول نہیں۔ رمل میں جنون عشق کے صحیح معیار کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

رمل اس طرح کیا جاتا ہے کہ دایاں کندھا کھول لیں۔ اس کے نیچے سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیں اور پہلوانوں کی طرح اکڑ کر چلیں، فتح مکہ کے موقع پر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مشرکین مکہ کے سامنے اپنی قوت و شوکت کا مظاہرہ کرنے کے لئے پہلوانوں کی طرح اکڑ کر اچھل کر چل رہے تھے، یہ رمل ان کی نقل ہے اور اس جنون عشق و محبت کا مظاہرہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح ہم بھی محبوب کے دشمنوں کی گردنیں اڑانے کی پوری قوت، عزم مصمم اور

محبوب کی خاطر جان لینے دینے کا جنون رکھتے ہیں، آج کے اس باغی مسلمان کو تو پہلوانوں کی طرح چلنا بھی نہیں آتا۔ ایسا لگتا ہے کہ بے چارہ سردی سے مرا جارہا ہے، کبھی آپ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ مقدر فرمادیں تو مجھ سے سیکھ کر جائیے گا۔ میں آپ کو بتاؤں گا کہ پہلوانوں کی طرح کیسے چلا جاتا ہے اور رمل عشق محبوب کے جنون کا کیا سبق دیتا ہے ؎

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
تو کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو وہ دھری رہی

سعی:

طواف کرنے کے بعد سعی کرتے ہیں۔ یہ بھی ساری کی ساری خلاف عقل۔ ادھر سے ادھر بھاگ بھاگ کر چکر لگائیں۔ میں جب سعی میں بھاگنا شروع کرتا ہوں تو دل میں تصور کرتا ہوں کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیوں بھاگ رہی تھیں؟ وہ اس لئے بھاگ رہی تھیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایک طرف لیٹے ہوئے تھے۔ یہ ذرا بلندی پر چڑھ کر دیکھ رہی تھیں کہ شاید کہیں پانی یا آبادی کے آثار نظر آجائیں اس لئے بھاگ کر کبھی ایک پہاڑی پر چڑھتیں کبھی دوسری پر، جہاں نشیب تھا وہاں زیادہ تیزی سے بھاگتیں اس لئے کہ بچہ نظروں سے اوجھل ہوجاتا تھا ذرا سی اوپر چڑھیں اور بچہ نظر آنے لگا تو پھر آہستہ ہوجاتیں۔ میں وہاں سوچتا ہوں کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو یہ راستہ بھاگ کر اس لئے طے کرتی تھیں کہ بچہ نظروں سے غائب ہے اس پر کوئی آفت نہ آجائے اور جہاں بچہ پر نظر پڑتی تو اطمینان ہوجاتا، مقصود حاصل ہوجاتا میں جب وہاں بھاگنا شروع کرتا ہوں تو دعاء کرتا ہوں کہ یا اللہ! میں ایک مقصد کے لئے بھاگ رہا ہوں، وہ مقصد ہے تجھے پالینا تیری رضا کو پالینا اور جیسے ہی بھاگ کر دوسری جانب پہنچتا ہوں تو اطمینان ہوجاتا ہے کہ مجھے میرا مقصد مل گیا، میرا محبوب

مل گیا۔ اللہ تعالیٰ اس نقل کو اصل بنادیں۔

حاجی حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جو نقل اتارتے ہیں یہ بھی خلاف عقل، جنون ہے۔

عرفات اور مزدلفہ کا قیام:

پھر منیٰ سے عرفات کی طرف جائیں اور وہاں تپتی دھوپ میں کھڑے ہوں اس کے بعد مزدلفہ میں رات گزاریں۔ بظاہر تو کوئی عبادت بھی نظر نہیں آتی مگر محبوب کا حکم ہے کچھ سمجھ میں آئے یا نہ آئے حکم کی تعمیل کرتے چلے جاؤ۔

جمرات:

مزدلفہ سے منیٰ واپس آکر پتھروں کو کنکریاں مارو، تین پتھر ہیں جنہیں لوگ شیطان کہتے ہیں انھیں کنکریاں مارو۔ ارے! یہ کیا عبادت ہے؟ حج میں کسی ایک عبادت کا بھی کسی دوسری عبادت کے ساتھ کوئی جوڑ سمجھ میں نہیں آتا۔ ساری حرکتیں پاگلوں والی، وہاں عبادت ہی یہی ہے کہ اللہ کی محبت میں بندہ پاگل ہوگیا۔ یہاں حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام نے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں، ان کی یادگار تازہ رکھنے سے یہ سبق دینا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عاشق ہر ایسے شخص کو مار بھگاتا ہے جو رضائے محبوب میں رکاوٹ بن رہا ہو، اس کے دشمنوں پر جھپٹنے، انہیں جہنّم رسید کرنے اور اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے ہر وقت سربکف رہتا ہے اسے کہتے ہیں جنون عشق، وہ عشق ہی کیا ہوا جو محبوب کے دشمنوں کو للکارنے اور ان پر جھپٹنے کے جذبات کو نہ ابھارے اور محبوب کی خاطر جان لینے دینے کے ولولے نہ پیدا کرے۔

قربانی:

جن لوگوں میں عقل تو ہوتی ہے محبت نہیں ہوتی وہ اس پر بہت اعتراض کرتے ہیں

کہ قربانیوں پر اتنا پیسہ کیوں ضائع کرتے ہیں۔ اس سے بہتر تو یہ تھا کہ کہیں خدمت خلق میں لگا دیتے۔ ارے عقلمندو! تم کیا جانو جنون محبت کو۔ تمہاری عقل میں کچھ جنون محبت مل جائے تو یہ بات تمہاری سمجھ میں آئے گی۔ قربانی بھی جنون محبت ہی ہے۔

ایک نوعمر سچا عاشق:

ایک نوعمر لڑکا حج کے لئے جارہا تھا، نہ سواری نہ کچھ سامان، کچھ نہیں بس ایسے ہی چل پڑے، کسی نے پوچھا صاحب زادے! کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہا کہ حج کے لئے جارہا ہوں انھوں نے کہا کہ بغیر زادراہ کے کیسے جارہے ہو؟ کیسے پہنچو گے؟ زادراہ سے مراد ہے راستے کا خرچ، اس کے بغیر کیسے جاؤ گے؟ اس کے دل میں کچھ اور بات بسی ہوئی تھی وہ سمجھا کہ زاد آخرت مراد ہے جس دل میں جو لگی ہوتی ہے اسے ہر چیز میں وہی نظر آتی ہے، وہ لڑکا جواب میں کہتا ہے ؎

وفدت علی الکریم بغیر زاد
من الحسنات و القلب السلیم
فان الزاد اقبح کل شیء
اذا کان الوفود علی الکریم

اس نے کہا کہ کیا پوچھتے ہو زادراہ میرے پاس کچھ نہیں نہ قلب سلیم ہے اور نہ حسنات ہیں مگر میں کریم کے پاس جارہا ہوں۔ کوئی کسی کریم کے پاس جائے اور خرچ اپنا لے جائے اس پر تو کریم بہت ناراض ہوگا، یہ تو کریم کی شان میں گستاخی ہے، نہ میرے پاس کچھ حسنات ہیں اور نہ ہی میرے دل کی حالت کچھ صحیح ہے۔ اس کریم کے پاس زاد لے جانے کی دو ہی چیزیں ہیں ایک سلامت قلب اور دوسری اعمال صالحہ، میرے پاس تو دونوں میں سے کچھ بھی نہیں، لیکن فکر کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ میں کریم کے پاس جارہا ہوں۔ مقربین کا حال یونہی ہوتا ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود خود کو خالی

سمجھتے ہیں، وہ اس لڑکے کے مزید حالات دیکھنے کے لئے اس کے ساتھ ہولئے۔

جب قربانی کا وقت آیا تو لوگ قربانیاں کرنے لگے ایسے میں یہ لڑکا کہتا ہے کہ یااللہ! تیرے بندے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق قربانیاں کر رہے ہیں میرے پاس سوائے اس جان کے کچھ بھی نہیں اگر قبول ہو تو زہے قسمت! اور وہیں جان دے دی۔ یہ ہے حج کی حقیقت، یہ جان کی بازی ہے جان کی بازی۔ اس قربانی کا مطلب یہی ہے کہ جانور کی قربانی دے کر ہم نے اس کی نقل کر دی کہ تیری محبت میں جان دے دی۔ یہاں ذرا یہ بات سوچئے کہ اللہ کی محبت میں جان دینے کی باتیں کریں اور نافرمانی ایک بھی نہ چھوڑیں، یہ کیسی محبت ہے؟

قربانی کی حقیقت اور روح یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے سامنے اپنی خواہشات کو قربان کر دیا جائے۔ بظاہر تو قربانی جانور کی کی جاتی ہے مگر در حقیقت اس کا مقصد یہ ہے کہ یااللہ! ہم تیرے حکم کے بندے ہیں، تیرے احکام کی تعمیل میں ہم اپنی خواہشات نفسانیہ کو قربان کرتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر اگر تو جان بھی طلب کرے تو ہم اپنی جان بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے ایسے سچے عاشقوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم ولو انھم فعلوا ما یوعظون بہ لکان خیرا لھم واشد تثبیتا۝ واذا لاتینھم من لدنا اجرا عظیما۝ ولھدینھم صراطا مستقیما﴾ (۴-۶۶ تا ۶۸)

اس کے علاوہ قربانی میں محبوب کے دشمنوں کو ذبح کرنے کی مشق بھی کروائی جاتی ہے، اس کی تربیت دی جاتی ہے اور اس کا مظاہرہ کروایا جاتا ہے کہ ہم اپنے محبوب حقیقی کے دشمنوں کی گردنیں اڑانے اور خون بہانے کے جذبات رکھتے ہیں اور اس پر پوری قدرت بھی رکھتے ہیں، اسی مصلحت سے شریعت نے قربانی کے جانور کو خود اپنے ہاتھ

سے ذبح کرنے کو مستحب قرار دیا ہے اور اگر کسی عذر سے خود ذبح نہ کرسکتا ہو تو ذبح کے وقت پاس رہنا مستحب ہے تاکہ اللہ کے دشمنوں کو ذبح کرنے کے لئے حوصلے بلند ہوں۔

جب مسلمان اپنے ہاتھ سے جانور کو ذبح کریں گے اور ذبح ہوتے ہوئے دیکھیں گے، خون کے فواروں کے نظارے کریں گے تو ان میں قوت قلب، شجاعت اور بہادری پیدا ہوگی۔ مسلمان کا کام جہاد کرنا ہے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کے نفاذ کے لئے جو بھی رکاوٹ بنے اس کے ناپاک وجود سے اللہ کی زمین کو پاک کر کے دنیا کو فسق و فجور اور کفر کی ظلمت سے بچانا ہے۔ جو شخص کسی جانور کو ذبح نہ کرسکتا ہو یا خون کا رنگ دیکھ کر ہی بے ہوش ہو جاتا ہو وہ اللہ کے دشمنوں کو کیسے ذبح کرے گا، اللہ تعالیٰ تو فرمارہے ہیں:

﴿فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منهم كل بنان﴾ (۸-۱۲)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بتارہے ہیں کہ میرے اور اپنے دشمنوں کو کیسے ٹھکانے لگاؤ، فرمایا ان کافروں کی گردنوں پر تلواریں لگاؤ ان کی گردنیں اڑاؤ، اگر کہیں ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ دیئے تو اس سے تو ان کا کام تمام نہیں ہوگا انہیں ذبح کرو۔ جب قربانی کا جانور ذبح کیا کریں تو اللہ کے دشمنوں کو ذبح کرنے کا عزم بھی تازہ کرلیا کریں، واہ سبحان اللہ! کیسا مزا آئے گا پھر تو قربانی کی لذت دوبالا ہو جائے گی۔ اللہ کے دشمنوں کی گردنیں اڑاؤ اگر گردن تمہارے قبضہ میں نہ آئے تو:

﴿واضربوا منهم كل بنان﴾

دوسرے نمبر پر جوڑوں پر لگاؤ جوڑوں پر، ایک ایک کر کے جوڑوں پر وار کرتے جاؤ یہاں تک کہ وہ تمہاری دسترس میں آجائے اور پھر اس کی گردن کاٹنا آسان ہو جائے۔
۔ یہ ہے قربانی کی روح کہ خون دیکھ کر اللہ کی راہ میں جان لینے دینے کے جذبات پیدا ہوں

لیکن آج کے مسلمان کے حالات تو کچھ ایسے ہیں کہ مجھے تو یہ خیال ہو رہا ہے کہ کہیں یہ بات سن کر ہی دھوتی کی دھلائی کا قصہ نہ ہو جائے۔

دھوتی کی دھلائی کا قصہ:

بنیے بزدلی میں ضرب المثل ہیں۔ جب انگریزوں نے ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ جما لیا تو متحد ہندوستان کی تمام اقوام کو فوج میں بھرتی کیا مگر بنیوں کو نہیں لیا، اس پر بنیوں نے اپنی قوم کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، انگریز افسر نے کہا کہ تمہاری قوم نہایت بزدل ہے اس لئے ہم کسی بنیے کو فوج میں نہیں لیتے۔ بنیوں کے پردھان نے جواب دیا کہ صاحب! آپ کو غلط اطلاعات ملی ہیں، بہادری میں ہم کسی بھی قوم سے پیچھے نہیں۔ انگریز افسر نے کہا، ہم امتحان لیں گے، کسی بنیے کو لاؤ۔ پردھان اپنی قوم میں سب سے بہادر بنیے کو خوب سمجھا بجھا کر اور یہ کہہ کر لایا کہ دیکھنا ڈرنا مت، پوری قوم کی عزت کا مسئلہ ہے، افسر نے اسے سامنے بٹھا دیا اور ایک فوجی سے کہا کہ اس کی ٹوپی کو نشانہ لگاؤ۔ فوجی نے ٹوپی گولی سے اڑا دی اور وہ بنیا اپنی جگہ ٹھیک بیٹھا رہا، افسر حیران ہوا اور پردھان بڑا خوش کہ ہماری قوم کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ افسر نے کہا کہ اسے ٹوپی کی قیمت دلوا دو بنیا کانپتا ہوا لرزتی زبان سے بولا حضور! دھوتی کی دھلائی بھی دلوا دو۔ ڈر کے مارے کمبخت کا پاخانہ نکل گیا۔

لیکن آج کا مسلمان تو بزدلی میں ان بنیوں سے بھی دو ہاتھ آگے بڑھ گیا کیونکہ دھوتی کی دھلائی مانگنے والا بنیا تو آج ہندوستان کے مسلمانوں پر ظلم کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، مساجد کو شہید کیا جا رہا ہے، مسلمانوں کی عزت کو پامال کیا جا رہا ہے، ایک ہندوستان ہی کیا دنیا بھر کے مسلمانوں کی حالت ابتر ہے، اس کی وجہ صرف اور صرف جہاد سے غفلت اور دوری ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سن لیجئے:

﴿عن ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم: یوشک الامم ان تداعی علیکم من کل افق کما تداعی الا کلۃ الی قصعتھا، فقال قائل: ومن قلۃ نحن یومئذ؟ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللّٰہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم، ولیتفذفن فی قلوبکم الوھن، فقال قائل: یا رسول اللّٰہ وماالوھن؟ قال: حب الدنیا وکراھیۃ الموت۔ وفی روایۃ حبکم للدنیا وکراھیتکم للقتال رواہ احمد وابو داؤد وغیرھما﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عنقریب کافر قومیں ہر طرف سے تم پر متحد ہو کر یوں ٹوٹ پڑیں گی جیسے کھانے والے کھانے کے طشت پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔" ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! کافروں کو یہ جرأت کیا اس وجہ سے ہوگی کہ ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے؟" ارشاد فرمایا: "نہیں تمہاری تعداد تو بہت زیادہ ہوگی لیکن تم اس وقت جھاگ اور خس و خاشاک کی مانند ہوگے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے قلوب سے تمہارا رعب نکال دیں گے اور تمہارے دلوں میں بزدلی ڈال دیں گے" صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! بزدلی کا سبب کیا ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔" ایک روایت میں یوں ہے: "تمہیں دنیا سے محبت اور قتال فی سبیل اللہ سے نفرت ہو جائے گی۔"

یاد رکھئے! جب تک مسلمان جان لینے دینے کے لئے تیار نہیں ہوگا اسے دنیا میں عزت ملے گی نہ ہی آخرت میں ۔

جو دیکھی ہسٹری اس بات پر کامل یقیں آیا
جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

دنیا میں ٹھکانے دو ہی ہیں آزاد منش انسانوں کے
یا تخت جگہ آزادی کی یا تختہ مقام آزادی کا

امت مسلمہ کی کامیابی اور عزت کا واحد حل جہاد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لکن الرسول والذین اٰمنوا معه جاهدوا باموالهم وانفسهم واولئک لهم الخیرات واولئک هم المفلحون ۝ اعد اللّٰه لهم جنت تجری من تحتها الانهٰر خلدین فیها ذلک الفوز العظیم ۝﴾ (۹-۸۸،۸۹)

”ہاں لیکن رسول اور آپ کی ہمراہی میں جو مسلمان ہوئے انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور ان ہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیّا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ کو رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔“

جہاد میں نہ نکلنے والے اللہ کے عذاب کو دعوت دیتے ہیں فرمایا:

﴿الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیر کم ولا تضروه شیئا واللّٰه علی کل شیء قدیر ۝﴾ (۹-۳۹)

”اگر تم جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دیں گے اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کریں گے اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو تو ہر چیز پر قدرت ہے۔“

ترک جہاد کی وجہ سے پوری قوم کو کافروں کے ظلم و ستم برداشت کرنے پڑتے ہیں:

﴿واتقوا فتنة لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصة واعلموا ان اللّٰہ شدید العقاب۝﴾ (۸-۲۵)

”اور ایسے فتنہ (ترک جہاد کے وبال) سے بچو جو اپنی لپیٹ میں صرف ان لوگوں کو نہیں لے گا جنہوں نے وہ گناہ (ترک جہاد) کیا (بلکہ دوسرے معصوم بچے، بوڑھے اور عورتیں بھی اس کی زد میں آئیں گی) اور تم یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دیتے ہیں۔“

یہ تو میں نے چند آیات پڑھ دیں ورنہ پورا قرآن قتال فی سبیل سے بھرا ہوا ہے نکلو نکلو اللہ کے دشمنوں کو قتل کرو اللہ کی راہ میں جان اور مال کی قربانی دو اور میرے اللہ کی رحمت دیکھئے کہ جان بھی انہوں نے ہی دی اور مال بھی ان ہی کا دیا ہوا اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ ہم نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا:

﴿ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بأن لھم الجنة یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التوربة والانجیل والقران ومن اوفی بعھدہ من اللّٰہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذٰلک ھو الفوز العظیم۝﴾ (۹-۱۱۱)

”بلاشبہہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ کی راہ میں مسلح جہاد کرتے ہیں، جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں، اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے تو تم لوگ اپنی بیع پر

جس کا تم نے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔"

کیسے سعادت مند ہیں وہ لوگ جن کی جانیں اور مال اللہ کی راہ میں لگیں لیکن یہ خوب یاد رکھیں! کہ اللہ کی راہ سے مراد وہ بستر اٹھانے والی راہ نہیں بلکہ قتال فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں قتل کرنا اور قتل ہونا ہے۔ میں بوقت بیعت یہ وعدہ بھی لیا کرتا ہوں کہ جب بھی اللہ کی راہ میں جان یا مال قربان کرنے کی ضرورت پڑی تو بخوشی کروں گا۔ اللہ کی راہ میں جان اور مال قربان کرنا بہت بڑی تجارت ہے، بہت بڑی تجارت اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس کی توفیق عطاء فرمائیں۔ اللہ کی راہ میں جان دینے کے لئے وہی تیار ہو سکتا ہے جس نے اپنی خواہشات نفسانیہ کو اللہ کے حکم کے تابع کر دیا ہو مگر افسوس! آج کے مسلمان کی حالت یہ ہے کہ جانور کی قربانی تو بہت ذوق و شوق سے کرتے ہیں مگر نافرمانیاں نہیں چھوڑتے ایسے کتنے ہی لوگ آپ کو نظر آئیں گے جو ہزاروں لاکھوں روپے کی مالیت کے جانور قربان کرتے ہیں مگر نفس کے پھاوڑا چلانے کے تقاضے کو قربان نہیں کر پاتے، اپنے گھروں میں شرعی پردہ نہیں کرواتے اور حرام خوری تو اتنی کرتے ہیں کہ پاخانے کے ٹوکروں کے ٹوکرے کھا جاتے ہیں۔ یہاں ایک مسئلہ بھی سن لیجئے جو لوگ بینک، انشورنس اور دوسرے سودی کاروبار کرتے ہیں ان کی قربانی کا گوشت حرام ہوتا ہے اور اگر کسی جائز آمدن والے نے ان حرام خوروں کے ساتھ مل کر قربانی کی تو خواہ چھ حصہ جائز آمدن والوں کے ہوں اور ایک ہی حصہ حرام خور کا ہو وہ پورا گوشت حرام اور قربانی کسی ایک کی بھی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہدایت عطاء فرمائیں، فہم دین عطاء فرمائیں۔ یہ خوب سمجھ لیں کہ جہالت عذر نہیں کوئی یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہو سکتا کہ ہمیں تو مسئلہ کا علم ہی نہیں تھا۔ یہ مفتیان کرام کا کام نہیں کہ وہ لوگوں کے دروازوں پر جا جا کر مسائل بتایا کریں بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ بقدر ضرورت دین کا علم حاصل کرے۔ لوگوں کے حالات تو یہ ہیں کہ قالب ہی نہیں بن رہا تو قلب کیا بنے گا بس جانوروں کی قربانی پر زور ہے، قربانی کی حقیقت کو

سمجھیں، اللہ کرے کہ بات دلوں میں اتر جائے اور عمل کی توفیق ہو جائے۔

⑦ تکبیرات تشریق:

نو ذی الحجہ کی فجر سے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک ہر نماز کے بعد ایک بار تکبیرات تشریق پڑھنا واجب ہے۔ مرد بلند آواز سے اور عورتیں آہستہ کہیں عید کے خطبہ میں بھی تکبیرات کہی جاتی ہیں۔

ایک غلطی کی اصلاح:

عیدین کے پہلے خطبہ میں نو تکبیریں مسلسل، دوسرے خطبہ کی ابتداء میں سات تکبیریں مسلسل اور بالکل آخر میں چودہ تکبیریں مسلسل کہنا مستحب ہے، عام خطیب حضرات اس سے غافل ہیں، اس مسئلہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں۔

ان تکبیرات میں بھی یہی نسخہ ہے کہ دل میں اللہ کی محبت اور عظمت پیدا ہو۔ تکبیرات تشریق میں "اللہ اکبر" چار بار ہے:

﴿اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد﴾

اور عیدین کے خطبہ میں تیس بار۔

ان کے علاوہ عید گاہ کی طرف جاتے وقت اور واپس آتے وقت راستے میں بھی تکبیرات کہی جاتی ہیں، عید الفطر میں آہستہ اور عید الاضحیٰ میں بلند آواز سے۔

تکبیر کی طرف اگر ایک بار بھی ذرا سی توجہ ہو جائے تو دل میں اللہ کی محبت اور عظمت ایسی پیدا ہو جائے کہ انسان گناہ کے قریب بھی نہ جائے۔ درمیان میں لا الٰہ الا اللّٰہ اس میں بھی یہی بات کہ دنیا کے کام ہوں یا آخرت کے، کسی بھی قسم کی پریشانی ہو کچھ بھی ہو جو ہو گا ایک اللہ سے ہو گا۔ اسے راضی کئے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، دنیا اور

آخرت کی فلاح اس کی رضا پر موقوف ہے اور پھر تکبیرات تشریق کے آخر میں وللّٰہ الحمد یا اللہ! تو نے مسلمان کے گھر میں پیدا فرمایا میری زبان سے اپنی کبریائی اور عظمت کا اقرار کروایا اس پر تیرا شکر اداء کرتا ہوں۔ تکبیرات تشریق بلند آواز سے کہیں اس لئے کہ اپنی آواز اور دوسروں کی آواز کانوں کے ذریعہ دل میں اترے گی اور دل میں اللہ کی عظمت اور محبت پیدا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ بندوں کی اصلاح کے لئے نسخے بھی عطاء فرمائے تاکہ ان پر عمل کر کے اللہ کی محبت میں ترقی کریں، تعلق مع اللہ پیدا ہو اور دنیائے مردار کی محبت اور تعلق دل سے نکل جائے۔ ذرا خود کو مخاطب کر کے یوں کہا کریں کہ نالائق! یہ تو کہتا رہتا ہے کہ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے ایسے اچھے نسخے عطاء فرمائے لیکن کیا تو ان نسخوں کو استعمال بھی کرتا ہے؟ اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ طبیب نے کسی کو بہت اچھی طرح دیکھا اس کے بعد بہت ہی مفید نسخہ لکھ کر دے دیا مریض ہزار بار اس کا شکریہ اداء کرتا رہے مگر وہ نسخہ استعمال نہ کرے تو کیا اس کا مرض صرف شکریہ کہنے سے جاتا رہے گا؟

جب تکبیرات تشریق میں "اللہ اکبر" کہیں تو اللہ کی عظمت و کبریائی کو سوچا کریں۔ "لا الہ الا اللہ" کہیں تو اللہ کی قدرت کاملہ کو سوچا کریں۔ مقصد کو دل میں اتاریں اور آخر میں جب "وللّٰہ الحمد" کہیں تو سوچیں کہ ایسے اکسیر نسخے اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائے ان پر شکر اداء کر رہا ہوں اور شکر کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے اگر اطاعت نہیں تو زبانی شکر بے کار ہے۔

معرفت سے محبت بڑھتی ہے:

انسان، حیوان، نباتات اور جمادات میں کتنا فرق ہے۔ انسان میں تو اللہ تعالیٰ نے تخم محبت ڈال کر پیدا فرمایا پھر اسے عقل بھی عطاء فرمائی۔ انسان عقل سے سوچتا ہے تو

اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور معرفت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ کسی کے اوصاف، کمالات اس کے قرب و تعلق اور احسانات کو جتنا سوچیں گے اس کی معرفت بڑھے گی اور جیسے جیسے معرفت بڑھے گی محبت بڑھے گی۔ اس کے مطابق تو انسان میں بہت زیادہ محبت ہونی چاہئے، بہت زیادہ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان ایسا نالائق ہے ایسا نالائق کہ یہ حیوانات سے بھی بدتر، درختوں سے بھی بدتر اور پتھروں سے بھی بدتر ہے۔ اس نے اپنی بداعمالیوں سے تخم محبت کو ضائع کردیا۔ دوسری چیزوں کی محبت کی چند مثالیں سن لیں۔

❶ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے جانے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام براق لائے۔ براق ایک سواری ہے خچر سے کچھ بڑی گھوڑے سے کچھ چھوٹی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سواری کے لئے تشریف لائے تو وہ براق مستی کرنے لگا، سوار کو دیکھ کر کودنے لگا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا کہ ارے ٹھہر جا! مت کود مستی چھوڑ دے تو وہ ٹھہر گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوگئے۔ ظاہر بین علماء تو یہ سمجھتے ہیں کہ واقعۃً براق مستی میں کود رہا تھا مگر اہل محبت کی معیت اور ان کی صحبت سے محبت کے یہ راز کھلتے ہیں دراصل بات یہ ہے کہ براق نے جب یہ دیکھا کہ مجھ پر کون سوار ہو رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، محبوب رب العٰلمین، رحمۃ للعٰلمین سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، آج میری پشت پر ان کی سواری ہوگی اور سوار ہو کر جائیں گے کہاں؟ معراج کے لئے۔ ایسی سعادت، ایسا موقع تو نہ کبھی کسی کو ملا ہوگا نہ آیندہ کبھی ملے گا۔ وہ وجد میں کودنے لگا۔

❷ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار قضاء حاجت کے لئے پردہ کی ضرورت تھی، دو درختوں کو حکم دیا وہ چل کر ایک دوسرے سے مل گئے اور پردہ ہوگیا۔

❸ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تینوں جبل احد پر تشریف رکھتے تھے۔ پہاڑ کو زلزلہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے احد پر پاؤں مار کر فرمایا:

﴿اسکن یا احد﴾

"اے احد ٹھہر جا۔"

پہاڑ وہیں ٹھہر گیا۔ اہل معرفت واہل محبت اس کا راز یہ سمجھتے ہیں کہ پہاڑ کو زلزلہ اس لئے آیا کہ اسے احساس ہوا، شعور ہوا کہ اس پر آج کیسی کیسی ہستیاں جمع ہیں ایسا موقع، ایسی سعادت کسی پہاڑ کو کہاں ملی ہوگی۔ براق کی طرح اسے بھی وجد آنا شروع ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تنبیہ فرمائی کہ ٹھیک ہے تجھے وجد آرہا ہے مگر اس خوشی میں ایسا نہ ہو کہ جن کی محبت میں تجھے وجد آرہا ہے انہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے، اب بس کرو تو وہ ٹھہر گیا۔

یہ ہیں حیوانات، نباتات اور جمادات کی طرف سے محبت کے مظاہرے۔

یہ سن کر لوگ کہیں گے کہ ایسے مظاہرے تو ہم بھی بہت کرتے رہتے ہیں، ہمیں بھی وجد آتے ہیں۔

آج کے صوفیوں کی محبت:

آج کے صوفیوں کو جب وجد چڑھتا ہے، بس اللہ کی پناہ یا تو اسے اللہ روکے یا میرا کوڑا روکے تیسری کوئی طاقت ان صوفیوں کو وجد سے نہیں روک سکتی۔ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں ایک گاؤں میں کسی کام کے سلسلہ میں گیا۔ وہاں ایک پیر صاحب بھی پہنچے ہوئے تھے فجر کی نماز کے وقت پیر صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ نماز پڑھائیں۔ میں نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد پیر صاحب مریدوں کا حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ میں بھی ان کے کرتب دیکھنے کے لئے وہیں بیٹھا رہا، پیر صاحب نے ان میں سے ایک مرید کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا کہ تمہارا سبق کیا ہے؟ بزرگی کو سبق بنا رکھا ہے۔ بس چند

ایک سبق لئے تو وہ بھی بزرگ بن گیا، پھر اسے خلافت بھی دے دی، یہ ہے آج کل کی پیری مریدی۔ مرید نے سبق بتایا لطیفۂ قلب، تو اس کے دل پر انگلی مار مار کر خوب پمپ لگانے لگا اور زور زور سے اللہ اللہ کی ضربات بھی لگانی شروع کر دیں۔ مرید کو کچھ بھی نہ ہوا ویسے ہی آرام سے بیٹھا رہا۔ اسے ہٹا کر دوسرے کو بلایا اس سے سبق پوچھا تو اس نے اپنا سبق بتایا لطیفۂ روح تو اس کے لطیفہ روح پر ضربیں لگاتا رہا، ایک ایک کر کے سب کو بلایا آخر میں جو آیا اس نے اپنا سبق سلطان الاذکار بتایا تو اس کے مقام پر ضربات لگاتا رہا کسی کو کچھ بھی نہ ہوا۔ آخر کار وہ پیر صاحب میری طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں کہ یہ جماعت تو بہت اچھی چلی ہوئی تھی معلوم نہیں اسے آج کیا ہو گیا۔ اس وقت ان پر وجد نہ چڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں میں موجود تھا، میرے سامنے کوئی پیر کسی مرید پر وجد چڑھا کر دکھائے، جماعت بہت اچھی چلی ہوئی تھی کا مطلب یہ کہ جیسے ہی پیر صاحب ضربیں لگاتے تو مرید کودنے لگتا اور اتنا کودتا کہ کچھ ہوش ہی نہ رہتا بہت سے تو کودتے کودتے ننگے بھی ہو جاتے تھے، یہ ہے ان کا مظاہرۂ عشق اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطاء فرمائیں۔

عبادات اداء کرنے کے باوجود اصلاح کیوں نہیں ہوتی؟

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب عبادات محبت کی وجہ سے ہوتی ہیں اور محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں، قرآن کے بارہ میں فرمایا کہ یہ محبت بڑھانے کا نسخہ اکسیر ہے۔ نماز کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعہ دل سے مال کی محبت نکلتی ہے اور اللہ کی محبت بڑھتی ہے۔ روزہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ اس لئے فرض کئے گئے تاکہ اللہ کے بندے صحیح معنی میں بندے بن جائیں، گناہ چھوڑ دیں، تقویٰ اختیار کریں اور حج تو اللہ کی محبت کا بہت بلند مقام ہے۔ حدیث میں ہے کہ حج کے بعد انسان ایسا ہو جاتا ہے جیسے ابھی پیدا ہوا ہو، گناہوں کی آلودگی سے قلب پاک

صاف ہو جاتا ہے۔

غرضیکہ تمام عبادات کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق مضبوط ہوتا جائے اللہ کے بندے اللہ سے محبت کریں اور اس کی نافرمانیوں کو چھوڑ دیں تو پھر یہ کیوں ہوتا ہے کہ لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، زکوٰۃ اداء کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج پر حج کرکے الحاج بن جاتے ہیں مگر باطن تو کیا ان کا ظاہر بھی درست نہیں ہو پاتا، صورت تک مسلمان کی نہیں بنتی، مرد دیکھو تو آلو کے آلو اور عورتیں وہی بنی اسرائیل کی مچھلیاں بنی رہتی ہیں، ایسا کیوں ہے؟ تو یہ سوچیں:

﴿ومن اصدق من اللہ قیلا۝﴾ (۴-۱۲۲)

"اللہ سے زیادہ سچا کون ہوگا۔"

جب اللہ فرما رہا ہے کہ ان عبادات سے گناہ چھوٹتے ہیں اور محبت الٰہیہ میں ترقی ہوتی ہے تو پھر ان عبادات کا اثر لوگوں پر جو نہیں ہو رہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نسخے بتائے ہیں ان کے استعمال کرنے کے کچھ طریقے، کچھ شرطیں ہیں کہ ان کے مطابق عمل کیا تو یہ نسخے اپنا اثر دکھائیں گے ورنہ نہیں۔

نسخہ استعمال کرنے کے طریقے:

نسخہ استعمال کرنے کے تین طریقے ہیں:

❶ نسخہ استعمال کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرے کہ اس نسخہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ امراض سے نجات عطاء فرمائیں، ایسے شخص کو بہت جلد فائدہ ہوگا۔

❷ خالی ذہن ہو کر نسخہ استعمال کرے۔ اسے توجہ ہی نہیں کہ یہ کسی بیماری کا نسخہ ہے، بیماری ہے بھی یا نہیں، جائے گی بھی یا نہیں، اسے بیماری کی اصلاح کی فکر ہی نہیں بس ایسے ہی شریعت کا حکم سمجھ کر کر رہا ہے۔ اسے فائدہ تو ہوگا مگر بہت دیر سے اور ہو سکتا ہے

کہ کسی کو اتنی دیر ہو جائے کہ مرتے دم تک فائدہ نہ ہو اور بعض کو فائدہ جلد بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص کے فائدے کا احتمال تو ہے وعدہ نہیں، وعدہ تو اس کے لئے ہے جو نسخہ کے طور پر استعمال کرے:

﴿والذین جھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللّٰہ لمع المحسنین۝﴾ (۲۹-٦۹)

"اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنے رستے ضرور دکھائیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے۔"

۳ ایسا شخص نسخہ استعمال کرتا ہے اس عزم کے ساتھ کہ اللہ کی نافرمانی نہیں چھوڑے گا۔ اسے کبھی فائدہ نہیں ہوتا۔

آج کا مسلمان فریبی ہے:

آج جو مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں، زکوٰۃ اور صدقات وخیرات بھی خوب دیتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں، حج بھی کرتے ہیں لیکن ان سے پوچھا جائے کہ ٹی وی چھوڑنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟ یہ تو بہت سخت گناہ ہے وہ جواب دے گا کہ ٹی وی دیکھنے سے تو بڑا مزا آتا ہے اس کو کیسے چھوڑ دوں۔ اچھا یہ بتائیں بھابھی کو پردہ کروادیا؟ تو کہتا ہے کہ یہ مولوی تو تفریق ڈالنے والا ہے، بھائی کو بھائی کا دشمن کرنے والا ہے، فتنہ وفساد ڈالنے والا ہے۔ ان سے کہا جائے کہ اچھا کیا آپ اپنی بیوی کو دیوروں سے پردہ کرواتے ہیں؟ تو کہے گا ارے! دیور تو بھائی ہوتے ہیں بھائی سے پردہ؟ اس دیوثی کے نتائج آنکھوں والوں کو نظر آرہے ہیں، بقول جج اکبر الہ آبادی ؎

قوم میں پردہ دری کا یہ نتیجہ نکلا
جس کو سمجھے تھے کہ بیٹا ہے بھتیجا نکلا

اگر کسی سے پوچھا جاتا ہے آپ بیٹی کو پردہ کرواتے ہیں؟ تو بڑے تعجب سے پوچھے گا کہ اگر بیٹی کو پردہ کروادیا تو اس کی شادی کیسے ہوگی؟ آج کے دیوث والدین اپنی بچیوں کو پردہ کرنے سے روکتے ہیں کہ اگر پردہ کرلیا تو شادی نہیں ہوگی۔ یہ سنی سنائی نہیں خود مجھ سے ایک شخص نے یہ بات کہی ہے کہ بے پردہ رہنے، لڑکوں کے ساتھ میل جول، ان کے ساتھ اسکول کالج میں پڑھنے سے انتخاب میں سہولت ہوجاتی ہے ورنہ لڑکیوں کی شادی دردسر بنی رہتی ہے۔ اس لئے یہ دیوث والدین اور دیوث بھائی لڑکیوں کو بے پردہ رہنے دیتے ہیں تاکہ ''اپنی مدد آپ'' کے اصول پر عمل کرتے ہوئے خود ہی کوشش کرکے کہیں جوڑ پیدا کرلیں پھر شادی کے بعد شوہر پردہ کروائے نہ کروائے اسکی مرضی۔ حال یہاں تک پہنچ چکا کہ جن لڑکیوں کے دل میں ذرا خوف آخرت پیدا ہوجاتا ہے اور وہ پردہ کرنا چاہتی ہیں تو ان کے ماں باپ انہیں پاگل کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ابھی پردہ مت کرو ابھی تو تمہارے دیکھنے دکھانے، سونگھنے سونگھانے کی ضرورت ہے تاکہ جوڑ پیدا ہوجائے۔ بتایئے ایسا ہورہا ہے یا نہیں؟ اور ان میں سے اکثر والدین بہت نمازی ہوتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی کرلیتے ہیں مگر اسکے باوجود یہ عبادات انہیں بے حیائیوں سے، اللہ کی نافرمانیوں سے نہیں روکتیں۔

اگر کسی سے کہا جائے کہ آپ نے حج و عمرے تو کرلئے، نماز بھی بہت پڑھتے ہیں لیکن دیکھئے ذرا یہ خیال رہے کہ وہاں سعودی عرب میں خلاف قانون رہنا سخت گناہ ہے۔ تو وہ کہتا ہے ارے! دیکھئے یہ کیسا ظالم ہے وہاں جانے سے روکتا ہے جہاں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا ملتا ہے۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ ماشاء اللہ! آپ تو بہت نمازی ہیں، نوافل بھی کثرت سے پڑھتے ہیں تو آپ جہاں نماز پڑھتے ہیں وہاں تصویریں تو نہیں ہوتیں؟ کیونکہ جہاں تصویر ہو وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ وہ کہتا ہے کہ رحمت آئے یا نہ آئے تصویریں تو لگی رہیں گی۔

اسی طرح یہ جو حرام خور ہوتے ہیں، سودی کاروبار کرنے والے یہ تہجد بہت پڑھتے

ہیں یہ اللہ کے ساتھ فریب کررہے ہیں کہ اگر حرام کھالیا تو کیا ہوا ساری عمر تو تیرے سامنے سجدے کرتے رہے، ماتھے کو رگڑ رگڑ کر نشان ڈال لیا اب تو مجھے کیسے نہیں بخشے گا؟ ان کے عمل سے یہی ظاہر ہورہا ہے کہ ماتھے پر پڑے ہوئے نشان کو دیکھ کر اللہ ان کی ٹانگ نہیں توڑے گا۔ حرام خوری کے گناہ میں مبتلا بعض ایسے لوگ ہیں جو خود تو حرام کی ملازمت نہیں کرتے لیکن حرام میں مبتلا کسی رشتہ دار یا دوست کی مروت میں کہ کہیں وہ ناراض نہ ہوجائے ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے غیر اللہ سے اتنے مضبوط تعلّقات دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر انہیں ان کا کوئی محبوب یہ کہہ دے کہ پاخانہ کھاؤ ورنہ ہم ناراض ہوجائیں گے تو میرے خیال میں آج کا یہ مسلمان پاخانہ کھانے سے بھی گریز نہ کرے گا۔

اور سنئے! کسی سے کہا جائے ارے نمازی صاحب! حج کرنے جارہے ہیں ڈاڑھی تو رکھ لیجئے، مسلمان کی شکل تو بنالیجئے تو کہتے ہیں ایمان تو دل میں ہے۔ اللہ کے دربار میں اس کے دشمنوں کی صورت میں جاتے ہیں اور جانے سے پہلے اپنے دلوں پر تالے لگالیتے ہیں کہ کہیں اس مقدس اور مبارک مقام کا قلب پر کوئی اثر نہ ہوجائے، کہیں یہ عداوت محبت میں نہ بدل جائے اسی لئے ان کی بغاوت میں اور زیادہ ترقی ہوجاتی ہے ؎

وہ آثار محبت جو نظر آتے تھے چہرے پر
خدا کے گھر میں پھر پھر کر مزید ان کو ابھار آئے

اسی طرح یہ بے پردہ عورتیں جب حج کرنے جاتی ہیں تو وہاں جاکر اور زیادہ ننگی ہوجاتی ہیں۔ ایک عورت سے کسی نے پوچھا کہ پردہ کیوں نہیں کرتی وہ کہتی ہے کہ پردہ تو آنکھ کا ہوتا ہے۔

امید ہے کہ یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ تمام عبادات کو اداء کرنے کے باوجود لوگوں کے قلوب اللہ کی محبت و معرفت سے کیوں خالی ہیں۔ لوگ بے پردگی، غیبت،

تصویریں، ٹی وی، گانا بجانا، جھوٹ اور کھانے پینے میں حلال و حرام کا امتیاز نہ کرنے جیسے گناہوں میں کیوں مبتلا ہیں۔ اس کے مفصّل جواب کا حاصل یہ ہے کہ آج کا مسلمان جھوٹا اور فریبی ہے وہ اللہ کی نافرمانی نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اس کا خیال یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی کرتے رہو اور سجدے کرتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو، روزے رکھتے رہو، حج کرتے رہو، ذکر و تسبیحات کرتے رہو اور اللہ کو فریب دیتے رہو، جھوٹی محبت کے نعرے لگاتے رہو۔ معاذاللہ! اللہ تعالیٰ کو پتا ہی نہیں چلے گا۔ یہ جس کا عقیدہ ہو تو اس کی عبادات اسے گناہوں سے کیسے بچائیں گی ؎

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق رابسجودے و نبی رابدرودے

یہ اللہ کے سامنے سجدہ کرکے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر فریب دینا چاہتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح یہ جنت میں چلے جائیں گے گناہ چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ شعر جو ابھی میں نے پڑھا ہے اسے یاد کرلیں اور دعاء کی نیت سے اسے پڑھا کریں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح معنی میں مسلمان بنادیں۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عجیب منظوم دعاء ہے ؎

دلم از نقش باطل پاک فرما
مرا در راہ خود چالاک فرما
دلم را محو یاد خویش گردان
مرا حسب مراد خویش گردان

یا اللہ! میرے دل کو نقش باطل سے پاک فرما۔ نقش باطل سے مراد ہر وہ چیز جو تیری محبت کے معارض ہو، تیری محبت کے خلاف ہو اس سے میرے دل کو پاک فرما۔ یا اللہ! ہمیں اپنے راستے میں چالاک بنادے، اپنی راہ میں ہم سب کو باہمت بنادے اور

یہ جو فرمایا ؂

مرا حسب مراد خویش گردان

یہ ایک مصراع تو دنیا بھر کی دعاؤں کا خلاصہ ہے کہ یا اللہ! مجھے اپنی مرضی کے مطابق بنادے، میرا ظاہر و باطن سب اپنی مرضی کے مطابق بنادے اور فرمایا ؂

بکش از اندرونم الفت غیر
بشو از من ہوائے کعبہ و دیر

میرے اندر سے غیر کی محبت کو نکال کر قتل کردے۔ میرے دل سے غیر اللہ کی خواہش کو دھو ڈال۔ میں اسے "بُکُش" پڑھتا ہوں۔ با اور کاف دونوں پر پیش، جس کے معنی ہیں "قتل کردے" یعنی میرے دل سے غیر کی محبت کو باہر نکال کر قتل کردے۔ ایک مولوی صاحب کہنے لگے کہ "بِکَش" پڑھنا چاہئے۔ با کی زیر اور کاف کا زبر جس کے معنی ہیں "کھینچ" یعنی میرے دل سے غیر کی محبت کھینچ کر باہر نکال دے۔ میں نے کہا کہ اسے باہر نکال کر قتل نہ کیا تو دوبارہ دل میں لوٹ آنے کا خطرہ ہے جیسے آج کل کے عامل (لنگوٹے باز) لوگ کہتے ہیں کہ آسیب کو نکال دیا مگر وہ پھر آلپٹتا ہے۔ اس لئے "بُکُش" پڑھنا چاہئے تاکہ قتل ہونے کے بعد دوبارہ آنے کا خطرہ نہ رہے۔

احکام کی دوسری قسم "نواہی" کا بیان:

جس طرح اوامر میں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے کے نسخے ہیں اسی طرح نواہی میں بھی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑنے سے اس کی محبت میں ترقی ہوتی ہے جس کی وجہ بعد میں بتاؤں گا انشاء اللہ تعالیٰ، پہلے گناہوں سے بچنے کی اہمیت، قرآن و حدیث میں اس کی تاکید اور گناہ نہ چھوڑنے پر کچھ وعیدیں سنانا چاہتا ہوں اس لئے کہ آج کے

مسلمان نے اسلام کو صرف اوامر کے ساتھ خاص کر دیا ہے نواہی کو احکام اسلام کی فہرست سے نکال دیا ہے، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی اور وبال و عذاب سے بچنے کے لئے اوامر پر عمل کر لینا کافی ہے نواہی سے بچنے کی ضرورت نہیں۔

گناہوں سے بچنے کی تاکید:

اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑنے کی بہت تاکید فرمائی ہے اور نہ چھوڑنے پر سخت وعیدیں فرمائی ہیں، فرمایا:

﴿وذروا ظاهر الاثم وباطنه ان الذين يكسبون الاثم سيجزون بما كانوا يقترفون۝﴾ (۶-۱۲۰)

ظاہری و باطنی ہر قسم کے گناہوں کو چھوڑ دو ورنہ عذاب کا انتظار کرو، پھر دوسری آیت میں گناہوں سے بچنے کی یہ تدبیر بیان فرمائی:

﴿ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن﴾ (۶-۱۵۱)

گناہوں سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی گناہوں کے قریب بھی نہ جاؤ، دور رہو۔

﴿تلك حدود الله فلا تعتدوها ومن يتعد حدود الله فاولئك هم الظلمون۝﴾ (۲-۲۲۹)

یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو کیونکہ جو شخص بھی اللہ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے وہ اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال لیتا ہے، اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ پھر دوسری آیت میں نسخہ بیان فرمایا کہ اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے سے کیسے بچ سکتے ہو فرمایا:

﴿تلک حدود اللّٰہ فلا تقربوھا کذلک یبین اللّٰہ اٰیٰتہ للناس لعلھم یتقون۝﴾ (۲-۱۸۷)

اس آیت میں یہ بتادیا کہ متقی بننے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کی حدود کے **قریب بھی** نہ جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات لا یعلمھا کثیر من الناس، فمن اتقی المشتبھات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی المشتبھات کراع یرعی حول الحمی یوشک ان یواقعہ الا وان لکل ملک حمی الا حمی اللّٰہ محارمہ الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب﴾ (صحیح بخاری)

"حلال کھلا ہوا ہے اور حرام کھلا ہوا ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے سو جو مشتبہات سے بچا اس نے بچا لیا اپنا دین اور اپنی عزت اور جو ان مشتبہات میں واقع ہوا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو کسی مخصوص چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہو قریب ہے کہ وہ چراگاہ میں پہنچادے خبردار! ہر بادشاہ کی مخصوص چراگاہ ہوتی ہے خبردار! اللہ تعالیٰ کی مخصوص چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ خبردار! جسم میں ایک چھوٹا سا گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ سدھر جاتا ہے تو تمام جسم سدھر جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے، خبردار! وہ دل ہے۔"

اسلام محض یہ نہیں کہ کلمہ پڑھ لیا، اور نماز پڑھ لی یا دوسری عبادات اداء کرلیں بلکہ

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے اور وہ حدود اللہ کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اتق المحارم تکن اعبد الناس﴾ (ترمذی)

”حرام کاموں سے بچو تو سب لوگوں سے بڑے عابد بن جاؤ گے۔“

آج لوگوں نے اسلام کو بہت میٹھا اور اپنی مرضی کے مطابق بنالیا۔ صالح کی تعریف لوگوں کے نزدیک یہ ہے:

”نماز پڑھتا ہو تسبیح کھٹ کھٹ چلتی رہے اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتا ہو یہ ضروری نہیں کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بھی بچتا ہو۔“

یہ ہیں آج کے صلحاء، اولیاء اور صوفیہ یہ نہ تو خود منکرات سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو روکتے ہیں۔ لوگوں میں حرام وحلال جاننے کی فکر نہیں اور جہالت کی وجہ سے بڑے بڑے کبیرہ گناہ معاشرہ میں ایسے عام ہو چکے ہیں کہ لوگ انہیں گناہ سمجھتے ہی نہیں مثلاً:

① ڈاڑھی منڈانا یا کاٹ کر مٹھی سے کم کرنا قطعی حرام ہے۔

② عورتوں کا شریعت کے مطابق پردہ نہ کرنا۔

③ مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا۔ عام طور پر لوگوں کا خیال یہ ہے کہ بس نماز کے وقت ٹخنے کھول لینا کافی ہے ہر وقت ٹخنے کھلے رکھنا ضروری نہیں۔ یہ سراسر جہالت اور بے دینی ہے، ٹخنے ڈھانکنا بہر حال حرام ہے اور اس پر جہنّم میں جلنے کی سخت وعید ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنئے فرمایا:

﴿ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار﴾ (صحیح بخاری)

جو مرد بھی ٹخنے ڈھانکے گا سیدھا جہنّم میں جائے گا۔ ذرا سوچئے! کتنی سخت وعید ہے۔

④ تصویر بنانا، بنوانا، بلاضرورت اپنے پاس رکھنا یا اسے دیکھنا۔

⑤ گانا، خود گانا یا گانا سننا۔

⑥ ٹی بی (ٹی وی) یہ تصویر اور گانے کا مجموعہ ہے۔ بہت بڑی لعنت ہے۔

⑦ سود کی لعنت، سود لینا دینا، بینک انشورنس کی ملازمت اختیار کرنا یا کسی بھی درجہ میں سود خوروں سے تعاون کرنا، سودی اداروں کو فائدہ پہنچانا قرآن وحدیث کی رو سے موجب لعنت ہے۔

⑧ غیبت کرنا اور سننا۔

(ان کبیرہ گناہوں کی تفصیل اور ان پر دنیا وآخرت میں بہت سخت عذاب کی وعیدوں کا بیان حضرت اقدس کے وعظ ''اللہ کے باغی مسلمان'' میں ہے)

معیار ولایت:

یاد رکھئے! کوئی بظاہر کیسا ہی ولی اللہ نظر آتا ہو، ساری رات نوافل پڑھتا ہو لیکن ان میں سے کوئی گناہ بھی کرتا ہو، سب کی بات نہیں کر رہا کوئی ایک گناہ بھی کرتا ہو تو وہ کبھی بھی ولی اللہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اللہ کا باغی ہے باغی، کیونکہ یہ تمام گناہ علانیہ کئے جاتے ہیں اور علانیہ گناہ کرنے والا باغی ہوتا ہے۔

ایک شخص نے ٹیلیفون پر مجھ سے شکایت کی کہ ہمارے ہاں جو امام صاحب ہیں انہوں نے آج بیان میں بہت ظلم کر دیا وہ کہتے ہیں کہ جو ڈاڑھی منڈاتا یا کٹاتا ہے فاسق ہوتا ہے جبکہ ہم تہجد بھی پڑھتے ہیں اشراق اور چاشت بھی پڑھتے ہیں، اوابین بھی پڑھتے ہیں، صدقات وخیرات بھی بہت کرتے ہیں، ہمارے گھر میں سارے ہی حاجی ہیں اور عمرے بھی بہت کرتے ہیں، ہم تو بہت اونچے درجہ کے دیندار ہیں اور امام صاحب کہتے ہیں کہ ڈاڑھی منڈانے کٹانے والے فاسق ہیں۔ یہ تو خود کو بہت بڑے اولیاء اللہ سمجھ رہے تھے اس لئے ان کے خیال میں یہ مولوی بڑا بے دین نکلا جو اولیاء اللہ کو فاسق

کہتا ہے۔ مجھ سے یہ سوچ کر شکایت کی ہوگی کہ یہ اس مولوی کو ڈانٹے گا کہ تو نے اولیاء اللہ کو فاسق کیوں کہا؟ مجھے بہت تعجب ہوا کہ ایسی باتیں کہنے والا عالم کون ہے، میں نے ان سے پوچھا کہ یہ مولانا صاحب کون ہیں؟ کچھ ان کا پتا بتائیں یہ تو قابل زیارت معلوم ہوتے ہیں۔ کہنے لگے کہ وہ آپ کے ہاں بھی آتے ہیں۔ میں نے کہا ٹھک ہے، یہ دارالجنون کی برکت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دینداری کی سند:

اگر کسی گناہ کو چھوڑنے یا کسی دینی کام کو کرنے کی وجہ سے کسی نے آپ کو پاگل یا مجنوں کہا تو اس پر نہ صرف خوش ہونا چاہئے بلکہ شکر نعمت کے طور پر سات بار "الحمد للہ" بھی کہہ لیا جائے تو نور علی نور ہے، کیونکہ یہ مجنوں کا لقب ایک سند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اکثروا ذکر اللّٰہ حتی یقولوا مجنون﴾ (احمد)

یعنی اللہ کے ساتھ ایسا تعلّق پیدا کرو، ایسی مضبوط محبت دل میں پیدا کرو کہ لوگ کہنے لگیں کہ یہ مجنوں ہے۔ اگر آپ کو کسی فضول حرکت پر نہیں بلکہ کسی دینی کام یا کسی گناہ کو چھوڑنے یا چھڑوانے پر "مجنوں یا پاگل" کا خطاب ملتا ہے تو یہ پکی دینداری کی ایک سند ہے لہٰذا زیادہ سے زیادہ ایسے کام کرنے چاہئیں جتنی زیادہ سندیں مل جائیں اتنا ہی اچھا ہے۔

ذکر اللہ کی وجہ سے پاگل کہلانے کا مطلب:

اس حدیث کا مطلب بہت سے لوگ صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ ظاہری الفاظ تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اتنی کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگیں، لیکن یہ تو ظاہر بات ہے کہ محض ذکر اللہ کی وجہ سے لوگ کیسے پاگل کہیں گے؟ ایسا تو نہ دنیا میں ہوا ہے نہ ہوگا اور نہ ہی یہ

بات عقل میں آتی ہے، کثرت ذکر کی وجہ سے تو لوگ اور زیادہ معتقد ہوں گے، جو شخص نمازیں بہت زیادہ پڑھے تہجد، اشراق وچاشت، اوابین وغیرہ لمبی لمبی نمازیں پڑھنے کا عادی ہو، ہر وقت تسبیح ہاتھ میں ہے جو کھٹ کھٹ چلتی رہتی ہے ایسے شخص کو لوگ پاگل کہاں کہتے ہیں بلکہ اس کو تو کہتے ہیں کہ بہت بڑا پہنچا ہوا ہے، بہت ہی اونچی پرواز پر ہے۔ اس وقت میں لوگوں کی اسی غلط فہمی کے ازالے کے لئے بتا رہا ہوں خوب سمجھ لیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی یاد ایسی رہے کہ گناہ چھوڑے یا چھڑوائے تو لوگ پاگل کہیں۔

جو شخص ڈاڑھی رکھ لے، حرام خوری سے پرہیز کرے، دیور، جیٹھ، بہنوئی، نندوئی اور چچازاد وغیرہ سے پردہ کروائے تو ہر بات پر اسے پاگل کا خطاب ملے گا، بس ایسی ایسی باتوں پر آپ کو جتنے پاگل پن کے خطاب ملیں سمجھتے جائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق محبت کی سند مل رہی ہے اگر آپ کو کبھی بھی کوئی بھی پاگل نہیں کہتا تو سمجھ لیں کہ آپ میں کچھ نہیں، آج یہیں بیٹھے بیٹھے اپنا محاسبہ کرلیں۔

دارالافتاء یا دارالجنون:

مجھے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا پاگل ہے کہ اس نے کئی لوگوں کو پاگل بنادیا ہے گویا مجھے "پاگل گر" کا خطاب ملا ہوا ہے۔ میرے پاس پاگل بنانے کی مشینیں لگی ہوئی ہیں اسی لئے تو دارالافتاء کو لوگ "دارالجنون" بھی کہتے ہیں کیونکہ جو یہاں پہنچتا ہے پاگل ہوجاتا ہے۔

ایک مولوی صاحب "دارالجنون" سے پڑھ کر گھر واپس گئے تو اپنی بیوی کو پردہ کروادیا۔ مولوی صاحب کے ایک بھائی بھی یہاں آئے تھے جب وہ واپس اپنے گھر گئے تو انہوں نے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر اپنی بھاوج سے کہا کہ مجھ سے پردہ کرو تو میں اندر آؤں گا۔ اس پر اس عورت کا جواب سنئے، کہتی ہے کہ جس پاگل مولوی نے

تیرے بھائی کو پاگل بنادیا اسی نے تجھے بھی پاگل بنایا ہے۔ مولوی نے اسے کیا جواب دیا یہ تو مجھے معلوم نہیں ویسے جواب یہ دینا چاہئے تھا کہ ہاں! بالکل ٹھیک ہے۔ پاگل بنانے والا وہی ہے۔ اگر کوئی خود کو دیندار کہتا ہے لیکن لوگ اسے پاگل نہیں کہتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے صحیح معنی میں گناہ چھوڑنے چھڑوانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جس شخص کو اس کے پڑوسی محبوب رکھیں اور بھائی محمود کہیں، اغلب یہ ہے کہ وہ مداہن ہے۔"

یہ بات بھی خوب سمجھ لیں کہ صرف خود گناہ چھوڑ دینا کافی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی گناہوں سے روکنا فرض ہے، نہ روکنے والوں کے بارہ میں قرآن و حدیث میں بہت سخت وعیدیں ہیں۔

نہی عن المنکر کے ترک پر وعیدیں:

① ﴿لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسی ابن مریم ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون ○ کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون ○﴾

(۵-۷۸،۷۹)

"ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل میں کے داؤد اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کی زبان پر یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے آپس میں منع نہ کرتے تھے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے۔"

اس آیت کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب بنی اسرائیل گناہوں میں گرفتار ہوئے تو ان کے علماء نے انہیں روکا لیکن وہ باز نہ آئے، پھر علماء نے خود بھی ان کی ہم نشینی اختیار کرلی اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوگئے آخر اللہ تعالیٰ نے بھی (ان کے ساتھ یکساں سلوک اختیار کرتے ہوئے) ان میں بعض کے دل بعض کے ساتھ ملادیئے، ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی زبانی لعنت بھیجی یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے گذر گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے تھے یہ فرماکر اٹھ بیٹھے پھر ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم بھی اس وقت تک نجات نہیں پاسکتے جب تک ان ظالموں کو گناہوں سے منع نہ کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یوں نہیں جیسا تم نے گمان کیا ہے (کہ مداہنت کرتے ہوئے نجات پاجائیں) اللہ کی قسم! نیکی کا حکم کرتے رہو برائی سے منع کرتے رہو، ظالم کا ہاتھ پکڑے رہو اس کو حق کی طرف مائل کرو اور حق پر روکے رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تم میں سے بعض کے دل بعض کے ساتھ ملادے گا اور تم پر بھی ایسی ہی لعنت کرے گا جیسی بنی اسرائیل پر کی۔" (ترمذی)

② ﴿واذ قالت امة منهم لم تعظون قوما اللّٰه مهلكهم او معذبهم عذابا شديدا قالوا معذرة الى ربكم ولعلهم يتقون ○ فلما نسوا ما ذكروا به انجينا الذين ينهون عن السوء واخذنا الذين ظلموا بعذاب بئيس بما كانوا يفسقون ○﴾

(۷ - ۱۶۴، ۱۶۵)

"اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کئے جاتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے

ہیں یا ان کو سخت سزا دینے والے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید کہ یہ ڈر جائیں پھر جب وہ بھول گئے اس کو جو ان کو سمجھایا تھا تو نجات دی ہم نے ان کو جو منع کرتے تھے برے کام سے اور پکڑا گنہگاروں کو برے عذاب میں بسبب ان کی نافرمانی کے۔"

پہلی آیت میں تین قسم کے لوگوں کا بیان ہے:

❶ اللہ کے نافرمان۔

❷ صالحین جو خود تو نافرمانیوں سے بچتے تھے مگر دوسروں کو نہ روکتے تھے۔

❸ خود بھی نافرمانیوں سے بچنے والے اور دوسروں کو بھی روکنے والے۔

دوسری آیت میں پہلی اور تیسری قسم کے انجام کا بیان تو ہے کہ نافرمانوں کو تباہ کر دیا اور برائیوں سے روکنے والوں کو عذاب سے بچا لیا۔ مگر دوسری قسم یعنی جو لوگ خود تو برائیوں سے بچتے تھے مگر دوسروں کو نہ روکتے تھے۔ ان کے بارہ میں کچھ نہیں بتایا گیا کہ عذاب سے بچ گئے یا تباہ کر دیئے گئے قرآن وحدیث کی دوسری نصوص کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے:

❶ گناہوں سے روکنے کی استطاعت کے باوجود نہ روکتے تھے، اس صورت میں یہ بھی ظالم اور مجرم ٹھہرے اس لئے ان کو بھی تباہ کر دیا گیا۔

❷ جبرًا روکنے کی استطاعت نہ تھی اور زبانی نصیحت کے قبول کی امید نہ تھی۔ اس صورت میں تبلیغ کرنا فرض نہیں، افضل ضرور ہے مگر سکوت بھی جائز ہے، اس لئے ان لوگوں کو بچا لیا گیا۔ اس صورت میں بھی گناہوں سے بچنے کی تبلیغ کرنے والوں کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے آیت میں صرف ان کی نجات کا ذکر کیا گیا، دوسری قسم کا ذکر چھوڑ دیا۔

پہلی آیت کے ظاہر سے دوسرے احتمال کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، یعنی یہ لوگ امید

قبول نہ ہونے کی وجہ سے نصیحت نہ کرتے تھے، چونکہ اس صورت میں تبلیغ فرض نہیں اس لئے ان کو بھی عذاب سے بچالیا گیا مگر افضل طریقہ چھوڑ دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کو چھوڑ دیا۔

③ ﴿واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة واعلموا ان اللّٰہ شديد العقاب۝﴾ (۸-۲۵)

"اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص انہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔"

④ ﴿والعصر۝ ان الانسان لفی خسر۝ الا الذين اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۝﴾

(۱۰۳-۱تا۳)

"قسم ہے زمانے کی (یعنی زمانے کی تاریخ اور دنیا میں نیک وبد کے انجام کے واقعات شاہد ہیں) کہ انسان بڑے خسارے میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو اعتقاد حق (پر قائم رہنے) کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔"

حاصل یہ کہ دنیا اور آخرت کے خسارہ وعذاب سے صرف وہی بچ سکتا ہے جو چار کام کرے:

❶ اپنے عقائد درست کرے۔
❷ اپنے اعمال درست کرے، ہر قسم کی نافرمانی سے بچے۔
❸ دوسروں کو عقائد صحیحہ کی تبلیغ کرے۔

④ دوسروں کو ترک منکرات کی تبلیغ کرے اور اس پر جو مصائب پہنچیں ان پر صبر کرنے کی وصیت کرے۔

⑤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں جو شخص گناہ کی بات دیکھے اس پر فرض ہے کہ اسے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روک دے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے روکے، اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔" (مسلم)

دل سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں درد اٹھے کہ اگر قدرت ہوتی تو میں اس برائی کو مٹا کر چھوڑتا، اس درد کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ چہرے پر ناگواری کا اثر ظاہر ہو۔

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ بھلائی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دیں گے پھر تم اس سے دعاء کرو گے تو دعاء قبول نہ ہوگی۔"

(ترمذی)

⑦ حدیث میں ایک مداہن کا ذکر ہے جس پر اللہ کا عذاب ہوا، فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں شہر کو اس کے باشندوں سمیت الٹ دو۔ انہوں نے عرض کیا اے رب! ان لوگوں میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے لحظہ بھر کبھی تیری نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شخص پر اور دوسرے لوگوں پر شہر کو الٹ دو اس لئے کہ میری خاطر ایک گھڑی بھی اس کا چہرہ متغیر نہ ہوا (کھلے بندوں لوگ

میری نافرمانیاں کرتے رہے مگر اس کے چہرے پر تیوری تک نہ آئی، مداہن بن کر صرف اپنی عبادت میں مگن رہا۔" (بیہقی)

⑧ ایک حدیث میں مداہنت کرنے والوں کی مثال اس طرح دی گئی ہے:

"حدود اللہ میں مداہنت کرنے والا اور حدود اللہ میں پڑنے والا دونوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو باہم قرعہ اندازی کرکے ایک کشتی پر سوار ہوئے بعض اس کی نچلی منزل پر اور بعض اوپر کی منزل پر بیٹھ گئے۔ نچلی منزل والے پانی لینے کے لئے اوپر والوں پر گذرتے رہے جس سے انہیں ایذاء پہنچی، اس لئے نچلی منزل والوں نے کلہاڑا لے کر کشتی میں سوراخ کرنا شروع کیا، اوپر والوں نے آکر اس کا سبب دریافت کیا تو بولے کہ ہماری وجہ سے تمہیں ایذاء پہنچ رہی ہے اور ہمیں پانی کے بغیر چارہ نہیں، اب اگر اوپر والے ان کا ہاتھ پکڑیں (اور حماقت سے روک دیں) تو انہیں بھی بچالیں گے اور خود بھی بچ جائیں گے، اور چھوڑ دیں تو انہیں بھی ہلاک کریں گے خود بھی ہلاک ہوں گے۔" (ترمذی)

اس عنوان کی آیات و احادیث تو بہت ہیں میں نے چند بتادی ہیں اللہ کرے کہ اسی کا اثر ہو جائے۔

دین کو مشکل سمجھنا کفر ہے:

میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑنے چھڑانے کی باتیں کرتا رہتا ہوں تو میرے بارے میں بے دین لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو بہت سخت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں جو کچھ بتاتا ہوں اپنی طرف سے تو نہیں بتاتا میں تو قرآن اور حدیث کی باتیں آپ لوگوں تک پہنچاتا ہوں میں تو ان احکام کو نقل کرنے والا ہوں میں نے الگ سے اپنا کوئی دین

نہیں بنایا، اگر کسی کو یہ باتیں سخت لگتی ہیں، مشکل لگتی ہیں تو وہ ایسا کرے کہ آخرت میں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو اللہ سے کہے کہ یا اللہ! تونے اتنا سخت قرآن کیوں اتار دیا تھا؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب پیشی ہوگی تو ان سے پوچھے کہ آپ نے ایسی سخت سخت باتیں کیوں کیں؟ میری باتوں سے اسی کو فائدہ ہوسکتا ہے جسے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں پسند ہوں ۔

نصیحت کسی سود مند آیدش
کہ گفتار سعدی پسند آیدش

صحیح بخاری میں ایک مشہور تابعی حضرت علاء بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں ہے کہ وہ لوگوں کو جہنّم سے بہت ڈراتے تھے، اس سے بچنے کے لئے بہت فرماتے تھے، کسی نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید کیوں کرتے ہیں؟ اور آپ بار بار یہی کہتے رہتے ہیں تو فرمایا کہ تمہارا ذہن یہی بن گیا ہے کہ تم گناہ بھی کرتے رہو اور تمہیں جنت کی بشارتیں بھی ملتی رہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ جب اس وقت میں لوگوں کے ذہن یہ بن گئے تھے تو آج پھر کیا ہی کہنا۔

آج کے مسلمان کا طرزِ عمل:

آج تو لوگوں کا حال یہ ہے کہ کھلی نافرمانیاں کرتے ہیں اور اگر کوئی کہہ دے کہ یہ کام نہ کریں یہ گناہ ہے تو بڑی شان بے نیازی سے جواب دیتے ہیں کہ اللہ بڑا غفور رحیم ہے، بس فوراً ان کی زبان پر یہ جملہ جاری ہوجاتا ہے۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے مگر کس کے لئے:

﴿الذین تابوا و اصلحوا﴾

اور فرمایا:

﴿من تاب واصلح﴾

اللہ اس کے لئے غفور رحیم ہے کہ جس نے گناہوں سے نہ صرف توبہ کرلی بلکہ آیندہ کے لئے اپنے اعمال کی اصلاح بھی کرلی۔ ذرا سوچئے! اگر سب کو جنت میں ہی بھیجنا ہوتا تو پھر اللہ نے جہنّم کیوں بنائی؟ انبیاء کیوں بھیجے؟ کتابیں کیوں نازل فرمائیں؟ صرف اور صرف اس لئے کہ اللہ کے بندے خیر اور شر میں تمیز کرلیں اور یہ جان لیں کہ خیر جنت کا راستہ اور شر جہنّم کا راستہ ہے اور کامیابی اسی کے لئے ہے جو اللہ کے احکام کو سنے اور اطاعت کرے اور نافرمانی کرنے والے جہنّم کا ایندھن بنیں گے۔

یہاں کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جہنّم تو کافروں کے لئے بنی ہے مسلمانوں کے لئے نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں کا تو خلود ہوگا یعنی ہمیشہ کے لئے جہنّم میں ڈال دیئے جائیں گے جبکہ مؤمن اپنی بداعمالیوں کی سزا پانے کے بعد بالآخر جنت میں چلے جائیں گے لیکن ذرا یہ سوچیں کہ کیا جہنّم کی ایک لمحہ کی آگ برداشت کرنے کا تحمل ہے کسی میں؟ اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہدایت عطاء فرمائیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ جب تک محبت نہیں ہوتی نہ ہی اطاعت ہوسکتی ہے اور نہ ہی نافرمانی سے بچا جاسکتا ہے۔ نافرمانی سے بچنا، مشکل سے مشکل کاموں میں اطاعت کرنا اور نفس کی بڑی سے بڑی خواہش کو کسی کے حکم کے سامنے قربان کردینا یہ محبت ہی کے کرشمے ہیں۔ محبت کے بغیر یہ کام نہیں ہوپاتے انجن میں اگر بھاپ نہ ہو اور اسے دھکیل دھکیل کر چلایا جارہا ہو تو آخر کہاں تک چلے گا نہ صرف رفتار بہت سُست ہوگی بلکہ دھکیلنے والا بھی کچھ ہی دیر میں تھک جائے گا۔ اس کے برعکس اگر انجن میں بھاپ ہو تو وہ اتنا تیز اتنا تیز اڑے گا کہ اسے روکنے کے لئے تدابیر اختیار کرنا پڑیں گی مثلاً ڈرائیور کو سنبھل کر بیٹھنا پڑے گا، بریک لگانے پڑیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ کی محبت ایسی ہی بھاپ ہے محبت نہ ہو تو نفس وشیطان کے مکروفریب سے بچنا ممکن نہیں۔

ترک معاصی محبت الٰہیہ کا ذریعہ:

دنیا میں یہ دستور مسلم ومشاہد ہے کہ جو غلام اپنے مالک کی جتنی زیادہ خدمت کرے گا، جس قدر اس کی زیادہ اطاعت کرے گا اس کی نافرمانی سے بچنے کی جتنی زیادہ کوشش کرے گا اسی قدر مالک کے قلب میں اس کی وقعت بڑھتی ہے، مالک کو اس سے محبت ہوجاتی ہے اور اسے قرب و انعامات سے نوازنے لگتا ہے، پھر غلام جب مالک کی اس نظر کرم وعنایات کو دیکھتا ہے تو اس کے قلب میں مالک کی محبت پیدا ہوجاتی ہے اس لئے وہ مالک کے احکام کی اطاعت اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی مزید کوشش کرنے لگتا ہے، دیکھئے مالک کی اطاعت اس سے محبت کا ذریعہ بنی اور محبت سے مزید اطاعت کا جذبہ پیدا ہوا، اسی طرح ترک معاصی سے محبت الٰہیہ پیدا ہوتی ہے۔ محبت الٰہیہ اور ترک معاصی میں گہرا ربط وتعلّق ہے کہ محبت الٰہیہ پیدا ہو تو ترک معصیت از خود پیدا ہونے لگتی ہے اور اگر ترک معصیت کا اہتمام کیا جائے تو محبت الٰہیہ پیدا ہونا شروع ہوجاتی ہے پھر کوئی کتنی ہی ملامت کرے اس پر کسی کا کوئی اثر نہیں ہوتا ع

یہ دیوانہ اڑا دیتا ہے ہر زنجیر کے ٹکڑے

دنیا کی کوئی محبت، کوئی خوف، کوئی طمع، کوئی تعلّق اسے محبت کے تقاضوں سے نہیں روک سکتا۔

سنبھل کر اے خرد اس دل کو پابند علائق کر
یہ دیوانہ اڑا دیتا ہے ہر زنجیر کے ٹکڑے

عشق نے ان کو دنیا کی عقل وخرد سے بیگانہ کردیا ہے۔

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس نسخۂ عشق کا
تو کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو وہ دھری رہی

لوگوں کی ملامت اس کی محبت کو اور شہ دیتی ہے اس بارہ میں ایک شعر بتایا کرتا

ہوں اسے محبت پیدا کرنے کے نسخے کے طور پر پڑھا کریں۔

عذل العواذل حول قلبی التائه
وهوی الاحبة منه فی سودائه

دعاء کرلیں کہ یا اللہ! اس شعر میں محبت کی جو حقیقت بتائی گئی ہے وہ ہمارے دلوں میں اتر جائے۔ "عذل العواذل" کے معنی ہیں "ملامت کرنے والی عورتوں کی ملامت" شاعر نے یہاں مذکر یعنی مردوں کی بجائے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا کیونکہ دنیا میں شروع ہی سے یہ دستور رہا ہے کہ ملامت کرنے میں عورتیں بہت ماہر ہوتی ہیں، مرد اتنی ملامت نہیں کرسکتے یہ فن عورتوں کا ہے۔

عورتوں کے ماہر فن ہونے کا آپ لوگوں نے تجربہ کیا ہی ہوگا مثلاً آپ میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے "دار الجنون" (دار الجنون سے دار الافتاء والارشاد مراد ہے کیونکہ یہاں آنے والے اللہ کی محبت کا جنون لے کر جاتے ہیں، جامع) میں پہنچا دیا اور اسے یہاں یہ بات معلوم ہوئی:

> "جب اللہ تعالیٰ نے مرد بنایا ہے تو عورت کیوں بنتے ہیں مرد بنیں مرد، یہ کیسے مسلمان ہیں کہ دعویٰ تو کریں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور محبوب کی صورت سے نفرت؟"

یہ سن کر یہیں بیٹھے بیٹھے جذبہ پیدا ہوگیا اور اس نے پختہ ارادہ کرلیا کہ آج سے پھاوڑے کا استعمال بند (حضرت اقدس شیو کرنے کے سیفٹی ریزر کو پھاوڑے سے تعبیر فرماتے ہیں، جامع) اللہ کے دشمنوں جیسی صورت بنانے سے توبہ کرلی۔ جب ذرا کچھ ڈاڑھی کے بال نمودار ہوئے تو ماں، بہنوں، بیگم صاحبہ، بھاوجوں اور وہ آدھی بیوی یعنی سالی وغیرہ کے طعنے سن کر سب جذبات و احساسات ٹھنڈے پڑ گئے اور پھاوڑا اٹھا کر ڈاڑھی کا صفایا کر ڈالا کیونکہ ڈاڑھی دیکھ کر سب نے کہنا شروع کردیا تھا:

"ارے! کیا وحشی بن گیا، کیسی جنگلیوں جیسی صورت بنالی پتا نہیں تجھے کیا ہو گیا۔"

یہ عورتیں ایسے ایسے طعنے دیتی ہیں کہ کوئی مرد ان کو نقل بھی نہیں کر سکتا۔ اس زبان درازی کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اس وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

ان عورتوں کی زبان درازی پر یاد آیا کہ جب مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ اشعار کہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسجد میں محراب کے اندر منبر رکھواتے اور پھر فرماتے کہ چڑھ جاؤ منبر پر اور ان مشرکین کے خلاف اشعار کہو فرماتے:

﴿قل و جبریل معک﴾

"کہو جبریل تیرے ساتھ ہیں۔"

یعنی زبان تمہاری ہوگی اور کہلوانے والے جبریل ہوں گے۔ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مضامین القاء کریں گے، جس طرح شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل علیہ السلام کی قوت ہوتی تھی اسی طرح ان عورتوں کا حال ہے کہ زبان ان کی ہوتی ہے اور شیطان کی قوت ان کے ساتھ ہوتی ہے اسی لئے جب کسی کے قلب پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اثر ہوتا ہے تو بے دین عورتیں اس پر ایسی ملامت کرتی ہیں کہ ساری محبت وہیں کی وہیں ختم ہو جاتی ہے اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ شعر یا اس کا مفہوم یاد کر لیں اور پڑھا کریں ۔

عذل العواذل حول قلبی التائه
وهوی الاحبة منه فی سودائه

اس شعر میں محبت کا ایسا معیار بتا دیا، ایسا معیار کہ دنیا میں اس جیسا معیار ہو ہی نہیں سکتا۔ شاعر کہتا ہے:

"محبوب کی محبت میرے دل کی اتنی گہرائی تک پہنچ گئی ہے کہ ملامت کرنے والی عورتوں کی ملامت کی وہاں تک رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ سب کی سب مل کر ملامت کریں پھر بھی محبوب کی محبت دل سے نکال نہیں سکتیں۔"

آج کل کے معاشرہ میں جو گناہ داخل ہو گئے ہیں ان میں سے ہر ایک کو لیجئے، دیکھیں ان کے چھوڑنے پر کتنی ملامت ہوتی ہے لیکن جن کے قلوب میں محبوب کی محبت راسخ ہو چکی ہو وہ اس ملامت سے گھبراتے نہیں۔

مکمّل مسلمان:

غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی محبت سب محبتوں پر غالب ہو جائے۔ کوئی محبت، کوئی خوف، کوئی طمع، کوئی تعلق کسی بھی معصیت پر آمادہ نہ کر سکے تو انسان پورا مسلمان بنتا ہے اور جب تک سارے گناہ نہیں چھوٹ جاتے اس وقت تک انسان خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ فرمایا:

﴿یایها الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافة ولا تتبعوا خطوت الشیطن انه لکم عدو مبین ۞ فان زللتم من بعد ماجاءتکم البینت فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم ۞﴾ (۲-۲۰۸، ۲۰۹)

ایمان کے دعوے تو بہت کرتے ہیں، مگر یہ دعویٰ جب قبول ہو گا کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں:

﴿ادخلوا فی السلم کافة﴾

محبوب کے ایک ایک حکم کا اتباع کریں اگر کوئی ایک گناہ بھی باقی ہے جسے نہیں چھوڑتے تو وہ شیطان کا اتباع ہوگا، اس لئے فرمایا:

﴿ولا تتبعوا خطوت الشیطن انہ لکم عدو مبین ۝﴾

شیطان کا اتباع مت کرو، وہ یقیناً تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اگر پورے کے پورے اسلام میں داخل نہیں ہوتے تو شیطان کے متبع ہیں، شیطان کو راضی کرنا بہت آسان ہے، اس کی تو اگر ایک بات بھی مان لی تو وہ راضی ہو جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور کسی سے کم، لیکن رحمٰن اس وقت تک راضی نہ ہوگا جب تک اس کی مکمّل اطاعت نہ کی جائے۔ یہ حکم دینے کے بعد تنبیہ فرماتے ہیں:

﴿فان زللتم من بعد ماجاءتکم البینت فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم ۝﴾

اس آیت میں بہت سخت دھمکی دی ہے کہ اگر تم پورے کے پورے اسلام میں داخل نہ ہوئے، کسی ایک بات میں بھی رحمٰن کا حکم چھوڑ کر شیطان کا اتباع کیا تو اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

لوگوں کا طریقہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ تھوڑا سا دین اختیار کر کے سمجھتے ہیں کہ بس دیندار بن گئے، مکمّل دیندار بننے کی طرف بہت کم لوگ توجہ کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے ڈاڑھی رکھ لی، نماز پڑھ لی مگر گھر میں شرعی پردہ نہیں، دیوث بنے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیندار ہیں، یا حرام خوری سے نہیں بچتے یا ایک بہت بڑی بے دینی جو لوگوں میں پھیل رہی ہے وہ یہ کہ بظاہر تو بڑے ولی اللہ نظر آئیں گے مگر قرآن کے صریح حکم جہاد سے ایسے دور بھاگتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقین بھاگا کرتے تھے۔ خوب سمجھ لیں اگر اللہ کے ایک حکم سے بھی روگردانی کی تو اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اور قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ان عذاب ربھم غیر مأمون﴾ (۷۰-۲۸)

''یقیناً ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔''

پھر جو لوگ اللہ کی نافرمانیاں چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، ترک معصیت کا اہتمام کرتے ہیں، جن میں محبوب کی رضا حاصل کرنے کی فکر پیدا ہو جاتی ہے ان کے لئے محبوب کی طرف سے کیسی کیسی بشارتیں اور انعامات ہیں۔

محبوب کی طرف سے انعام:

اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی چھوڑنے پر کیسے کیسے انعامات دے رہے ہیں، کیسی کیسی بشارتیں دے رہے ہیں، کیسے کیسے القاب اور کیسے کیسے تمغوں سے نواز رہے ہیں:

متقون، مہتدون، مفلحون، فائزون، صادقون، صالحون، عابدون، راشدون، محسنون۔

یہ بشارتیں، انعامات، القاب اور تمغے صرف انہی لوگوں کے لئے ہیں اور یہی لوگ ان کے مستحق ہیں جو نافرمانیوں سے بچتے ہیں۔ یہ انعام اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں چھوڑے بغیر خوانیاں کرنے والوں، ختم خواجگان کرنے والوں کو نہیں ملیں گے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں چھوڑتے انہیں انعامات نہیں ملیں گے۔ یہ لوگ کبھی صراط مستقیم پر نہیں آسکتے بھٹکتے ہی رہیں گے۔

جو لوگ صراط مستقیم پر اس طرح قائم رہتے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ان سے اللہ کی نافرمانی نہیں کروا سکتی۔ اللہ کی محبت ان کے قلوب پر ایسی مسلط ہو جاتی ہے کہ مالک کی چھوٹی سے چھوٹی نافرمانی کے تصور سے بھی شرم آنے لگتی ہے۔ یہ ہیں محبت کے دعوے میں سچے، ان صادقین کے لئے اللہ کی طرف سے انعامات اور تمغے ہیں۔ انعام لینا کوئی مشکل نہیں اس کے لئے بس تھوڑی سی محنت کرنا پڑتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھلتی۔ اگر کوئی ان سے کہے کہ صبح تین بجے آپ فلاں دور

دراز پہاڑ کے پاس پہنچ گئے تو ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا، پھر تو شاید ساری رات نیند بھی مشکل سے ہی آئے، ساری رات کروٹوں پر کروٹیں بدلتا رہے گا بعید نہیں کہ پیسہ حاصل کرنے کی خوشی میں رات کی ابتداء ہی میں اس جگہ پہنچ جائے۔ انعام ملنے کی توقع ہمت کو بلند کر دیتی ہے۔

درد محبت:

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک قاری صاحب کہنے لگے کہ فلاں بزرگ نے فرمایا ہے کہ اگر تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلے تو سونے سے پہلے فلاں آیت پڑھ لی جائے تو تہجد کے لئے ضرور آنکھ کھلے گی بہت اچھا وظیفہ ہے۔ میں نے سنتے ہی فوراً کہا ارے واہ قاری جی صاحب واہ! یہ بتائیں جب آپ کی شادی ہوئی تھی تو آپ نے کسی بزرگ سے وظیفہ پوچھا تھا کہ حضرت جی! وظیفہ بتا دیجئے کہیں پوری رات سوتے میں نہ گذر جائے، وقت پر آنکھ کھل جائے ۔

در درون خود بیفزا درد را
تاببینی سبز و سرخ و زرد را

اپنے اندر درد محبت پیدا کرو تا کہ سبز، سرخ، زرد کے حقائق نظر آئیں۔ درد سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد اور ان رنگوں سے مراد یہ کہ حقائق نظر آنے لگیں۔ اللہ کی محبت کا درد ہو اللہ کی محبت کا درد پھر وہ سونے دے؟ شادی کی رات تو خواہش نفس سونے نہ دے اور اللہ کی محبت کے مدعی ہو کر کہتے ہیں کہ تہجد میں اٹھا نہیں جاتا، فجر میں آنکھ نہیں کھلتی۔ معلوم ہوا کہ درد محبت نہیں اگر درد محبت ہوتا تو وہ سونے کہاں دیتا۔

درد مند کی فریاد:

ایک لڑکی کو پہلی بار ولادت کا موقع ہوا تو اپنی اماں سے کہتی ہے کہ اماں جب میرا

وقت آئے آپ مجھے جگا دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ سوتے میں بچہ نکل جائے۔ اس کی اماں نے کہا کہ بیٹی جب وہ وقت آئے گا تو تو خود چیخ چیخ کر پورے محلّہ کو جگائے گی، تجھے جگانا نہیں پڑے گا۔ جس کے قلب میں محبت الٰہیہ کا درد پیدا ہو جاتا ہے وہ بھی یونہی فریاد کرتا ہے ؎

کہاں تک ضبط بے تابی کہاں تک پاس بدنامی
کلیجا تھام لو یارو کہ ہم فریاد کرتے ہیں

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

محبت الٰہیہ کا حمل:

کچھ بات سمجھ میں آئی جن لوگوں کو تہجد میں اٹھنے کے لئے وظیفوں کی ضرورت پڑتی ہے دراصل انہوں نے کسی اللہ والے سے حمل حاصل نہیں کیا۔ اگر یہ کسی اللہ والے سے محبت الٰہیہ کا حمل حاصل کر لیتے تو نہ صرف خود اٹھتے بلکہ دوسروں کو بھی اٹھاتے ؎

خواب را بگذار امشب اے پسر
یک شبے در کوئے بے خوابان گذر

ایک رات کے لئے نیند کو خیرباد کہہ دو، کسی رات بے خوابوں کی گلی میں گذر جاؤ، بس اتنا کر کے دیکھ لو پھر یہ بے خوابی ایسی دامن گیر ہو جائے گی کہ پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ:

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ جب حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ مجھ سے اذکار و اشغال نہیں ہو سکیں گے اس لئے کہ پڑھنے پڑھانے اور دوسرے علمی کاموں کی مشغولیت اس قدر ہے کہ اذکار واشغال کی فرصت ہی نہیں مل سکے گی۔ یہ حضرات صیاد ہوتے ہیں پھانسنے کے ماہر۔ فرمایا کہ ذکر کرنے کا طریقہ سیکھ لیجئے اس میں کیا حرج ہے کبھی موقع مل جائے تو کر لیا کریں ورنہ نہیں۔ خادم کو اشارہ فرمادیا کہ ان کا بستر میرے قریب ہی لگا دو۔ اس نے لگا دیا۔ تنور کے قریب بھلا کسی کو نیند کیسے آئے؟ ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ! کیا آگ بھری ہوگی

اب بستر پر کروٹوں پہ کروٹیں بدل رہے ہیں نیند بھلا کہاں آئے؟ بڑے میاں نے نہ جانے کیا پھونک دیا؟ ؎

اے سوختہ جاں کیا پھونک دیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دل میں

کیا جانے کس انداز سے ظالم نے نظر کی
حالت ہی دگر گوں ہے مرے قلب و جگر کی

پھنکتا ہوں شب و روز پڑا بستر غم پر
ہوتی ہے بری ہائے لگی آگ جگر کی

کاٹے نہیں کٹتا تری فرقت کا زمانہ
ہوتی نہیں اب شام جو مرمر کے سحر کی

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کو نیند نہیں آرہی سوچا چلو، آج رات تو کچھ کرلیں۔ دل میں ایک درد سا اٹھا۔ اب تو جال میں پھنس گئے نکلنا کہاں نصیب ہو؟ اٹھ کر نوافل اور ذکر میں مشغول ہوگئے۔ پھر تو زندگی بھر یہ مشغلہ بن گیا۔ بس ایک رات بے خوابوں کے کوچے میں گذاردی تو عمر بھر کے لئے بے خواب بن گئے۔

بات یہ چل رہی تھی کہ ترک معصیت سے محبت الٰہیہ میں ترقی ہوتی ہے۔ گناہوں سے جتنا زیادہ بچیں گے اتنا ہی تعلّق مع اللہ حاصل ہوگا۔

پہلے زمانے کے مسلمان:

پہلے زمانے میں لوگوں کی توجہ امراض باطنہ مثلاً حب جاہ، حب مال، حسد، ریاء، عجب اور کبر وغیرہ کی اصلاح کی طرف زیادہ ہوتی تھی کیونکہ ظاہری گناہوں سے بچنے کا اہتمام تو لوگ از خود کیا کرتے تھے۔ اس وقت معاشرہ ایسا تھا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ لوگ ظاہری صورت دشمنوں کی بنا کر مسلم معاشرہ میں رہیں۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ڈاڑھی ایک مٹھی سے کم رکھے یا یہ کہ نماز چھوڑ دے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تینوں ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تارک الصلوٰۃ واجب القتل ہے، ایک نماز چھوڑنے پر قتل کردیا جائے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے قید میں رکھا جائے اور روزانہ پٹائی لگائی جائے اتنا مارا جائے کہ خون بہنے لگے یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جائے کہ وہ توبہ کرلے یا مرجائے اس کا نتیجہ بھی وہی نکلا کہ مار کھاتے کھاتے مرجائے، فرق اتنا ہے کہ اس میں توبہ کرنے کی اور نماز کی پابندی کرنے کی مہلت مل جاتی ہے۔

آج کے معاشرہ میں گناہوں کی کثرت:

زمانہ گذرتے گذرتے معاشرہ میں بڑے بڑے گناہوں کا ایسا رواج پڑ گیا کہ لوگ انہیں گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ حرام خوری، بے پردگی، تصویر کی لعنت، گانا باجا، غیبت، بدنظری غرض یہ کہ ہر قسم کے گناہوں میں لوگ رات دن مبتلا ہیں اور ان سے نجات کی فکر اس لئے نہیں کہ وہ انہیں گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ جو لوگ ظاہری گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں انہیں میں خاص طور پر تنبیہ کرتا ہوں کہ معاشرہ میں گناہوں کی کثرت ہے اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ظاہری گناہوں کے چھوڑنے پر ہی اکتفاء کرلیں اور امراض باطنہ کی طرف توجہ نہ جائے اور سارا کیا کرایا ختم ہو جائے امراض ظاہرہ و باطنہ دونوں کی طرف توجہ رکھا کریں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وذروا ظاهر الاثم وباطنه﴾ (۶-۱۲۰)

"ظاہری گناہوں کو چھوڑ دو اور باطنی گناہوں کو بھی۔"

اور فرمایا:

﴿ولا تقربوا الفواحش ما ظهر منها وما بطن﴾ (۶-۱۵۱)

"ظاہری منکرات کے قریب بھی نہ پھٹکو اور باطنی منکرات کے قریب بھی۔"

اور فرمایا:

﴿قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن﴾

(۷-۳۳)

"کہہ دیجئے کہ میرے رب نے دونوں قسم کے گناہ حرام فرما دیئے ہیں ظاہری گناہ بھی اور باطنی گناہ بھی۔"

لیکن آج کے مسلمان کا حال یہ ہے کہ وہ تو ظاہری گناہ ہی نہیں چھوڑتا تو باطنی گناہوں کو چھوڑنے کی طرف کیا توجہ ہوگی۔

گناہ کی ہوس:

آج کے مسلمان کو گناہوں کی چاٹ ایسی لگی ہے کہ عذابوں پر عذاب، پریشانیوں پر پریشانیاں، رات کو نیند کی گولی کھائے بغیر سو نہیں سکتا مگر کچھ بھی ہو جائے یہ اللہ کی نافرمانی چھوڑنے پر تیار نہیں۔ اس سلسلہ میں دو قصے بھی سن لیں، اللہ کرے کہ یہ قصے ہی ہدایت کا ذریعہ بن جائیں۔

سندھ کی بلی اور مکہ کا بلا:

میری ابتداء جوانی کا قصہ ہے، تقریباً پچیس سال عمر ہوگی کام کی باتیں بحمد اللہ تعالیٰ مجھے یاد رہ جاتی ہیں۔ آدھی صدی سے زیادہ وقت گذر گیا مگر مجھے اب تک یہ قصہ یاد ہے اور آخر دم تک یاد رہے گا مسلمانوں کے حالات دیکھ دیکھ کر یہ قصہ یاد آتا رہتا ہے ایک چھوٹی سی لٹیا میں ہم بچہ کے لے دودھ رکھا کرتے تھے۔ رات کو اسے خوب اچھی طرح دھو کر رکھا کرتے تھے، ایک بار رات کو بلی آئی، وہ دیکھ بھی رہی ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی نہیں۔ بلی کی نظر بھی بہت تیز ہوتی ہے۔ اسے اندھیرے میں بھی اچھی طرح نظر آتا ہے، اس کی آنکھیں غور سے دیکھیں تو بتی کی طرح چمکتی ہیں سو وہ دیکھ بھی رہی تھی کہ لٹیا میں کچھ نہیں لیکن دودھ کی ذرا سی خوشبو محسوس ہوئی بس اس کی ہوس میں مست ہوگئی جیسے آج کا مسلمان مال کی محبت میں مست ہے۔ بلی نے اس میں منہ ڈالا تو اس کا سر گھس نہیں رہا تھا۔ اس لئے کہ لٹیا کا منہ تنگ تھا، آخر زور سے سر گھسیڑ ہی دیا مگر اب نکل نہیں رہا، اچھل کود رہی ہے، کھٹ کھٹ کی آواز سن کر ہماری آنکھ کھل گئی دیکھا کہ بلی رقص کر رہی ہے اس کو پکڑا اور کھینچ کر بڑی مشکل سے نکالا۔ ہم نے سوچا کہ اسے اچھی

خاصی سزامل چکی ہے دوبارہ یہاں نہ آئے گی لیکن دوسری رات پھر پہنچ گئی اور اسی طرح سر پھنسالیا۔ اب میں نے سوچا کہ اسے بقدر ضرورت سزا ملنی چاہئے یہ یوں باز نہیں آئے گی، جو شخص بنوٹ جانتا ہو وہ مارنے کا بھی تجربہ رکھتا ہے پوری طرح ناپ تول کر مارتا ہے نہ کم نہ زیادہ۔ میں نے بھی تول کر پورے اندازے سے اسے چند تھپڑ رسید کئے کہ اس کی اصلاح ہو جائے، آیندہ کسی کو نہ ستائے لیکن تیسری رات وہ پھر آگئی اور وہی تماشا شروع کر دیا۔ ہم لوگ حیران کہ قدرت کی طرف سے بار بار سزا مل رہی ہے۔ ہم بھی گوشمالی کر دیتے ہیں مگر باز نہیں آتی آخر ہم نے ہی ہار مان لی لٹیا کی جگہ تبدیل کر دی اس کی پہنچ سے دور رکھنے لگے۔ ہوس کا کرشمہ دیکھئے کہ دودھ ملنے کا بعید سے بعید بھی کوئی امکان نہیں صرف خوشبو پر ہی ایسی مست کہ جان بھی چلی جائے تو کوئی بات نہیں۔

اب مکے کے بلے کا قصہ بھی سن لیجئے۔ ایک بار مسجد حرام سے میرے میزبان مجھے اپنے گھر کی طرف لے جا رہے تھے، راستے میں دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہے قریب آئے تو دیکھا کہ ایک بلا لوٹے میں سر پھنسائے اسی طرح اچھل کود رہا ہے۔ لوگ اسے دم سے پکڑ کر کھینچ رہے ہیں وہ نکل ہی نہیں رہا عجیب تماشا بنا ہوا ہے۔ میزبان صاحب نے گاڑی روک لی کہنے لگے کہ اس قسم کے مواقع پر لوگ کچھ مخصوص قسم کے الفاظ بولا کرتے ہیں عربی کی ایسی لغات سیکھنے کے لئے میں ان کی باتیں توجہ سے سنتا ہوں اور مخصوص لغات ڈائری میں لکھ لیا کرتا ہوں۔ اسی لئے گاڑی روک لی ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے آپ وہ الفاظ سیکھیں میں بھی اس واقعہ سے ایک نیا سبق سیکھ رہا ہوں۔

آج کے مسلمان کے دل میں گناہوں کی ہوس اس سے بھی زیادہ ہے۔ گناہوں کی چاشنی میں ایسے مست کہ رات دن عذاب کے کوڑے لگ رہے ہیں، کوڑوں پر کوڑے، کوڑوں پر کوڑے برس رہے ہیں مگر یہ گناہ چھوڑنے پر تیار نہیں۔ یہ کوڑے تو کم ہیں، ان کے حالات تو یہ بتا رہے ہیں کہ جب جہنّم سامنے ہوگی اور ان سے کہا

جائے گا کہ گناہ چھوڑ دو ورنہ اس جہنّم میں جانا پڑے گا تو یہ لنگوٹا کس کر کود جائیں گے جہنّم میں مگر گناہ نہیں چھوڑیں گے۔

محبت کے جھوٹے دعوے:

چوٹی سے لے کر ایڑی تک اللہ کا نافرمان ہونے کے باوجود یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کے ایسے دعوے کرتا ہے کہ گویا عشق میں مرا جارہا ہے۔ اظہارِ عشق کے خود ساختہ طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔ ایسے طریقے جو نہ اللہ نے بتائے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے، نہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے۔ ان کی زندگی کے ایک ایک پہلو کو دیکھ لیجئے۔ خوشی کا موقع ہو یا غم کا، بدعات و منکرات کی بھرمار ہے اور نعرے لگاتے ہیں "مر گئے تیرے عشق میں یا رسول اللہ" جب ان سے پوچھا جائے کہ آپ محبت کے نعرے تو اتنے لگاتے ہیں لیکن صورت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں جیسی ہے۔ اگر آپ واقعۃً اپنے دعوائے محبت میں سچے ہوتے تو پورے جسم کے کسی حصہ پر محبت کا کوئی اثر تو ظاہر ہوتا، یہاں تو چوٹی سے ایڑی تک بغاوت ہی بغاوت نظر آرہی ہے۔

شیر گودنے کا قصہ:

ایک شخص گودنے والے کے پاس شیر گدوانے چلا گیا۔ اس نے جو سوئی چبھوئی تو چیخ نکل گئی، ہائے ٹھہر جاؤ! ٹھہر جاؤ! کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا کان بنا رہا ہوں۔ ارے! کان ضروری تو نہیں شیر بوچا بھی تو ہوتا ہے۔ کان نہ بناؤ۔ پھر اس نے سوئی چبھوئی تو اس نے چیخ ماری ارے! اب کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا دم بنا رہا ہوں۔ کہتا ہے کہ شیر لنڈورا بھی تو ہوتا ہے بغیر دم کے ہی بنا دو۔ اس نے پھر سوئی چبھوئی تو پھر چیخ نکل گئی ارے! اب کیا بنانا شروع کیا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ پاؤں بنا رہا ہوں۔ اس نے کہا ارے

شیر لنگڑا بھی تو ہوتا ہے پاؤں نہ بناؤ۔ اس نے کہا اللہ نے ایسا کوئی شیر پیدا ہی نہیں کیا جس کا نہ کان ہو نہ دم ہو نہ پاؤں، آئے ہو شیر گدوانے اور ایک سوئی کی بھی سہار نہیں ذرا سی نوک چبھی اور چیخ نکل گئی۔

آج کے مسلمان کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کے دعوے تو بہت کرتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ نافرمانی نہیں چھوڑتے۔ ایک ایک گناہ کے بارہ میں تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ گناہ چھوڑنے کا سن کر اس کی جان نکل جاتی ہے جیسے اس شیر گدوانے والے کی جان نکل رہی تھی۔ کہتا ہے کہ مسلمان ہوں مسلمان ارے واہ! تیری مسلمانی کے کیا کہنے شاباش!

محبت تو دل میں ہے:

ان کے حالات تو یہ بتاتے ہیں کہ محبت کی انہیں ہوا بھی نہیں لگی۔ وہی قصہ ہو گیا کہ سارے گناہ کرتے رہو اور جب کوئی پوچھے کہ محبت کہاں ہے اگر ہوتی تو آپ کے قول و فعل سے ظاہر بھی ہوتی تو جواب دیتے ہیں کہ محبت تو دل میں ہے۔ ایمان ہمارے دل میں ہے دل میں۔

دلی کے ایک مشہور شاعر مرزا قتیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی مدح و ثناء میں بہت اعلیٰ درجہ کی نعتیں کہا کرتے تھے عشق محبت میں ڈوبا ہوا ان کا فارسی کلام کسی ایرانی نے سنا تو اسے خیال گذرا کہ شاید کوئی بڑے عارف اور صاحب نسبت بزرگ ہیں اس لئے ایران سے سفر کر کے دلی ان کی زیارت کو پہنچا، ان کے گھر جا کر پتا کیا تو گھر والوں نے بتایا کہ حجام کی دوکان پر گئے ہیں آج کل تو ڈاڑھی مونڈنے والوں نے پھاوڑے اپنے گھروں پر ہی رکھے ہوئے ہیں مگر اس زمانے میں پھاوڑوں کی یہ گرم بازاری نہ تھی ڈاڑھی منڈوانے کے لئے خود حجام کی دوکان پر جانا پڑتا تھا۔ وہ ان کی تلاش میں حجام کی دوکان پر گیا وہاں دیکھا کہ عاشق رسول شاعر صاحب ڈاڑھی منڈوا رہے ہیں۔ یہ منظر

دیکھ کر اس کے نادیدہ عاشق بے چارے ایرانی کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، ورطہ حیرت میں ڈوب گیا اور پوچھا:

"آغا! ریش می تراشی؟"

"ارے عاشق رسول! یہ کیا؟ ڈاڑھی منڈوا رہا ہے؟"

اس نے بھی شاعرانہ انداز سے جواب دیا:

"ریش می تراشم و لے دل کسے نمی خراشم۔"

"کہ ہاں ڈاڑھی ہی منڈوا رہا ہوں کسی کا دل تو نہیں دکھا رہا۔"

وہی بات جو آج کل کے بے دین کہتے ہیں کہ دل پاک ہونا چاہیے، شاعر صاحب بھی یہی کہنے لگے کہ محبت تو میرے دل میں بھری ہے ڈاڑھی منڈا لی تو کیا فرق پڑا؟

اس کی مثال میں یوں دیا کرتا ہوں کہ کسی نے زرعی زمین بیچنے کا اشتہار دیا کہ میری یہ زمین بہت ہی سرسبز و شاداب اور زرخیز ہے، خریدار دیکھنے پہنچے تو حیران! کہ یہ تو کہتا تھا پوری زمین سرسبز ہے مگر یہاں سبزہ تو کجا ایک پتی بھی نظر نہیں آرہی ہے۔ اس سے پوچھا کہ وہ زرخیز زمین کہاں ہے یہاں تو کچھ نظر نہیں آرہا۔ وہ کہنے لگا یہی زرخیز زمین ہے جس پر کھڑے ہو لیکن تمہیں نظر نہیں آئے گا در اصل یہ اندر سے زرخیز ہے، اس کی ظاہری صورت پر نہ جاؤ۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن نیک گمان کرتے ہوئے سمجھے کہ شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمین پر اگر محنت کی جائے، پانی دے کر ہل چلایا جائے، اچھا تخم ڈالا جائے تو زرخیز ہو جائے گی، اچھی پیداوار دے گی۔ بے چاروں نے یہ بھی کر کے دیکھ لیا مگر وہ بنجر زمین جوں کی توں پڑی ہے جو تھوڑا بہت تخم ڈالا تھا وہ بھی جل گیا، وہ بے چارے پھر پوچھتے ہیں مگر یہ ڈھٹائی کے ساتھ اب بھی وہی رٹ لگائے جا رہا ہے کہ زمین اندر سے زرخیز ہے اندر سے۔ یہی حال ڈاڑھی منڈانے والے عاشقوں کا ہے کہ باہر سے عشق و محبت کا کوئی اثر نظر آئے یا نہ آئے لیکن دل میں ہے۔

اللہ کے بندو! وہ محبت ہی کیا ہے جو دل میں چھپی رہے اور چہرے مہرے پر کہیں اس کا اثر تک نظر نہ آئے، جو محب کو اپنے محبوب کے اتباع پر بھی نہ ابھار سکے، اس کے اعمال پر اثر انداز نہ ہو۔ یاد رکھئے! یہ محبت نہیں فریب ہے، ایسا کھلا فریب جس کے دام میں کوئی عام شخص بھی نہیں آسکتا اگر یقین نہ آئے تو کسی کو یہ فریب دینے کی کوشش کر کے دیکھ لیجئے کہ میرے محبوب! میرے دلربا! میں تیری محبت میں مرا جارہا ہوں، پگھلا جارہا ہوں مگر دیکھ میرے سامنے مت آئیو، یوں تو تیرے پیچھے مرا جارہا ہوں لیکن تیری صورت دیکھنا گوارا نہیں ؂

ہم فراق یار میں گھل گھل کے ہاتھی ہوگئے
اتنے گھلے اتنے گھلے رستم کے ساتھی ہوگئے

بتائیے وہ اسے اپنے ساتھ محبت سمجھے گا یا بدترین مذاق؟ کیا وہ اس کا گریبان پکڑ کر پوچھے گا نہیں کہ مجھ سے محبت ہے تو میری صورت سے نفرت کیوں؟ آخر یہ محبت کی کون سی قسم ہے؟ پیار اور محبت کی کونسی اداء ہے کہ محبوب کا چہرہ دیکھنا بھی گوارا نہیں، محبوب پہ جفاکار اس کے دشمنوں کا وفا شعار یہ دوستی نہیں دوستی کے لبادے میں دشمنی ہے، ایسے دوست نما دشمن سے محبوب پوچھے گا ؂

ساتھ غیروں کے مری قبر پہ آتے کیوں ہو
تم جِلاتے ہو مجھے تو جَلاتے کیوں ہو

مرزا قتیل کی بات چل رہی تھی، اس نے کہا:

"بلے ریش می تراشم و لے دل کسے نمی خراشم۔"

"ہاں ڈاڑھی ہی منڈا رہا ہوں کسی کا دل تو نہیں دکھا رہا۔"

آگے اس ایرانی کا جواب بھی سنئے، یا اللہ! اس ایرانی کا جواب ہم سب کے دلوں میں اتار دے تجھے تیری رحمت کا صدقہ کہ ہمارے دلوں کی گہرائی میں اسے اتار دے وہ

بولا:

”اے نادان! دل سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم می خراشی۔“

ارے نادان! تو کہتا ہے کہ میں کسی کا دل نہیں دکھا رہا تو تو دونوں جہانوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھا رہا ہے، اس ذات والاصفات کا دل زخمی کر رہا ہے جن کی خاطر یہ دونوں جہان پیدا کیے گئے۔ یہ سنتے ہی مرزا قتیل بے ہوش ہو گیا جب ہوش میں آیا تو زبان پر یہ شعر جاری تھا ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جان جان ہمراز کردی

باقی یہ بات کہ ڈاڑھی کٹانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھتا ہے کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے۔ امت کی بدعملیوں سے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھتا ہے۔

امتحان محبت:

آج کل کے مسلمان نے تو معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کو بے وقوف سمجھ رکھا ہے کہ یہ لوگ محبت کے زبانی دعوے کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی نافرمانیوں کے باوجود ان کے اس دعوائے محبت کو قبول فرمالیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنئے:

﴿احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون○ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللّٰہ الذین صدقوا ولیعلمن الکٰذبین○﴾ (۲۹-۱ تا ۳)

کیا لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ کہہ دیں گے کہ ہم ایمان لائے اور بغیر امتحان لئے ہم ان کا دعویٰ قبول کرلیں گے، فرمایا یہ خیال غلط ہے۔ جو بھی ایمان کا دعویٰ کرے گا ہم

امتحان لئے بغیر اس کا دعویٰ قبول نہیں کریں گے۔ فرمایا ہم یقیناً امتحان لیں گے مگر امتحان محبت کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے، اللہ کو اپنے بندوں سے بہت محبت ہے، بہت ہی محبت، اللہ کرے کہ بندوں کو بھی اللہ سے محبت ہوجائے۔ اگر وہ اچانک امتحان لیتے اور ازل میں انسان نے جو وعدہ اللہ سے کیا تھا اللہ تعالیٰ اسی پر اکتفاء فرماتے اور پھر اچانک ہی امتحان لے لیتے تو یہ کوئی ظلم نہ ہوتا۔ اس لئے کہ جب کوئی محبت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس سے یہ تھوڑا ہی کہا جاتا ہے کہ میں تیرا امتحان لوں گا۔ وہ امتحان ہی کیا ہوا جس میں پہلے سے بتا دیا جائے، سوچئے! اس سے تو امتحان کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ کسی سے یہ کہہ دیا جائے کہ دیکھو میں یوں کروں گا، ایسے کہوں گا اور یہ تمہارا امتحان ہوگا، وہ شخص تو پہلے سے تیار ہوجائے گا۔ امتحان تو وہ ہوتا ہے کہ کسی سے اچانک پوچھا جائے اور اسے پتا نہ چلے کہ یہ کیوں پوچھ رہا ہے، اس کو مبہم رکھ کر پوچھا جائے تو پتا چلتا ہے محبت کی حقیقت کا مگر اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت، یا اللہ! تو اپنی اس رحمت اور محبت کی قدر کرنے کی اور شکر اداء کرنے کی توفیق عطاء فرما۔ پہلے سے بتا دیا کہ میرے بندو! دیکھنا تیار رہنا میں تمہاری محبت کے دعووں کا امتحان لوں گا۔

امتحان کی قسمیں:

امتحان کی تین قسمیں ہیں:

1. وہ امتحان جو کسی کو ذلیل کرنے کے لئے ہو۔ ممتحن نے پہلے سے یہ طے کیا ہوا ہے کہ اسے ناکام کرنا ہے، اس کے ساتھ دشمنی یا مخالفت ہے۔
2. وہ امتحان جس میں ممتحن کو اس سے کوئی غرض نہ ہو کہ امتحان دینے والا کامیاب ہوتا ہے یا ناکام۔
3. ممتحن کو مُمتحن کے ساتھ محبت ہے تو وہ پہلے سے بتا بھی دیتا ہے کہ دیکھو میرے

دوست تمہارے ساتھ مجھے بہت محبت ہے، محبت میں جو امتحان ہوگا ایک تو وہ آسان ہوگا اور دوسرے پرچہ میں خود حل کروادوں گا، بس تم ذرا سی ہمت کرو۔ اس امتحان میں تمہیں جو زحمت اٹھانا پڑے گی تو اس پر ہماری طرف سے انعامات کی بارش ہوگی۔

اب ذرا ان باتوں کو سوچیں:

❶ پہلے سے اس نے بتادیا کہ ہم امتحان لیں گے، ہوشیار رہو۔

❷ امتحان بہت آسان ہوگا کیوں کہ محبت کا امتحان سخت نہیں ہوا کرتا۔

❸ اس ہلکے سے، آسان سے امتحان میں تمہیں جو تکلیف اٹھانا پڑے گی اس پر ہماری طرف سے بہت بڑے بڑے انعامات سے نوازا جائے گا۔

اب بھی اگر کوئی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تو اس جیسا محروم اور بدبخت کون ہوگا؟

امتحان کی نوعیت:

کیا امتحان ہوگا، فرمایا:

﴿ولنبلونكم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرٰت وبشر الصبرین ۝ الذین اذا اصابتهم مصیبة قالوا انا لله وانا الیه رجعون ۝ اولئک علیهم صلوٰت من ربهم ورحمة واولئک هم المهتدون ۝﴾ (۲-۱۵۵ تا ۱۵۷)

جیسا کہ ابھی میں نے تفصیل بتائی کہ امتحان تھوڑا سا ہوگا شیء پر تنوین تقلیل کے لئے ہے، بہت تھوڑا سا امتحان لیں گے، امتحان کی صورت کیا ہوگی، خوف، فقرو فاقہ، جانی اور مالی نقصان، زراعت وغیرہ میں نقصان ہوگا۔ ایسے میں جو شخص ہمت سے کام لے گا کامیاب ہوجائے گا اور ہماری طرف سے اس پر دنیا اور آخرت میں انعامات کی بارشیں ہی بارشیں ہوں گی۔

آج کے معاشرہ میں اللہ تعالیٰ محبت کے کیسے کیسے امتحان لے رہے ہیں۔ اگر حرام آمدنی کے ذرائع چھوڑ دیئے تو مالی نقصان ہوتا ہے، پکے دیندار بن جاتے ہیں تو لوگوں سے تعلّقات کٹتے ہیں، جب تعلّقات کٹیں گے تو معاشرہ میں عزت نہیں رہے گی، عزت کو نقصان پہنچ رہا ہے، لوگ طرح طرح کے طعنے دیں گے، ملامت کریں گے، جانی اور مالی نقصان بھی برداشت کرنے پڑیں گے، ان حالات میں اگر تم نے یہ نعرہ لگا دیا ؎

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہئے
مد نظر تو مرضئ جانانہ چاہئے
بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ
کیا کیا تو کرنا چاہئے کیا کیا نہ چاہئے

وعظ سننے کا مقصد دل بنانا ہے:

یہاں ایک بات ذرا عقل کی بتاتا چلوں کوئی نصیحت کی کتاب دیکھنے سے یا کسی کا وعظ سننے سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ علم میں اضافہ ہو جائے بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ بات دل میں اترے، دل بن جائے، عمل کی توفیق ہونے لگے۔ یہ اس پر بتا رہا ہوں کہ یہ شعر جو میں نے ابھی پڑھا ہے شاید ہی کوئی مجلس اس سے خالی جاتی ہو۔ یہ بات نہیں کہ میں بھول جاتا ہوں اس لئے بار بار پڑھتا ہوں اور نہ ہی میرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ شعر سنانا ہے وہ تو ایک بار پڑھ دیا تو سنا دیا اور اگر میرا مقصد یہ ہوتا کہ آپ لوگوں کو یہ شعر یاد کروانا ہے تو آٹھ دس بار پڑھ دیا تو چلئے یاد کر ہی لیا ہوگا۔

اس سے دو مقاصد ہیں:

❶ یہ شعر بار بار اس لئے پڑھتا ہوں کہ سامعین کے دلوں میں اتر جائے۔

❷ کسی کے دل میں اترے یا نہ اترے مجھے ان اشعار کو پڑھنے میں مزا آتا ہے، وہ مزا محبت کو شہ دیتا ہے ؎

نظر نظر سے جو ٹکرا گئی تو کیا ہوگا
مری محبت کو شہ آگئی تو کیا ہوگا

محبت کو شہ دینے والی باتیں تو کوئی سنے یا نہ سنے، کسی پر اثر ہو یا نہ ہو، دل یہ چاہتا ہے کہ بڑھتا ہی رہوں اور چڑھتا ہی رہوں، درجات قرب، درجات محبت چڑھتا ہی چلا جاؤں، پھر سن لیجئے محبت کے تقاضے کیا ہوتے ہیں ؎

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہئے
مد نظر تو مرضیٔ جانانہ چاہئے
بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ
کیا کیا تو کرنا چاہئے کیا کیا نہ چاہئے

یہ ہوتی ہے محبت۔ نفسانی خواہشات کو، برے معاشرہ اور بے دین ماحول کے تقاضوں کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیا تو ٹھیک ہے۔ حرام چیزیں سامنے آرہی ہیں لیکن آپ نے کہہ دیا کہ مسلمان حرام سے دور رہتا ہے تو آپ کے والدین، بھائی بہن، احباب واقارب، آج کل دوست کی صورت میں شیطان بہت ہیں سب کے سب مل کر سمجھائیں گے کہ اتنا پیسا مل رہا ہے ارے احمق! تو پاگل ہو گیا اتنا بڑا منصب مل رہا ہے ایسے سنہری موقع کو کیوں ضائع کر رہا ہے؟ جب کوئی بنک والا اپنا تعارف کرواتا ہے تو کچھ نہ پوچھئے بڑی شان سے کہتا ہے کہ فلاں بینک کا مینیجر ہوں، فلاں بینک کا ڈائریکٹر ہوں، مقصد یہ کہ پاخانہ اتنا کھاتا ہے، اتنا کھاتا ہے کہ لت پت ہو رہا ہے پاخانے میں۔

خضر کی صورت میں ابلیس:

ایک بار میں مشق جہاد کے وقت چکر لگا رہا تھا دو تین افراد میرے قریب آگئے۔ ویسے تو میں کسی سے بات نہیں کیا کرتا کیونکہ میرے پاس وقت ہی نہیں ہوتا لیکن ان

کے حلیے ماشاء اللہ ایسے کہ گویا قبروں سے بڑے بڑے اولیاء اللہ اٹھ کر آگئے ہوں۔ جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے سوچا کہ ان سے تو بات کرنا ہی پڑے گی۔ مصافحہ کیا، ان کے سب سے بڑے رئیس کی پیشانی پر نماز کا بہت بڑا سا نشان تھا دوسروں نے ان کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ یہ پنجاب سے تشریف لائے ہیں، تبلیغ کے لئے جماعت میں آئے ہوئے ہیں، وہاں فلاں بینک کے ڈائریکٹر ہیں۔ ارے واہ! میرے تو ہوش ہی اڑ گئے یا اللہ! خیر ؎

میں سمجھا تھا جسے خضر رہ دین مبیں زاہد
نقاب الٹا تو در پردہ وہ ابلیس لعیں نکلا

میں تو سمجھا تھا کہ خضر علیہ السلام تشریف لے آئے، پتا چلا کہ حرام خور پاخانے کے ٹوکرے کے ٹوکرے کھا گیا اور ڈکار بھی نہیں لی:

درینجا مردمانند کہ دریا می خورند و آروغے نمی زنند۔

"یہاں حرام خوری کے اتنے بڑے بڑے بہادر ہیں کہ ٹوکروں کے ٹوکرے پاخانے کے کھا کر ڈکار بھی نہیں لیتے۔"

مسلمان سے سوال:

آج کے مسلمان کو تو حب دنیا نے تباہ کر دیا یہ مسلمان بننا ہی نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے گھر میں پیدا کر دیا اس لئے بیچارہ مجبور ہے۔ ان کے حالات دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آج کی مسلمان عورت کو پیدا کرنے سے پہلے اس سے یہ پوچھتے کہ تو مسلمان کے گھر میں پیدا ہونا چاہتی ہے یا کسی ہندو کے گھر میں؟ اگر ہم نے تجھے مسلمان کے گھر میں پیدا کر دیا تو چاروں تخموں سے، دیور، جیٹھ سے، نندوئی اور بہنوئی سے تجھے پردہ کرنا ہو گا اور ٹی وی نہیں دیکھے گی، غیبت نہیں کرے گی، تصویر کی لعنت

سے دور رہے گی، جھوٹ نہیں بولے گی اور اگر تجھے پیدا کر دیا کسی مشرک بنئے کے یا کسی عیسائی، یہودی کے گھر میں تو پھر کوئی پابندی نہیں، ننگی ناچتی رہو، جو چاہو سو کرو۔ تو خود ہی سوچ کر بتائیں کہ اس کا جواب کیا ہوتا؟ یہ کہتی نا کہ یا اللہ! مسلمان کے گھر میں تو بہت پابندیاں ہیں، کوئی مزا ہی نہیں اس سے بہتر ہے کہ تو مجھے کسی مشرک یا کافر کے گھر میں پیدا کر دے کم از کم آزاد تو رہوں گی بعد میں جہنّم میں بھی چلی گئی تو کوئی بات نہیں، بتائیے ایسی بات ہے یا نہیں؟

اسی طرح اگر آج کے مسلمان مرد کو پیدا کرنے سے پہلے اس سے اللہ تعالیٰ یہ پوچھے کہ بتا تجھے مسلمان کے گھر میں پیدا کروں یا کسی مشرک کافر کے ہاں؟ تجھے اختیار دیتا ہوں جہاں تو کہے گا وہیں پیدا کردوں گا۔ اگر مسلمان کے گھر میں پیدا ہونا چاہتا ہے تو تجھے صورت وہ بنانی پڑے گی جسے آج کا مسلمان کہتا ہے کہ ارے! ارے! وہ بکرا آگیا بکرا۔ میری محبت میں تجھے مرد بننا پڑے گا یہ نہیں ہوسکتا کہ میں کسی کو مرد پیدا کروں اور وہ بننا چاہے لڑکی، لڑکی بھی بن جاتا تو کسی کام تو آتی یہ بنتے ہیں مخنث، حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

ہین مخنث نے تو مردی نے توزن

واہ رومی واہ! اللہ تیرے درجات بلند فرمائے۔ "ہیں" ڈانٹ کا لفظ ہے۔ جب کسی کو ڈانٹتے ہیں تو "ہیں" کر کے بولتے ہیں۔ یہاں حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ ڈانٹ کر کہہ رہے ہیں کہ "ہیں مخنث" جس کی ڈاڑھی پوری نہیں وہ نہ مرد ہے نہ عورت مخنث ہے مخنث، نہ ادھر نہ ادھر۔

ایک بات تو یہ ہوگئی کہ مردانہ صورت بنانی پڑے گی یعنی کم از کم ایک مشت ڈاڑھی رکھنی پڑے گی۔ اس کے علاوہ حرام خوری نہیں کرے گا، گانا بجانا، ٹی وی کی لعنت، بدنظری غرض ہر قسم کا فسق و فجور چھوڑنا پڑے گا۔ اگر ہم نے تجھے اپنے بندے کے گھر میں پیدا کر دیا، بندے کے معنی غلام، اگر اپنے غلام کے گھر میں تجھے پیدا کیا تو تجھے بھی

میرا غلام بن کر رہنا ہوگا اور غلام اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتا ۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن
دل بدست دگرے دادن وحیران بودن

عاشقی یہ ہے کہ محبوب کا غلام بن جائے اور اپنا دل سینے سے نکال کر محبوب کے ہاتھ میں پکڑا دے کہ بس تو جانے اور میرا دل جانے مجھے اس پر کوئی اختیار نہیں رہا۔ مسلمان تو میرے غلام ہوتے ہیں، میرے احکام کے پابند ہوتے ہیں۔

اللہ کے بندے ہر وقت خوش رہتے ہیں:

لطف کی بات یہ ہے کہ میں اپنے بندوں کو، اپنے غلاموں کو تمام تر پابندیوں کے باوجود دنیا اور آخرت میں ایسا مسرور رکھتا ہوں، ایسا خوش رکھتا ہوں کہ ان کے مقابلہ میں جو آزاد کہلاتے ہیں انہیں کبھی خواب وخیال میں بھی وہ لذت حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو میرا بندہ بن جاتا ہے کہنے کو تو ہے غلام، کہنے کو تو ہے پابند مگر اس کا دل ایسا بن جاتا ہے کہ دنیا بھر کی مسرتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے ۔

سرورٌ سرورٌ سرورٌ سرور
بڑا لطف دیتا ہے نام سرور

ایسا سرور پیدا ہوتا ہے کہ سرور کے لفظ سے بھی مزا آتا ہے۔

غلام کا آقا پر اعتماد:

ایک بار کسی جگہ بہت سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ لوگ بھوکوں مر رہے تھے۔ ایک رئیس کا غلام خوشی سے اچھلتا کودتا ہوا، ناچتا گاتا ہوا پھر رہا تھا، کسی نے کہا کہ اللہ کے بندے! لوگ بھوکوں مر رہے ہیں اور تو خوشیاں منا رہا ہے۔ وہ جواب میں کہتا کہ ارے! میرے رئیس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں، لوگ مر رہے ہیں تو مجھے کیا۔ ایک غلام

کو اپنے آقا پر جو اسی جیسا بندہ تھا، مخلوق تھا، اتنا اعتماد اور آج کے مسلمان کو اللہ پر وہ اعتماد حاصل نہیں۔ یا اللہ! تو نے مسلمانوں کے گھر پیدا فرمادیا۔ اسی رحمت کے صدقے سے تو اپنی ذات پر اعتماد کامل عطاء فرمادے، درحقیقت اسے اعتماد اس لئے نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کا غلام بننا ہی نہیں چاہتا۔ خوشی جب پیدا ہوگی کہ اس کا غلام بن جائے۔

عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہندو بچہ:

عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے وقت میں ایک ہندو راجہ مرگیا۔ اس کا بیٹا کم عمر تھا۔ یہ سوال پیدا ہوا کہ اس کو حکومت دی جائے یا نہیں۔ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس بچہ کو میرے پاس لاؤ میں دیکھ کر فیصلہ کروں گا۔ جب بچہ کو عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس لائے تو وہ اس وقت حوض کے کنارے پر نہانے کی تیاری کررہے تھے۔ بچہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر حوض کے اوپر لٹکا کر پوچھا کہ چھوڑ دوں؟ بچہ کہتا ہے کہ جس کا ہاتھ آپ جیسے بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اسے ڈوبنے کا کیا خطرہ۔ فرمایا بس فیصلہ ہوگیا، میں نے دیکھ لیا، اسے حکومت دے دو۔ آج کے مسلمانوں کو اللہ پر اتنا اعتماد بھی نہیں جتنا کافر بچہ کو مخلوق بادشاہ پر تھا۔ دراصل اس نے اللہ کو اپنا ہاتھ پکڑایا ہی نہیں۔ اگر یہ اپنا ہاتھ اللہ کو پکڑا دیتا تو اعتماد ہوتا۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ پیدا کرنے سے پہلے پوچھ لیں تو ذرا سوچئے! مسلمانوں کی اکثریت کا جواب یہ ہوگا یا نہیں کہ یا اللہ! تو ہمیں کسی مشرک، کسی کافر کے گھر میں پیدا فرمادے کیونکہ مسلمان کی تو صورت سے ہمیں نفرت ہے۔ آج مسلمان کو اسلام مشکل نظر آرہا ہے ایک ایک حکم پر اس کی جان نکل جاتی ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ چند احکام پر عمل کرکے بزعم خویش خود کو بہت بڑا ولی اللہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کے بلند بانگ دعوے کرنے لگتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی محبت کا دعوی کرتے ہیں خود کو دیندار سمجھتے ہیں جب انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف

سے مقیاس الحرارہ (تھرمامیٹر) لگایا جاتا ہے ان کی آزمائش ہوتی ہے کہ واقعۃً یہ دیندار ہیں بھی یا نہیں۔ انہیں تو سب کچھ معلوم ہے وہ تو سینوں کے مخفی راز تک جانتے ہیں:

﴿یعلم خائنۃ الاعین و ماتخفی الصدور۝﴾ (۴۰-۱۹)

﴿ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس بہ نفسہ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید۝﴾ (۵۰-۱۶)

امتحان تو وہ اس لئے لیتے ہیں کہ دنیا دیکھ لے کہ یہ واقعۃً مجنوں ہے یا مالیدہ کھانے والا مجنوں ہے۔

مالیدہ کھانے والے مجنوں کا قصہ:

لیلیٰ مجنوں کے لئے روزانہ مالیدہ بنا کر بھیجا کرتی تھی۔ ایک شخص درمیان میں مجنوں بن کر بیٹھ گیا اور جب لیلیٰ مالیدہ بنا کر بھیجتی تو یہ نقلی مجنوں صاحب مالیدہ لے کر کھا جایا کرتے تھے۔ لیلیٰ کو جب اس قصہ کا علم ہوا تو اس نے ایک دن مالیدے کی بجائے خالی پیالہ اور خنجر رکھ کر بھیج دیا اور کہلوا دیا کہ آج لیلیٰ نے مجنوں کا خون منگوایا ہے جب اس شخص نے یہ بات سنی تو گھبرا کر بولا کہ میں مجنوں تھوڑا ہی ہوں۔ مجنوں کہیں ایک طرف سر جھکائے بیٹھا تھا اس کی طرف اشارہ کر کے بولا کہ مجنوں تو وہ بیٹھا ہوا ہے جاؤ اس سے جا کر خون مانگو۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ امتحان لیا جاتا ہے تو جو نام کے عاشق ہوتے ہیں وہ تو چلا اٹھتے ہیں کہ ہم تو باز آئے ایسے عشق سے، ہم تو حلوے کھانے والے عاشق ہیں خون دینے والے عاشق "طالبان" ہیں جاؤ ان سے خون مانگو۔

مؤمن کے لئے اللہ کافی ہے:

جو واقعۃً مجنوں ہے اس کی حالت تو یہ ہو جاتی ہے ؎

مجھے دوست چھوڑدیں سب کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے
شب و روز میں ہوں مجذوب اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

ارے! کچھ دل میں بات اتر رہی ہے ؏

مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے

جب میرا اللہ میرے ساتھ ہے تو مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ضعف اور عاجزی کو دیکھ کر قرآن مجید میں یہ نسخہ بار بار بیان فرمایا ہے کہ لوگ جب کہیں کہ تم تو دنیا سے کٹ جاؤ گے سب تمہیں چھوڑ دیں گے پھر اس دنیا میں زندہ کیسے رہو گے تو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے نسخے استعمال کریں، یوں جواب دیں:

﴿واعلموا ان اللّٰہ مع المتقین۝﴾ (۹۔۳۶)

یقین کر لو یہ بات بلاشبہ پکی، سچی، یقینی ہے کہ جو لوگ گناہوں سے بچتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ہے ارے! اللہ جس کے ساتھ ہو اور پھر وہ گھبرائے کہ لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا معلوم ہوا کہ ایمان ہے ہی نہیں اگر ایمان ہوتا تو اللہ کے وعدوں پر یقین ہوتا، فرمایا:

﴿ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۝﴾ (۱۶۔۱۲۸)

اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو گناہوں سے بچتے ہیں۔ جب وہ ساتھ دیتے ہیں پھر تم کیوں ڈرتے ہو؟:

﴿انما ذلکم الشیطن یخوف اولیاءہ فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مؤمنین۝﴾ (۳۔۱۷۵)

یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم نیک بن گئے، گناہوں کو چھوڑ دیا تو اس دنیا میں نہیں

رہ سکو گے، ایسے لوگوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا خطاب سن لیجئے، اللہ ان لوگوں کو شیطان کہہ رہا ہے: انماذلکم الشیطن۔ یہ صرف شیطان نہیں بلکہ پکے شیطان ہیں پکے شیطان تم ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو اور مجھ سے صرف اسی وقت ڈرو گے جب تمہارے دلوں میں ایمان ہوگا۔

نافرمان کو اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں:

اللہ تعالیٰ بار بار فرما رہے ہیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اسے پھر بھی یقین نہیں آتا اس لئے کہ اللہ کی نافرمانی کرتے کرتے دل سیاہ ہوگیا ہے، اسے اللہ پر یقین نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ گناہوں کا وبال ہے۔ گناہ کرتے کرتے صحیح اور غلط کی تمیز نہیں رہتی۔ آج کے مسلمان نے قرآن کو خوانیاں کرنے اور لڈو کھانے کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے اسے معلوم ہی نہیں کہ قرآن میں ہے کیا اور نہ ہی یہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ بس خوانیاں کرتے رہو، مٹھائیاں کھاتے رہو اور اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں بڑی برکت ہے، ارے! برکت تو قرآن میں یوں ہے کہ اس میں نافرمانی چھوڑنے کے نسخے ہیں۔ اس کی برکت تو اسی صورت میں حاصل ہوگی کہ ان نسخوں پر عمل کرکے اللہ کو راضی کرلیا جائے مگر ان نسخوں پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ معلوم ہو کہ نسخے ہیں کیا۔ قرآن میں اللہ نے کیا نسخے بیان فرمائے ہیں یہ تو آج کا مسلمان جاننا ہی نہیں چاہتا۔

قرآن سے نفرت:

ایک عورت کے شوہر نے مجھے بلاواسطہ بتایا کہ اس کی بیوی نے ترجمۂ قرآن پڑھنا شروع کیا جب پہنچی پردے کی آیات پر تو کہتی ہے کہ لے جاؤ اس قرآن کو مجھے ایسا قرآن نہیں چاہئے۔ شوہر نے بہت سمجھایا کہ پڑھ تو لو چاہے عمل نہ کرنا۔ وہ کہتی ہے کہ

مجھے ایسا قرآن چاہئے ہی نہیں۔ یہ قرآن کی خوانیاں کرنے والے، سروں پر رکھنے والے، چومنے والے، برکت کے لئے سینوں سے لگانے والے، مریضوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکنے والے اور طشتریوں پر لکھ کر دھو دھو کر پلانے والے، انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ اس قرآن میں ہے کیا اگر معلوم ہو جائے تو سارے قرآن جمع کر کے کیماڑی میں ڈال آئیں۔

حصول رحمت کا ذریعہ:

کسی نے مجھے پرچے میں لکھ کر دیا کہ میں نئی دوکان کھول رہا ہوں لوگ کہتے ہیں کہ اس موقع پر خوانی کروائیں اور چونکہ خوشی کا موقع ہے اس لئے مٹھائی بھی کھلائیں۔ اس کا جواب سن لیجئے۔ جب بھی آپ کے دوست نما دشمن اس قسم کا مطالبہ کریں تو ان سے یہ کہا کریں کہ جہاں میری دوکان یا مکان ہے وہاں سب لوگ پہنچ جائیں اور جب وہاں آئیں تو اپنے گھروں سے تمام تصویریں، ٹی وی اور پھاوڑے وغیرہ ساتھ لے کر آئیں اور انہیں ضائع کریں، اللہ سے توبہ کریں اور آیندہ ہر قسم کی نافرمانی چھوڑنے کا وعدہ کریں، اللہ کی جو رحمت اس پر نازل ہوگی وہ دغا بازوں پر نازل نہیں ہوگی یہ فریب کی باتیں چھوڑ دیں۔ قرآن کی مخالفت کرنے والے، قرآن کے ایک ایک حکم کو توڑنے والے قرآن سے برکت حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ کبھی فریب میں نہیں آتا۔ اللہ کے ساتھ فریب کرنے والے اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

امتحان استقامت میں کامیابی کے نسخے:

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان کی محبت کے قربان جائیے کہ امتحان لینے سے پہلے بندے کو بتا دیا کہ میں امتحان محبت لوں گا پھر اس امتحان میں کامیابی کے نسخے بھی بتا رہے ہیں۔ یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان کی محبت میں کامیابی کیا ہے۔ کسی

مرحلہ میں، کسی حالت میں، کسی کی محبت سے، کسی کے تعلّق سے، کسی کے خوف سے، کسی کی مروت میں کبھی بھی کوئی کام اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہونے پائے، یہ ہے امتحان محبت میں کامیابی۔

پہلا نسخہ:

فرمایا:

﴿وبشر الصّٰبرین۝﴾ (۲۔۱۵۵)

صبر کے معنی ہیں دین پر استقامت، صابرین کی فہرست میں داخل ہو جاؤ، ہمتیں بلند کرو، جب تک ہمت بلند نہیں ہوگی آسان سے آسان نسخہ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا۔

کم ہمت مریض کا انجام:

مثال کے طور پر کوئی شخص بیمار ہو گیا کسی نے کہا کہ علاج کروائیں تو کہتا ہے کہ ڈاکٹر کے پاس جانے کی ہمت نہیں۔ اس شخص نے کہا کہ اچھا میں آپ کو لے چلتا ہوں۔ ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ڈاکٹر نے نسخہ لکھ کر دے دیا اس نے نسخہ لا کر گھر میں رکھ دیا۔ اس سے پوچھا اب کیسی طبیعت ہے دواء کھائی؟ تو کہتا ہے لانے کی ہمت نہیں۔ کسی نے دواء بازار سے لا کر دے دی، اب کہتا ہے کھانے کی ہمت نہیں، کسی نے چمچے میں دواء ڈال کر اس کے منہ میں انڈیل دی، کہتا ہے نگلنے کی ہمت نہیں، بتائیے ایسے بے ہمت شخص کا علاج کیسے ہو سکتا ہے؟ اسے تو یہی کہا جائے گا کہ اگر اتنی بھی ہمت نہیں تو تیرا کوئی علاج نہیں مرتا رہ۔ آج کے مسلمان کی حالت بعینہٖ اسی طرح ہے ہمت نہیں کرتا۔

لطیفہ:

ایک شخص نے اپنے حالات میں لکھا کہ محاسبہ کی ہمت نہیں ہوتی۔ اپنی دنیا اور

آخرت بنانے کے لئے چند منٹ سوچنے کی ہمت نہیں۔اس کا جواب یہاں سے یہ لکھ دیا گیا کہ کھانا کیسے کھاتے ہو۔وہ احمق یہ سمجھا کہ یہ پوچھا ہے کہ کھانے میں کیا کھاتے ہو۔اس نے اپنے کھانے کی تفصیل خط میں لکھ کر بھیج دی کہ صبح کو انڈا پراٹھا اور دوپہر میں گوشت اور شام میں فلاں فلاں چیزیں یہ سب کچھ لکھ کر بھیج دیا۔میں نے اسے لکھوایا کہ یہاں آکر فکر آخرت کی گولی بھی کھا جاؤ۔

سلوک کا نچوڑ ہمت ہے:

پورے سلوک کا نچوڑ ہمت ہے، جو کام کرنے کے ہیں ان کو کرنے کی ہمت اور جو چھوڑنے کے کام ہیں ان کو چھوڑنے کی ہمت، جب تک ہمت نہیں ہوگی کچھ نہیں ہوسکتا۔ حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بمبئی کے کسی سیٹھ نے حج کی دعاء کے لئے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعاء کرسکتا ہوں، اس نے کہا وہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ جس روز جہاز جدہ جانے لگے اس روز دن بھر کے لئے آپ مجھے اپنے اوپر پورا قابو دیجئے، اس نے کہا کہ پھر کیا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا کہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں سوار کردوں گا وہ تمہیں جدہ پہنچادے گا، یہ خوب ہے کہ میں تو دعاء کروں اور تم یہاں بیٹھ کر تجارت کرو۔

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں کسی ایرانی نے اپنے اصلاحی خط میں کئی گناہوں کے بارہ میں لکھا کہ فلاں گناہ بھی ہوتا ہے، فلاں گناہ بھی ہوتا ہے، آپ نے گناہوں کی طویل فہرست کے جواب میں صرف ایک لفظ لکھا: ”چرا؟“ ——— ”کیوں؟“

یعنی یہ سب گناہ اپنے اختیار سے کرتے ہیں، کیوں کرتے ہیں؟ مثلاً کسی کو پھاوڑا چلانے کی عادت ہے تو اس کے لئے اسے اپنی جگہ سے اٹھنا پڑے گا پھر جوتا پہنے گا پھر غسلخانے وغیرہ میں کہیں جاکر پھاوڑا اٹھانا پڑے گا، پھر بلیڈ وغیرہ صحیح کرنا پڑے گا، پھر

اسے چہرے پر پھیرنا پڑے گا تو کون سی طاقت یہ سب کام کرواتی ہے؟ کون سی قوت ہے جو اتنے سارے کام کرنے پر مجبور کرتی ہے؟ اسی پر ہر گناہ کو قیاس کریں۔

اسی طرح جو کام کرنے کے ہیں ان کا تجربہ کریں مثلاً مسجد کی طرف جانے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھیں۔ جب آپ اٹھنا چاہیں گے تو بڑے سے بڑا شیطان بھی آپ کو بٹھا نہیں سکے گا۔ اٹھ جائیے، اس کے بعد مسجد کی طرف قدم بڑھائیے، آپ کے پاؤں کو شیطان پکڑ نہیں سکے گا، مسجد میں پہنچ کر کھڑے ہو جائیں اور جب نیت باندھنے کے لئے ہاتھ اٹھائیں گے تو شیطان نہ تو آپ کے ہاتھوں کو پکڑے گا نہ زبان کو اس کا تجربہ کر کے دیکھئے۔

مجلس وعظ میں پہنچنے کا نسخہ:

ایک مولوی صاحب نے ٹیلیفون پر مجھے بتایا کہ میں یہاں مجلس وعظ میں شریک ہونے کے لئے ہمیشہ ارادہ کرتا ہوں مگر آ نہیں پاتا، میں نے کہا کہ اللہ کے بندے! یہ تو بہت آسان سی بات ہے۔ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں اگر کوئی پکڑ کر بٹھائے تو اس کا نام مجھے بتائیں، میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ کو کوئی پکڑ کر نہیں بٹھائے گا۔ پھر آگے بڑھیں پاؤں اٹھائیں اگر کسی شیطان نے روکا تو اس کا نام مجھے بتائیں۔ پھر اگر آپ بس پر آنا چاہتے ہیں تو بس اسٹاپ پر پہنچیں، بس پر پاؤں رکھیں اگر کوئی آپ کا پاؤں پکڑنے لگے تو مجھے بتائیں۔ پھر جب یہاں کے بس اسٹاپ پر پہنچ جائیں تو بس سے اتر جائیں کوئی پکڑ لے اترنے نہ دے تو مجھے بتائیں، بس سے اتر کر ادھر دارالافتاء کی طرف چل پڑیں اگر کوئی روکے تو مجھے بتائیں، کوئی بھی نہیں روکے گا۔ پورے راستے میں اول سے آخر تک کسی مرحلہ میں اگر کسی نے آپ کو پکڑ لیا یا روک لیا یا یہ کہ آپ کے پاؤں نے جواب دے دیا تو پھر آپ مجھے بتائیں۔ وہ دوسرے تیسرے دن یہاں پہنچ گئے کہنے لگے مجھے تو کسی نے روکا ہی نہیں۔

سارے امراض کی بنیاد یہی ہے کہ انسان ہمت نہیں کرتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا نسخہ یہ ارشاد فرمایا کہ ہمت کرو۔

مفت خور کا قصہ:

کچھ لوگ سفر میں ایک ساتھ چلے۔ ان میں ایک مفت خور بھی تھا، جیسا آج کل کا مسلمان ہے۔ آگے چل کر ان میں یہ طے پایا کہ سب لوگ آپس میں کام تقسیم کرلیں کوئی آٹا گوندھے، کوئی سالن پکائے کوئی سوختہ کے لئے لکڑی جمع کرے، کوئی پانی لائے۔ مفت خور سے کہا کہ آپ آٹا گوندھ لیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے تو گوندھنا ہی نہیں آتا اگر اس میں پانی زیادہ ڈال دیا تو کیا ہوگا؟ اچھا پھر آپ سالن پکالیں، کہنے لگا کہ وہ تو آٹا گوندھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے، اچھا سوختہ کے لئے لکڑیاں لے آئیں یہ کام تو کرسکتے ہیں۔ کہنے لگا کہ مجھ میں تو ہمت نہیں اور مجھے پتا بھی نہیں کہ کس طرح کی لکڑیاں چاہیئے ہوں گی۔ اچھا تو پھر ایسا کریں کہ کنویں سے پانی کا ڈول بھرلائیں۔ کہنے لگا کہ اگر اتنی ہمت ہوتی تو آپ لوگوں کے ساتھ کیوں چلتا، مجھ سے یہ بھی نہیں ہوگا۔ سب کام دوسروں نے کرلئے، کھانا تیار ہوگیا یہ آرام سے لیٹا رہا۔ جب ساتھیوں نے اسے کھانے کے لئے بلایا تو کہتا ہے کہ یار تم بھی کیا سوچو گے کہ ہر کام سے انکار کردیتا ہے چلو یہ کام تو کرہی لوں۔

لیموں نچوڑ:

ایک مفت خورہ لیموں لے کر کسی ہوٹل میں چلا جاتا جو شخص بھی کھانا کھانے آتا اس کی رکابی میں لیموں کے ایک دو قطرے نچوڑ دیتا وہ شخص مروت میں آکر اسے کھانے میں شرکت کی دعوت دیتا یہ فوراً کھانا شروع کردیتا، ایک بار ہوٹل پر کوئی مصلح کھانا کھانے کے لئے پہنچ گیا، لیموں نچوڑنے حسب عادت اس کی رکابی میں بھی لیموں کے

ایک دو قطرے نچوڑ دئے لیکن اس نے اسے کھانے کی دعوت نہ دی تو یہ از خود ہی شروع ہو گیا، مصلح نے کھینچ کر ایک تھپڑ رسید کیا تو مفت خورہ ہنس کر بولا:

"ہاں ہاں میرا ابو بھی مجھے مار مار کر کھلایا کرتا تھا۔"

دو کاہل:

ایک شخص بیری کے درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا اور دوسرا بیٹھا ہوا تھا۔ قریب سے کوئی گھڑ سوار گذرا لیٹے ہوئے شخص نے اسے پکارا، ارے بھائی! ادھر آؤ بہت ضروری کام ہے، اللہ کے لئے ذرا ادھر آؤ اس نے قریب آکر پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میرے سینے پر جو بیر پڑا ہوا ہے اسے اٹھا کر میرے منہ میں ڈال دو۔ سوار نے زور سے ایک چابک لگا کر کہا کہ ارے بیوقوف گدھے! تو نے میرا حرج کیا میں ضروری کام سے جا رہا تھا۔ تو یہ بیر خود اپنے منہ میں نہیں ڈال سکتا تھا؟ اگر تو خود نہیں ڈال سکتا تھا تو یہ جو تیرے پاس بیٹھا ہوا ہے اس سے کیوں نہیں کہا۔ دوسرے شخص نے کہا کہ میں ہرگز بیر اس کے منہ میں نہیں ڈالوں گا کیونکہ میں لیٹا ہوا تھا کتا میرے منہ میں پیشاب کر گیا اس نے نہیں روکا۔

آج کل کا مسلمان بھی دین کے معاملہ میں ایسا ہی کم ہمت ہے۔ ذرا سی دینداری آئی اور کسی نے تھوڑا سا طعنہ دے دیا کہ کیسے دیندار ہو بس اس کی ساری ہمت ختم ہو جاتی ہے۔ یا اللہ! تو مسلمان کو ہمت عطاء فرما دے۔

باہمت لڑکا:

یہاں دار الافتاء میں ایک لڑکا پڑھتا ہے اس کی بہن کی شادی تھی اس نے گھر جانے سے انکار کر دیا کہ جب تک شادی کی خرافات ہوتی رہیں گی میں گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ اس نے رات یہیں دار الافتاء میں گزاری اس کی والدہ نے کہا کہ ہم تمہارے

لئے گھر میں الگ کمرے کا انتظام کر دیں گے، اس نے کہا کہ جس جگہ ناجائز کام ہو رہے ہوں وہاں جانا جائز نہیں۔ یہ ہے ہمت۔ (ایسے سینکڑوں باہمت لوگوں کے قصے "باب العبر" میں پڑھیں جنہوں نے حضرت اقدس دامت برکاتہم کے وعظ سن کر یا پڑھ کر معاشرہ میں پھیلے ہوئے منکرات سے توبہ کر لی۔ جامع)

جب تک ہمت نہیں ہوگی جہنّم سے نجات نہیں ہو سکتی کیونکہ گناہوں سے بچنے اور طاعات میں لگنے کے لئے ہمت کی ضرورت ہے۔

نفس کو اللہ مت بناؤ:

ایک بزرگ بیٹھے یہ کہہ رہے تھے "نہ تو میرا اللہ نہ میں تیرا بندہ تیری بات کیوں مانوں" کسی نے سن لیا اور قاضی کو جا کر بتا دیا کہ ایک شخص بیٹھا ایسا کفر بک رہا ہے۔ قاضی نے انہیں بلوایا۔ پہلے زمانے میں حکومتیں ایسی تھیں کہ ذرا سی کوئی بات اسلام کے خلاف کسی نے کہی تو فوراً گرفت ہوتی تھی۔ آج کل کی حکومتوں کی طرح نہیں کہ جس کا جو جی چاہے بکتا رہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ انہیں بلوا کر پوچھا کہ آپ اس طرح کیوں کہہ رہے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ میرا نفس کسی گناہ کا تقاضا کر رہا تھا تو میں اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ نہ تو میرا اللہ نہ میں تیرا بندہ تو تیری بات کیوں مانوں۔ جب بھی نفس کسی گناہ کا تقاضا کرے تو اسے کہا کریں کہ ارے خبیث نفس! میں تیرا بندہ نہیں ہوں تو تیری بات کیوں مانوں میں تو صرف اپنے اللہ کا بندہ ہوں اسی کا حکم مانوں گا۔ اسی طرح بے دین لوگ راہ مستقیم سے ہٹانے کی کتنی ہی کوششیں کرتے رہیں اتنی ہمت کریں کہ ان کی سب تدبیریں خاک میں مل جائیں۔

ہمت بلند کرنے کا نسخہ:

اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ بندے کمزور اور کم ہمت ہیں لوگوں کے معمولی سے

اعتراض پر، ذرا سے مذاق پر ان کے عشق کے دعوے پگھل کر بہنے لگتے ہیں اس لئے نسخوں پر نسخے عنایت فرمائے۔ پہلے امتحان استقامت میں کامیابی کے لئے فرمایا کہ ہمت سے کام لو پھر ہمت بلند کرنے کے لئے فرمایا:

﴿بشر﴾

آپ ہمت کرنے والوں کو میری طرف سے بشارت دے دیجئے۔ محبوب کی طرف سے اتنی بڑی بشارت مل رہی ہے جس کے قبضے میں دنیا اور آخرت ہے اور جس کے پاس جانا ہے اس کی طرف سے بشارت، وہ قادر مطلق، رحیم وکریم، سرچشمۂ محبت، اس کی طرف سے بشارت ہے، دل میں محبت کی ذرا سی بھی رمق ہو تو اس دل کو مہمیز لگنی چاہئے کہ دین پر قائم رہنے والوں کو بشارت کون دے رہا ہے اس بات کو سوچنے سے ہمت بلند ہو جائے گی۔

دوسرا نسخہ:

استقامت کے لئے پہلا نسخہ تو ہے ہمت اور دوسرا نسخہ یہ ہے:

﴿اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للّٰہ وانا الیہ رجعون۝﴾

(۲۔۱۵۶)

جب بھی کوئی مشکل درپیش ہو تو یہ پڑھا کریں:

﴿انا للّٰہ و انا الیہ رجعون﴾

یہ پڑھنے سے مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ لوگوں نے اس جملے کو میت کے ساتھ خاص کر رکھا ہے جب کوئی مرتا ہے تو یہ پڑھتے ہیں۔ طلب علم کے زمانے میں ایک ساتھی نے بتایا کہ اس کی کچھ طبیعت خراب ہے تو میں نے کہا کہ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون وہ بڑا سٹپٹایا کہ کیا آپ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ میں مر تھوڑا ہی گیا ہوں۔ تو

میں نے انہیں سمجھایا کہ یہ مارنے کے لئے نہیں تمہیں جلانے کے لئے ہے، یہ محبت بڑھانے کا نسخہ ہے، استقامت حاصل کرنے کا نسخہ ہے۔ جب بھی کوئی مصیبت آئے تو جو استقامت پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں انا للّٰہ و انا الیہ رجعون۔ مصیبۃٌ پر تنوین تنکیر کے لئے ہے تنکیر یہاں تعمیم کے لئے ہے۔ چھوٹی بڑی کوئی بھی مصیبت آجائے تو وہ یہی کہتے ہیں: انا للّٰہ و انا الیہ رجعون۔

سب سے بڑی مصیبت:

سب سے بڑی مصیبت ہے دینی مصیبت۔ دین کی چھوٹی سے چھوٹی مصیبت کے سامنے دنیا بھر کے مصائب جمع کر دیئے جائیں تو کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ دین کی چھوٹی سی مصیبت ساری دنیا کی مصیبتوں سے بڑھ کر ہے تو اس میں استقامت کیسے حاصل ہو۔

دینی مصیبت کی قسمیں:

دینی مصیبت کی دو قسمیں ہیں:

❶ خدانخواستہ کسی کے دین میں خلل پیدا ہوگیا۔ دین میں نقص آگیا یہ تو واقعۃً مصیبت ہے۔

❷ دین میں خلل پیدا ہونے کے خطرات پیش آگئے تو وہاں ابھی مصیبت آئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے مواقع فراہم کر دیئے، مستعد ہو جاؤ، تیار ہو جاؤ کہیں دین میں خلل پیدا نہ ہو جائے، دین میں مصیبت نہ آجائے مجاہد بنو، حوصلے بلند کرو۔ جہاں کہیں دینی کاموں میں نفس و شیطان کے ساتھ مقابلہ ہو یا انسانوں میں سے جو شیاطین ہیں ان کے ساتھ مقابلہ ہو، عزیز و قریب، دوست احباب جہاں بدعات میں شامل ہونے کے لئے، گناہوں میں شامل ہونے کے لئے مجبور کرتے ہیں، اصرار کرتے ہیں تو سمجھ لیں

دین پر مصیبت آنے کا خطرہ ہے۔ ایسے وقت میں کیا کہیں؟:

﴿انا للّٰہ و انا الیہ رجعون﴾

اس نسخہ کا پورا پورا فائدہ اسی وقت ہوگا جب اس کے مفہوم کو سمجھا جائے۔ دین پر استقامت کی صورت میں آپ کو کیا کیا نقصان ہو سکتے ہیں ان کا تصور کریں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ مخالفین آپ کو قتل کر دیں، اس سے بڑا کوئی نقصان ہو سکتا ہے؟ اور در حقیقت یہ نقصان تو ہے ہی نہیں۔ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا تو بہت بڑی سعادت ہے۔ فرمایا:

﴿ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بأن لھم الجنة﴾ (۹۔ ۱۱۱)

ارے میں تمہارا خریدار ہوں۔ کتنا بڑا اعزاز اللہ تعالیٰ نے بخش دیا۔ جان تو ہے ہی ان کی دی ہوئی مال بھی انہی کا دیا ہوا ہے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اگر بندے نے اللہ کی راہ میں جان دے دی تو کیا کمال کیا وہ تو انہی کی تھی۔ اس کے باوجود ان کی طرف سے بندے کا اعزاز دیکھئے، رحم و کرم کا معاملہ دیکھئے فرماتے ہیں کہ ہم نے تم سے تمہاری جانیں تمہارے مال خرید لئے ہیں، کس کے عوض؟ "بأن لھم الجنة" یعنی جنت کے عوض۔ جس کا خریدار اللہ ہو اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے؟

اگر نقصان پہنچ گیا تو بھی اور اگر خطرات ہیں ابھی پہنچا نہیں تو بھی دونوں صورتوں میں یہ نسخہ بہت اکسیر ہے۔ غرضیکہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے نقصان کے موقع پر جب بندہ یہ کہتا ہے:

﴿انا للّٰہ و انا الیہ رجعون﴾

تو وہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، اس کی ملک ہوں وہ جو چاہے میرے ساتھ معاملہ فرمائے۔ اگر اللہ کی راہ پر قائم رہنے سے کوئی نقصان پہنچتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے:

﴿واعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطئک و ما اخطأک لم یکن لیصیبک﴾ (ابوداؤد)

اگر تمہیں اللہ پر ایمان ہے تو یقین رکھو کہ جو مصیبت پہنچنے والی ہے وہ ٹل نہیں سکتی اور جو ٹل گئی وہ پہنچنے والی نہیں تھی، جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے:

﴿قل لن یصیبنا الا ما کتب اللّٰہ لنا ھو مولٰنا﴾ (۹-۵۱)

فرما دیجئے کہ ہمیں جو کچھ بھی پہنچے گا، جو حالت بھی گذرے گی وہ ہمارے اللہ کی طرف سے ہے، کوئی دوسرا اللہ کی تقدیر کے خلاف کبھی نہیں کر سکتا، پوری دنیا نقصان پہنچانے کے لئے اکٹھی ہو جائے کچھ نہیں کر سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر نہ ہو۔ رہی یہ بات کہ اللہ نے جو لکھ دیا وہ ہمارے حق میں اچھا ہے یا برا، اس کے بارہ میں فرمایا کہ وہ تمہارے حالات پر مبنی ہے، ھو مولٰنا اگر اللہ کو راضی کر لیا، اللہ کے ساتھ محبت کا تعلق قائم کر لیا تو وہ ہمارا دوست ہے۔ دوست کی طرف سے جو کچھ بھی معاملہ ہوتا ہے اس میں بہتری ہی بہتری ہوتی ہے، ہمارا علم ناقص ہے، اللہ کا علم، اس کی شفقت، اس کی رحمت، اس کی قدرت، اس کی حکمت، اس کی محبت کامل ہے، وہ ہمارے ساتھ محبت رکھنے والا ہے، دوست ہے تو دوست ہمارا برا کیسے چاہے گا؟ ہمتیں بلند کرو، کیسے؟ ''انا للہ''، ہم اللہ کے بندے ہیں، اللہ ہمارا مالک ہے، ہمارا دوست ہے، ارے! دوست کے لئے جان چلی گئی، مال چلا گیا، عزت چلی گئی تو اس پر روتا کیوں ہے؟ معلوم ہوا کہ دوستی ہے نہیں ایسے ہی خواہ مخواہ دوستی کے جھوٹے

دعوے کرتا ہے۔ آگے کا جملہ، ''وانا الیہ رجعون''، جن چیزوں کے بارہ میں یہ سمجھتے ہیں کہ وہ چلی گئیں، نقصان ہوگیا، یہ کوتاہ نظری ہے۔ درحقیقت نقصان نہیں ہوا کیونکہ جب اللہ کے پاس پہنچیں گے تو اللہ کے لئے دنیا میں ہم نے اپنے جو نقصان برداشت کئے، ان پر صبر کیا، اللہ ان سے بہت زیادہ بہتر دے گا، کیا؟ ایک تو یہ کہ جنت، ایسی ہزاروں لاکھوں دنیا پیدا کردی جائیں سب کی نعمتوں سے جنت کی ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت ہزاروں درجہ بڑی ہے۔ پھر اس سے بھی بڑی کیا چیز؟ قرآن مجید میں کئی جگہ پر جہاں جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر ہے اس کے بعد فرماتے ہیں:

﴿ورضوان من اللہ اکبر﴾ (۹-۸۲)

جنت کی خوشخبریاں سننے والو! یہ نہ سمجھنا کہ صرف جنت ہی ملے گی بلکہ جنت کے ساتھ اللہ کی رضا بھی ملے گی جو سب سے بڑی نعمت ہے۔ جنہیں دنیا ہی میں محبوب کی رضا کی لذت حاصل ہو جاتی ہے وہ جنت کے طلبگار نہیں رہتے ؎

ہے جنت کی نعمت تو سب میرے سر پر
میسر ہو اے کاش دیدار تیرا

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اے محبوب! تونے اپنی قیمت کیا بتائی؟ دونوں عالم، دنیا بھی آخرت بھی، جنت اور اس کی سب نعمتیں میری رضا پر سب کچھ قربان کردو، میرے محبوب! یہ تو بڑا ہی سستا سودا ہے، ''نرخ بالا کن'' اپنا نرخ اور زیادہ بلند کیجئے تونے اپنی قیمت بہت سستی سی بتادی ؎

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

غلط گفتی خطا کردی بہا کردن ندانستی
بخال ہندوش بخشم ہمہ دنیا و عقبی را

واہ عاشق واہ! عاشق ہوں تو ایسے، یا اللہ! تو ہم سب کو ایسے عاشق بنادے، اپنی ایسی محبت عطاء فرمادے۔ میرا یہ معمول ہے کہ جہاں کہیں کسی اہل محبت کا ذکر زبان پر آئے یا کان میں پڑے یا گوشۂ قلب میں گذرے تو یوں دعاء کرتا ہوں کہ یا اللہ! تو اپنے اس مقبول بندے اور اہل محبت کے صدقے سے ہمیں بھی اپنی محبت عطاء فرما، ایک عاشق نے کہا ؂

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارارا

اگر محبوب راضی ہو جائے تو سمرقند و بخارا کی سلطنت ساری کی ساری اس کے رخسار کے ایک خوبصورت تل پر قربان کردوں۔ دوسرا عاشق بولا ؂

غلط گفتی خطا کردی بہا کردن نداستی
بخال ہندوش بخشم ہمہ دنیا و عقبیٰ را

میرے محبوب! اگر تو راضی ہو جائے تو تیری ادنیٰ سی رضا پر دنیا و آخرت سب قربان کردوں، جو لوگ گناہ چھوڑ دیتے ہیں انہیں دنیا ہی میں اللہ کی رضا کی نعمت کی لذت محسوس ہوتی ہے۔

غرضیکہ چھوٹی بڑی کیسی ہی مصیبت ہو یہ پڑھا کریں:

﴿انا للّٰہ و انا الیہ رجعون۰﴾

اسے پڑھنے سے استقامت حاصل ہوگی۔ اور یہ استحضار کیا کریں کہ اس مصیبت پر رب کریم کی طرف سے بڑے بڑے انعامات ملیں گے۔

دو سوال اور ان کے جواب:

پہلا سوال:

جو لوگ دین اختیار کرنا شروع کرتے ہیں، گناہوں کی مجالس میں آنا جانا چھوڑتے ہیں ان میں سے جن میں ابھی پختگی نہیں ہوتی وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ اس طرح تو سب رشتہ دار چھوٹ جائیں گے۔

جواب:

میں ان سے یہ کہا کرتا ہوں کہ جب رشتہ دار مقاطعہ کرلیں تو اس پر دو رکعت نفل پڑھا کریں یا کم از کم سات بار ''الحمد للہ'' کہیں، کیوں؟ ذرا اس کی وجہ بھی سن لیں، بے دین لوگوں کے حالات تین قسم کے ہیں:

❶ بعض لوگوں میں کچھ صلاحیت ہوتی ہے اور قبول کی توقع ہوتی ہے، انہیں دیندار بنانے کے لئے کوشش بھی کریں۔ اور دعاء بھی کہ یا اللہ! تو انہیں بھی نفس و شیطان کے شر سے بچالے۔

❷ دوسری قسم یہ کہ ان سے دیندار بننے کی توقع نہیں مگر وہ آپ کو بے دین بنانے کی کوشش نہیں کرتے تو یہ بھی غنیمت ہے کہ وہ آپ کو چھوڑ دیں بے دین بننے پر مجبور نہ کریں:

﴿لکم دینکم ولی دین ۝﴾ (۱۰۹-۶)

آپ رحمٰن کے بندے بنے رہیں اور وہ شیطان کے بندے بنے رہیں، آپ کو شیطان کے بندے بننے پر مجبور نہیں کرتے تو یہ بھی بڑی نعمت ہے اس لئے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اداء کریں۔

❸ رشتہ دار نہ تو دیندار بنتے ہیں اور نہ ہی آپ کو چھوڑتے ہیں بلکہ آپ کے ساتھ لگے رہتے ہیں کہ یہ کیوں رحمٰن کا بندہ بن رہا ہے اسے بھی اپنے ساتھ جہنّم کی طرف گھسیٹنا چاہیے اس لئے ہروقت کسی نہ کسی رشتہ دار کا ڈنڈا آپ کے سر پر پڑتا رہے کہ چھوڑو اس دین کو یہ کون سا دین ہے، شیطان کے بندے بنو شیطان کے۔ زبردستی آپ کو اپنی طرف کھینچیں۔ اس پر ایک قصہ بھی سن لیں شاید کہ بات دل میں اتر جائے۔

پشاور سے ایک شخص نے مجھے خط لکھا کہ یہ جو تمہارا وعظ "شرعی پردہ" ہے (اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے حضرت اقدس دامت برکاتہم وعمت فیوضہم کے اس وعظ کے ذریعہ پوری دنیا میں انقلاب عظیم پیدا فرمادیا ہے، دنیا بھر سے اطلاعات موصول ہو رہی ہیں کہ اس وعظ کو پڑھ کر بے شمار بے پردہ عورتوں نے مکمّل شرعی پردہ کرلیا۔ جامع) اس سے دنیا میں بہت بڑے بڑے فتنے کھڑے ہوگئے ہیں، گھر گھر لڑائی اور فساد، رشتہ داروں میں باہم منافرت، دنیا میں فساد مچا دیا ہے، اس کتاب کو چھاپنا بند کرو اور توبہ کا اعلان کرو اور ایک ہفتہ کے اندر مجھے اس کی اطلاع دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تم پر یہاں پشاور میں مقدمہ کروں گا، تمہیں یہاں عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا اور مقدمہ کے تمام مصارف بھی تمہارے ذمہ ہوں گے۔

میں نے اس کے خط کا کوئی جواب نہ دیا اور نہ ہی اسے مقدمہ سے روکنے کی کوئی کوشش کی، اس کے باوجود اس نے مقدمہ نہ کیا، بعد میں اس کی ایک بہو نے مجھے خط لکھا کہ وہ وعظ "شرعی پردہ" پڑھ کر بہت متأثر ہوئیں، شوہر کو دیا تو وہ بھی بہت متأثر ہوئے، میاں بیوی دونوں نے مکمّل شرعی پردہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو پورے خاندان میں زبردست کہرام مچ گیا، سب نے ان کے خلاف ہنگامہ برپا کردیا، خسر صاحب مقدمہ کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں اور دیور چلا رہا ہے کہ یہ پردہ کرکے میرے حقوق مار رہے ہیں، میرے حقوق یہ ہیں:

❶ میری چچازاد ہے۔

❷ میری سالی ہے۔

❸ میری بھابھی ہے۔

ایک ہی عورت سے تین قسم کے حقوق وصول کرنے کے لئے ہنگامے کر رہا ہے کہ حقوق وصول کر کے چھوڑے گا، اس کا باپ بھی اس شیطان کا ساتھ دے رہا ہے، اپنے دیندار بیٹے اور بہو کو ڈانٹ رہا ہے کہ بھائی کو حقوق وصول کرنے سے کیوں محروم کر رہا ہے۔

دوسرا قصہ سنئے ایک مولوی صاحب نے شادی کی تو بیوی کو اپنے بھائی اور بھتیجوں سے پردہ کروادیا، مولوی صاحب کا بھائی چیخنے لگا:

"او مولوی! تو میری بیوی کو دیکھتا رہا اب مجھے اپنی بیوی کیوں نہیں دکھاتا"؟

بھتیجے چیخ رہے ہیں:

"او چچا مولوی! تو ہماری امی کو دیکھتا رہا ہمیں چچی کیوں نہیں دکھاتا؟"

کمبخت بھابھی اور چچی کو دیکھنے کے لئے مرے جا رہے ہیں، ذرا سوچئے! ایسے لوگ ناراض ہو کر چھوڑ دیں تو یہ بہتر ہے یا یہ کہ پیچھے لگے رہیں کہ اپنی بیوی ہمیں دکھاؤ اگر نہیں دیکھنے دیتے تو ہم تمہیں قتل کر کے تمہاری بیوی کو دیکھیں گے، بتائیے دونوں میں سے کون سی بات بہتر ہے؟

کچھ بات عقل میں آرہی ہے؟ دونوں حالتوں کو سوچ کر فیصلہ کیجئے کہ بے دین رشتہ داروں سے کٹنے میں بہتری ہے یا ملنے میں؟ اللہ کرے کہ بات عقل میں آجائے کہ بے دین رشتہ داروں کا علیحدہ ہو جانا بہت بڑی نعمت ہے، یہ مقام شکر ہے اس پر الحمد للہ کہا کریں۔ یا اللہ! تیرا کتنا بڑا کرم ہے کہ شیطان کے لشکر کے ان فوجیوں کو ایک ایک کر کے تو نے مجھ سے الگ کر دیا۔

دوسرا سوال:

جو لوگ دیندار بنتے ہیں ان سے بے دین یہ سوال کرتے ہیں کہ دیندار بن گئے تو زندہ کیسے رہو گے؟ اگر حلیہ شرعی بنالیا، اگر شریعت کے مطابق پردہ کرلیا، اگر حرام خوری نہیں کی، اگر گناہوں کی مجالس میں شرکت نہیں کی تو تم ساری دنیا سے کٹ جاؤ گے پھر زندہ کیسے رہو گے؟

جواب:

یہ سوال کرنے والے کسی کافر قوم کے افراد نہیں بلکہ اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرنے والے ہیں مسلمان کہلاتے ہیں۔ ان کے اس سوال کا مطلب سمجھنے کے لئے غور کیا جائے تو جو مطلب نکل سکتے ہیں میں نمبروار ان کی تفصیل بتاتا ہوں، اگر ان کے سوا کوئی اور مطلب نکل سکتا ہو تو بتائیں، ان کے سوال کے یہ مطلب ہو سکتے ہیں:

1. ان کے خیال میں اسلام ایسا مذہب ہے کہ اس کے قوانین پر عمل ممکن نہیں۔ اگر کسی نے عمل کیا تو وہ احمق ہے اور اپنی اس حماقت کی وجہ سے وہ بہت زبردست نقصان اٹھائے گا۔

2. اللہ تعالیٰ معاذ اللہ! اتنے ظالم ہیں کہ انہوں نے ایسے احکام بندوں کو دیئے جن پر عمل کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ اتنے مشکل قوانین بنادیئے کہ ان پر عمل کرنے والا دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

3. معاذ اللہ! رب العلمین اپنے بندوں سے ایسے غافل ہیں کہ بندہ تو ان کی محبت میں سب کچھ قربان کردیتا ہے مگر وہ بندے کی دستگیری نہیں فرماتے۔

4. اللہ تعالیٰ کی طاقت معاذ اللہ! شیطان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اس لئے جس نے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کی اس سے شیطان ناراض ہوجاتا ہے اور ان لوگوں کے خیال کے مطابق چونکہ سب نعمتیں، سب خزانے شیطان کے قبضے میں ہیں اس

لئے اللہ کی راہ اختیار کرنے والے کو شیطان کوئی نعمت نہیں دیتا، یعنی شیطان کو ناراض کرنے والے دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے۔

کیا ان لوگوں کا ایمان باقی رہا؟ ذرا سوچئے! اس وقت بھی سوچئے یہاں سے اٹھنے کے بعد بھی سوچئے گا۔ سوچنے سے راہیں کھلتی ہیں:

﴿افلا یتدبرون القران ام علی قلوب اقفالها﴾ (۴۷-۲۴)

یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا تدبر کے باوجود حالت یہ ہے کہ گناہوں کی نحوست اور وبال ایسا آگیا کہ دلوں پر مہریں لگ گئیں تالے پڑ گئے۔

یہ چار نمبر جو ابھی میں نے بتائے ہیں ان میں سے ایک ایک بات مستقل کفر ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ بہت سی باتیں بظاہر تو اتنی بری معلوم نہیں ہوتیں مگر ان کی جڑ کہاں ہے؟ بنیاد کہاں ہے؟ اسے دیکھا جائے تو بہت ہی خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں:

﴿رضینا باللّٰه ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللّٰه علیه وسلم نبیا﴾

ایمان کو تازہ کرلیجئے۔ یا اللہ! تجھے رب مان کر ہم پریشان نہیں، پشیمان نہیں، ہمیں افسوس نہیں، ہمیں خطرہ نہیں، تجھے رب تسلیم کر کے ہم تجھ سے راضی ہیں، ذرہ برابر شک وشبہہ نہیں۔ یا اللہ! ہم تیرے دیئے ہوئے اسلام کو دین تسلیم کر کے دل سے راضی ہیں، ہم مسلمان اس لئے نہیں کہ تو نے جبرًا مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کردیا بلکہ ہم دین اسلام کو دل سے تسلیم کرتے ہیں۔

یا اللہ! ہم تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کر کے دل سے راضی ہیں، ہم آپ پر کسی خوف سے ایمان نہیں لائے دل کی رضا اور خوشی سے تسلیم کرتے ہیں آپ کے ہر حکم پر جان فدا کرنے کو تیار ہیں۔

دنیوی واخروی فلاح کا ذریعہ:

اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید میں بار بار فرمارہے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی صرف اور صرف اس میں ہے کہ میری اطاعت کی جائے:

﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ ان اللّٰہ بالغ امرہ قدجعل اللّٰہ لکل شیءقدرا۝﴾ (۶۵-۳)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے، بلاشبہہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ پورا کر کے رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ من امرہ یسرا۝﴾ (۶۵-۴)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔"

جس مالک کے قبضۂ قدرت میں دنیا اور آخرت کے سب خزانے ہیں اس کا ارشاد سنئے کہ کامیاب زندگی کیسے حاصل ہوتی ہے:

﴿من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤمن فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ ولنجزینھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۝﴾

(۱۶-۹۷)

''جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿الذین اٰمنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب الذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت طوبٰی لھم و حسن مٰاب﴾ (۱۳-۲۹)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے، خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کے لئے خوش حالی اور نیک انجامی ہے۔''

اور فرمایا:

﴿مایفتح اللّٰہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا و ما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ﴾ (۳۵-۲)

''اللہ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے سو اس کو کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس کو بند کر دے سو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں۔''

یہ جو آیات میں نے پڑھی ہیں اسی قرآن میں موجود ہیں جس کی خوانیاں یہ اللہ کے باغی رات دن کرتے کرواتے رہتے ہیں۔ ان آیات میں ان کے سوال ''دیندار بن گئے تو زندہ کیسے رہو گے؟'' کا صاف صاف جواب موجود ہے کہ جو اللہ کا بن گیا اللہ اس کا بن جاتا ہے پھر اسے نہ کوئی غم ہو گا نہ خوف:

﴿الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون۝ الذین اٰمنوا وکانوا یتقون۝ لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ لاتبدیل لکلمت اللّٰہ ذلک ھو الفوز العظیم۝﴾

(۱۰- ۶۲ تا ۶۴)

فکر تو انہیں اپنی کرنی چاہئے کہ اگر اسی بغاوت کی حالت میں موت آگئی تو ان کا کیا بنے گا؟ ؎

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحیح معنی میں مسلمان بنادیں۔

معصیت پر وبال:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار تنبیہ فرمائی ہے کہ دنیا میں آفات و مصائب لوگوں کے گناہوں کا نتیجہ ہیں:

﴿ظھر الفساد فی البرو البحر بماکسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون۝﴾ (۳۰-۴۱)

"خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں تاکہ اللہ ان کے بعض اعمال کا مزا ان کو چکھادے، تاکہ وہ باز آجائیں۔"

﴿ولو ان اھل القری اٰمنوا و اتقو لفتحنا علیھم برکٰت من السماء و الارض ولٰکن کذبوا فاخذنھم بما کانوا یکسبون۝﴾ (۷-۹۶)

"اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور گناہوں سے

پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انہوں نے تو تکذیب کی، تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔“

﴿وضرب اللّٰہ مثلاً قریة کانت اٰمنة مطمئنة یأتیها رزقها رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللّٰہ فاذاقها اللّٰہ لباس الجوع و الخوف بما کانوا یصنعون﴾ (۱۶-۱۱۲)

”اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ بڑے امن و اطمینان میں رہتے تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، سو انہوں نے ان نعمتوں کی بے قدری کی، یعنی رب کریم کی نافرمانی کی، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزا چکھایا۔“

ثابت ہوا کہ گناہوں کو چھوڑنے سے رزق میں وسعت اور معاشرہ میں سکون و اطمینان کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور گناہوں کے ارتکاب سے وسعت کی بجائے رزق میں تنگی، امن کے بجائے خوف و خطرات اور پریشانیاں عام ہو جاتی ہیں۔

آج ہر شخص یہ کہتا ہے کہ بہت پریشانی ہے۔ شوہر بیوی کے لئے عذاب، بیوی شوہر کے لئے عذاب، اولاد والدین کے لئے عذاب، بھائی بہن، عزیز و اقارب، حکام غرضیکہ ہر سطح پر نفرت، عداوت، پریشانی اور بے چینی ہی نظر آتی ہے، یہ لوگوں کے گناہوں کا وبال ہے، فرمایا:

﴿ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا و نحشره یوم القیمة اعمی ۝ قال رب لم حشرتنی اعمی وقد کنت بصیرا ۝ قال کذلک اتتک اٰیتنا فنسیتها و کذلک الیوم تنسی ۝ و

کذلک نجزی من اسرف و لم یؤمن بٰایت ربہ ولعذاب الاخرۃ اشدو ابقی ﴿(۲۰- ۱۲۳ تا ۱۲۷)

"اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے وہ کہے گا کہ اے میرے رب! آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو آنکھوں والا تھا، ارشاد ہوگا کہ ایسے ہی تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسے ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جائے گا، اور اسی طرح اس شخص کو ہم سزا دیں گے جو حد سے گذر جائے، اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے اور واقعی آخرت کا عذاب ہے بڑا سخت اور بڑا دیرپا۔"

یہاں بھی تاکید کے ساتھ فرماتے ہیں کہ جس نے میرے ارشادات سے اعراض کیا اور میرے احکام کی تعمیل نہ کی میں اس پر اس کی دنیا کی زندگی تنگ رکھوں گا، اسے دنیا بھر کی سلطنت مل جائے، دنیا بھر کی عزت و منصب مل جائے، پوری دنیا سمٹ کر اس کے قدموں میں آجائے، مال و دولت، جاہ و حشمت، عظمت و شہرت سب کچھ مل جائے مگر ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے اور قطعی طور پر یہ طے کر رکھا ہے کہ اس کے قلب میں کبھی سکون نہیں آنے دیں گے، اسے ہمیشہ پریشان ہی پریشان رکھیں گے۔ یہ فیصلہ تو دنیوی زندگی کے لئے ہے اور آخرت میں ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے وہ کہے گا:

"یا اللہ! دنیا میں تو میں اندھا نہیں تھا تو نے مجھے آخرت میں اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟"

جواب ملے گا:

"تو دنیا میں میرے احکام کی طرف سے اندھا ہو گیا تھا اس لئے آج ہم

نے تجھے اندھا کر کے اٹھایا ہے۔“

یہ تو حشر کا معاملہ ہے آگے حساب و کتاب اور اس کے بعد کے مراحل اس سے بھی سخت ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے وہ وقت آنے سے پہلے سب کو اس وقت کے لئے تیاری کی توفیق اور فکر آخرت عطاء فرمائیں۔

حب دنیا ہر فساد کی جڑ ہے:

آج کے مسلمان کو دنیا کے تعلّقات نے جکڑ رکھا ہے۔ یہ گناہ اس لئے نہیں چھوڑتا کہ دنیا چھوٹ جائے گی۔ اس کا قلب اللہ کی محبت سے خالی اور دنیائے مردار کی محبت سے بھرا ہوا ہے۔ حب دنیا بہت مہلک مرض ہے اور ہر گناہ کی جڑ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿حب الدنیا رأس کل خطیئہ﴾ (رزین و بیہقی)

تمام گناہوں اور فسادات کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ حب دنیا کے دو شعبے ہیں ایک حب جاہ دوسرا حب مال۔

حب جاہ:

حب دنیا کے دونوں شعبوں میں سے حب جاہ زیادہ خطرناک اور بہت مہلک ہے، اس کا علاج بھی بہت مشکل ہے۔ مریض حب جاہ کی دو قسمیں ہیں:

❶ احمق:

یہ اپنے مرض کو چھپا نہیں سکتا، اس کے مرض کو ہر شخص سمجھ لیتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے بھری مجلس میں کسی کی متعفن ریح نکل جائے۔

❷ ہشیار و مکار:

یہ بہت ہی خطرناک ہوتا ہے، لوگوں کے قلوب میں اپنی تعلّی اور دوسروں کی تخفیف ایسی چابکدستی و مکاری سے اتارتا ہے کہ کسی کو پتا ہی نہیں چلتا، زہر کو لقمۂ چرب میں ملا کر دیتا ہے، بمطابق قاعدہ:

﴿ان السم فی الدسم﴾

کسی بڑے کو گرا کر اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے اس طرح مکر وفریب سے کام لیتا ہے کہ کبھی کبھار اس بڑے کی تعریف کے کچھ جملے بھی کہتا جائے گا اور ساتھ ہی ایسی تلبیسات سے بھی کام لیتا رہے گا کہ مخاطبین کے ذہن میں غیر شعوری طور پر بتدریج بڑے کی تحقیر و تخفیف اور اس شاطر کی تعلّی و برتری اترتی چلی جائے۔ بالآخر اس مکر و فریب کے ذریعہ لوگوں کے قلوب کو متأثر اور اپنا گرویدہ بنا کر بڑے کی حکومت کا تختہ الٹنے اور اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

بحمد اللہ تعالیٰ میں اس مرض کا علاج خوب جانتا ہوں۔ اس مرض کی ویسے تو کئی علامات ہیں لیکن ایک بڑی علامت کثرت سے غصہ کرنا ہے۔ غصہ کرنے والا درحقیت خود کو بڑا سمجھتا ہے کہ اس کی بات کیوں نہیں مانی، اس کی عزت کیوں نہیں کی، حالانکہ انسان کی حیثیت ہی کیا ہے پورے جسم میں غلاظت ہے۔ درحقیت ایسا شخص خود کو بڑا سمجھ کر اللہ کا شریک بننا چاہتا ہے۔

انسان کی حقیقت:

ایک شخص نے بوقت غصہ دوسرے سے کہا کہ تو مجھے جانتا بھی ہے میں کون ہوں؟ اس نے جواب میں کہا کہ میں تجھے خوب جانتا ہوں کہ تو کون ہے ذرا تو اپنی حقیقت سن لے:

﴿اولک نطفة مذرة و اٰخرک جیفة قذرة و فی مابین ذلک تحمل عذرة﴾

تیرا ماضی گندا پانی ہے، ایسا گندا پانی جس کا ایک قطرہ بھی نکل جائے تو غسل فرض ہو جاتا ہے۔ حال یہ کہ پیٹ میں پاخانہ اور مثانے میں پیشاب بھرا ہوا ہے، سارے جسم میں گندا خون ہے، جسم کے کسی حصے میں سوئی چبھو دی جائے تو نجاست ابلنا شروع ہو جائے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے نجاست کے ڈھیر پر چمڑے کا باریک پردہ لگا کر اسے چھپا دیا۔ مستقبل یہ کہ جب تو مر جائے گا تو تیرے اندر سے اتنی بدبو آئے گی کہ کوئی تیرے قریب بھی نہیں آئے گا۔

کپتان صاحب:

گدھے کے پیشاب پر تنکا تیر رہا تھا اس پر مکھی بیٹھ گئی اور بہت نخرے سے اکڑ کر بیٹھی ہوئی ہے۔ پیشاب اس کے تصور میں سمندر ہے اور تنکا بحری جہاز اور یہ خود کو جہاز کا کپتان سمجھتی ہے۔

یہی حالت متکبر انسان کی ہے یہ بھی اس مکھی سے کم نہیں۔

ڈم ڈم مفت است:

ایران سے ایک شخص ہندوستان کی سیر و تفریح کے لئے آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک دوکان پر مٹھائیاں اور حلوے وغیرہ خوب بنا سجا کر رکھے ہوئے ہیں دوکان دار سے پوچھا کہ آپ انہیں کھاتے کیوں نہیں؟ اتنی عمدہ مٹھائی ایسے ہی پڑی ہوئی ہے۔ دوکان دار نے کہا کہ یہ تو دوسروں کے کھانے کے لئے ہے اگر میں خود کھاؤں گا تو نقصان ہو جائے گا۔ ایرانی کہنے لگا کہ اچھا پھر تو یہ مٹھائی ہمارے لئے ہوئی۔ دوکان دار نے کہا جی ہاں آپ کے لئے ہے۔ چنانچہ وہ ایرانی مٹھائی کھانے لگا، جب خوب سیر ہو کر اس

نے ہاتھ روک لیا تو دوکان دار نے پیسے مانگے ایرانی کہنے لگا کہ تم نے ہی تو کہا تھا کہ یہ مٹھائی تمہارے لئے ہے اگر میں کھاؤں گا تو نقصان ہو جائے گا۔ بالآخر دوکان دار نے اسے پکڑ کر تھانے دار کے سپرد کر دیا۔ تھانے دار نے سوچا کہ بیرون ملک سے آیا ہے اسے حوالات میں بند کرنا اور زیادہ سزا دینا مناسب نہیں، تھوڑی سی تذلیل کر کے چھوڑ دیا جائے۔ تھانیدار نے اس کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر دیا اور پیچھے بچوں کی فوج لگا دی کہ وہ اسے خوب چھیڑیں اور ذلیل کریں اس کے پیچھے ڈگڈگی بجاتے اور جلوس نکالتے چلے جائیں، چنانچہ بچوں نے خوب نعرے لگائے اور خوب جلوس نکالا۔ جب وہ اپنے وطن پہنچا تو دوست احباب جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ بتاؤ ہندوستان کیسا ملک ہے؟ تو کیا فرماتے ہیں:

”ہندوستان خوب ملک است. **حلوا خوردن مفت است، غازہ مفت است، سواریٔ خر مفت است، فوج طفلان مفت است، ڈم ڈم مفت است،** ہندوستان خوب ملک است۔“

”ہندستان بہت اچھا ملک ہے، حلوا مفت، غازہ ”میک اپ کرنے کا پاؤڈر“ مفت، گدھے کی سواری مفت، لونڈوں کی فوج مفت، نقارہ مفت، ہندوستان خوب ملک ہے۔“

وہ ایرانی انتہائی ذلت کی حالت کو سمجھتا ہے کہ وہ بہت اونچے مقام پر تھا، ہندوستان والوں نے اس کی بہت عزت کی بڑا اکرام کیا۔

اس پر قیاس کرلیں کہ آج کے مسلمان کو اگر کسی نے ذرا سی بات کہہ دی تو یہ فوراً بگڑ جاتا ہے کہ آپ مجھے جانتے نہیں میں کون ہوں؟ حالانکہ انتہائی ذلت میں ہے لیکن اسے کبر کی بناء پر اتنا غصہ آتا ہے کہ شاید گدھے کو بھی اتنا غصہ نہ آتا ہو گا، پھر غضب یہ کہ لوگ اس قسم کے مہلک امراض کی طرف متوجہ نہیں علاج کروانے کو تیار ہی نہیں یہ سب آخرت سے بے فکری کی باتیں ہیں۔

غصہ کا علاج:

جس پر غصہ آئے اپنا کان اس کے ہاتھ میں پکڑادیں، جیسے بکری کا کان پکڑتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس مہلک مرض کا علاج بہت جلد ہو جائے گا۔

اللہ کی محبت سے فنائیت پیدا ہوتی ہے:

جیسے جیسے انسان کے قلب میں اللہ کی محبت بڑھتی جاتی ہے اس میں فروتنی، عجز و انکسار اور فنائیت بڑھتی جاتی ہے۔ اہل اللہ ظلم کرنے والوں سے انتقام نہیں لیتے بلکہ ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں:

﴿وجزاء سیئة سیئة مثلها﴾ (۴۲-۴۰)

پر عمل نہیں کرتے بلکہ:

﴿فمن عفا و اصلح فاجره علی اللّٰه﴾ (۴۲-۴۰)

اور:

﴿ولمن صبر و غفران ذلک لمن عزم الامور﴾ (۴۲-۴۳)

پر عمل کرتے ہیں، لوگوں کی زیادتی کو معاف کر دیتے ہیں در گذر کر دیتے ہیں۔

اولیاء اللہ کا مقام:

ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ وہ اولیاء اللہ کا مقام جاننا چاہتا ہے۔ ان بزرگ نے کہا کہ فلاں مسجد میں تین شخص بیٹھے ہوں گے تم وہاں جاؤ اور انہیں ایک ایک تھپڑ لگاؤ۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں بلاوجہ جا کر انہیں تھپڑ ماروں۔ بزرگ نے فرمایا کہ اگر مقام جاننا چاہتے ہو تو اس پر عمل کرنا پڑے گا۔ وہ شخص اس مسجد میں گیا

تو وہ تینوں حضرات ذکر میں مشغول تھے اس نے ایک کو تھپڑ مارا تو انہوں نے جواباً بالکل اتنے ہی زور سے ایک تھپڑ اس کے مار دیا۔ پھر اس نے دوسرے کو تھپڑ مارا تو انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اپنے کام میں لگے رہے، آخر میں تیسرے کے تھپڑ مارا تو انہوں نے جواباً اس کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا اور پوچھا کہ آپ کو چوٹ تو نہیں آئی۔ اس نے بزرگ کے پاس جاکر سارا قصہ سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ جس نے خوب ناپ تول کر انتقام لیا وہ ابھی پہلے مقام پر ہے اور جس نے کچھ بھی نہیں کہا اسے احساس ہی نہیں ہوا وہ درمیانے مقام پر ہے اور جس نے ہاتھ چوم لیا وہ سب سے بلند مقام پر ہے۔

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ:

ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب سلطنت چھوڑی تو ایک باغ میں ملازمت کرلی، کوئی سپاہی آیا، اس نے کچھ پھل مانگے آپ نے فرمایا، کہ میں تو ملازم ہوں اس لئے مجھے پھل دینے کا اختیار نہیں، سپاہی نے آپ کو کوڑا مارا، آپ نے سر آگے بڑھا کر کہا:

﴿اضرب رأسا طالما عصى اللّٰه﴾

اس سر کو مارو اس نے اللہ کی بہت نافرمانی کی ہے، اگر آپ ذرا سا اشارہ کر دیتے کہ کون ہیں تو سپاہی کا کیا حال ہوتا۔ مار کھا کر بھی مزید ظلم سے بچنے کے لئے بتایا نہیں بلکہ خود کو اس لائق سمجھ رہے ہیں کہ اور بھی مارا جائے۔

ایک بزرگ اور بنیا:

ایک بزرگ کہیں سفر پر جارہے تھے۔ جب رات ہوئی تو سوچا کہ رات یہاں گاؤں میں گذار لوں صبح سفر پہ نکلوں گا، وہاں قریب ہی ایک بنئے کا گھر تھا اس نے انہیں

اپنے گھر میں ٹھہرا لیا۔ پہلے زمانے میں گاؤں کے لوگ بلا تخصیص مہمان کو ٹھہرا لیا کرتے تھے۔ بنئے نے ان کے لئے بستر وغیرہ لگا دیا۔ رات گذار کر وہ علی الصباح وہاں سے نکل گئے تاکہ ٹھنڈے وقت سفر کر لیں۔ ان کے وہاں سے جانے کے بعد کوئی چور آیا اور بستر اٹھا کر لے گیا۔ جب بنئے نے وہاں آکر دیکھا تو بزرگ موجود نہیں تھے اور بستر بھی غائب تھا وہ انہی کو چور سمجھا اور قدموں کے نشان دیکھتا ہوا پیچھے چل پڑا بالآخر ان بزرگ تک پہنچ گیا اور انہیں پکڑ کر مارنا شروع کر دیا، انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو بنئے نے کہا کہ چلو تھانے۔ تھانہ جو گئے تو وہاں کا تھانیدار ان بزرگ کا معتقد نکلا وہ ان سے بہت عزت و احترام سے پیش آیا۔ بنئے نے جو اس سے شکایت کی تو تھانیدار نے بتایا کہ یہ تو بہت بڑے بزرگ ہیں، اس پر بنیا بہت شرمندہ اور خوف زدہ ہوا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اس بنئے نے میرے ساتھ جو معاملہ کیا میں اسی کے لائق ہوں اور آپ میرے ساتھ جو معاملہ کر رہے ہیں یہ میرے اللہ کا کرم ہے۔

پڑوسی کو تکلیف سے بچانے کیلئے خود تکلیف برداشت کرنا:

ایک بزرگ کے گھر میں چوہے تھے کسی نے بتایا کہ ایک ایسا تعویذ ہے جس سے چوہے بھاگ جاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بھاگ کر پڑوس میں جائیں گے تو پڑوسی کو تکلیف ہوگی میں یہ نہیں کر سکتا۔

بد مزاج بیوی:

ایک بزرگ کی بیوی بہت بد مزاج تھی کسی نے کہا کہ اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے تو فرمایا کہ میں چھوڑ دوں گا تو کسی اور سے شادی کرے گی اسے تنگ کرے گی میں نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا پریشان ہو اس لئے میں اسے نہیں چھوڑتا۔

علاج حب جاہ:

بزرگوں میں حب جاہ نہیں ہوتی اس لئے لوگ ان کی تعریف کریں یا برائی ان کے لئے سب برابر ہے کیونکہ اللہ کی کبریائی ان پر ایسی غالب ہوتی ہے کہ اپنی ذات کا انہیں ہوش نہیں رہتا۔ ہمارے حضرت پھولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی عبدالغنی کو ذکر نے مٹا دیا، لیکن اس کے باوجود بزرگوں کے ایسے کتنے ہی قصے ہیں کہ وہ بڑے بڑے بادشاہوں کو خاطر میں نہ لائے ان کے اس رویے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ انہوں نے حب جاہ کی وجہ سے ایسا کیا بلکہ اس طرز عمل کا مقصد اہل ثروت اور اہل منصب کے مرض حب جاہ کا علاج کرنا تھا۔ اس سے متعلق کچھ قصے بھی سن لیجئے:

① امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ:

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے گورنر عیسی بن موسی نے کہا:

﴿لم لا تغشانا یا ابا حنیفة فیمن یغشانا؟﴾

"لوگ ہمارے پاس آتے ہیں آپ کیوں تشریف نہیں لاتے؟"

حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

﴿لانک اذا قربتنی فتنتنی واذا اقصیتنی احزنتنی ولیس عندک ماارجوک له ولیس عندی ماا خافک علیه وانما یغشاک من یغشاک لیستغنی بک عمن سواک وانا غنی بمن اغناک فلم اغشاک فیمن یغشاک؟﴾

"اس لئے کہ تو مجھے قریب کرے گا تو میرے دین کو نقصان پہنچائے گا، پھر میں تجھ سے دور ہٹوں گا تو مجھے تضییع اوقات پر صدمہ ہوگا اور تیرے

پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وجہ سے میں تجھ سے کوئی امید رکھوں، اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تجھ سے ڈروں، لوگ تجھ سے غنا حاصل کرنے آتے ہیں، اور مجھے اس اللہ نے غنی کیا ہے جس نے تجھے غنی کیا، تو میں تیرے پاس کیوں آؤں؟"

پھر حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شعر پڑھے ۔

کسرة خبز وقعب ماء
وسحق ثوب مع السلامة
خیر من العیش فی نعم
یکون من بعدها ندامة

"ایمان کی سلامتی کے ساتھ روٹی کا ٹکڑا اور پانی کا پیالہ اور بوسیدہ کپڑا اس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت ہو۔"

ان حضرات کی شان یہ تھی ۔

لنقل الصخر من قلل الجبال
احب الی من منن الرجال

"پہاڑوں کی چوٹیوں سے پتھر ڈھو ڈھو کر گزر اوقات کروں یہ میرے لئے اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ لوگوں کا زیر احسان رہوں۔"

بئس المطاعم عند الذل تکسبها
فالقدر منصوب و القدر مخفوض

"ذلت کی کمائی بہت بری ہے، اس سے ہنڈیا تو چڑھ جاتی ہے مگر عزت خاک میں مل جاتی ہے۔"

پھیر لوں رخ پھیر لوں ہر ماسوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس روئے جانانہ رہے
بت کریں مائل مجھے میں ان سے روگرداں رہوں
کعبہ آگے ہو مرے پیچھے صنم خانہ رہے

② امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مجھے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے حدیث پڑھنے کا شوق تھا، مگر آپ کی جلالت شان کی وجہ سے براہ راست آپ سے درخواست کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، اس لئے میں نے امیر المؤمنین ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ سے سفارشی خط لکھوایا۔ امیر المؤمنین سے میرا تعلّق قرابت تھا، امیر المؤمنین نے مدینہ منورہ کے گورنر کے نام خط لکھا کہ وہ مجھے بنفس خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچا کر آئیں۔ میں مدینہ منورہ پہنچا اور گورنر کو امیر المؤمنین کا خط دیا، وہ خط پڑھ کر مجھ سے یوں مخاطب ہوئے:

صاحبزادے! اگر امیر المؤمنین مجھے مدینہ سے مکہ پیدل چل کر پہنچنے کا حکم فرماتے تو میرے لئے اس کی تعمیل امام مالک کے دروازہ پر پہنچنے کی بنسبت بہت آسان تھی۔''

میں یہ سمجھا کہ گورنر صاحب امام کے دروازہ پر جانے کو اپنے منصب کے خلاف سمجھتے ہیں، اس لئے میں نے کہا:

''آپ امام کو اپنے پاس بلوالیں۔''

گورنر نے کہا:

"یہ کیسے ممکن ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر میں امام کے دروازہ پر جا کر گھنٹوں باہر کھڑا رہوں اور پھر ملاقات کی اجازت مل جائے تو غنیمت ہے، اس لئے ان کی خدمت میں حاضری بہت مشکل ہے، مگر امیر المؤمنین کا حکم ہے، تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

گورنر صاحب مجھے ساتھ لے کر امام عالی مقام کے دروازہ پر حاضر ہوئے، دستک دی، بہت انتظار کے بعد ایک حبشیہ باندی باہر آئی۔ گورنر نے امام کو اپنی حاضری کی اطلاع دینے کی درخواست کی۔ باندی اندر گئی اور غائب۔ ہم دونوں دروازہ پر کھڑے انتظار کرتے رہے۔ بہت انتظار کے بعد امام کی طرف سے یہ جواب لائی:

"اگر کوئی ضروری مسئلہ دریافت کرنا ہے تو سؤال اندر بھیج دیں، میں جواب لکھ دوں گا، اور اگر کوئی دوسری غرض ہے تو واپس چلے جائیں، میں نے ہفتہ میں ایک متعیّن دن میں ملاقات کی اجازت دے رکھی ہے، آپ نے اس کی خلاف ورزی کیوں کی؟"

گورنر نے باندی سے کہا:

"امیر المؤمنین کا خط لے کر حاضر ہوا ہوں۔"

باندی پھر غائب۔ بہت انتظار کے بعد ایک بہت عظیم الشان کرسی لائی اور باہر رکھ کر چلی گئی، یہ کرسی امام کے لئے تھی، اس لئے گورنر صاحب اسی طرح میرے ساتھ کھڑے رہے۔ کرسی باہر رکھنے کے بعد بھی حضرت امام باہر تشریف نہیں لا رہے، کرسی خالی رکھی ہے اور گورنر صاحب پاس کھڑے انتظار کی کٹھن گھڑیاں کاٹ رہے ہیں۔

بہت انتظار کے بعد حضرت امام باہر تشریف لا کر کرسی پر جلوہ افروز ہوئے، گورنر صاحب سامنے کھڑے ہیں، امیر المؤمنین کا خط حضرت امام

کی خدمت میں پیش کیا۔ امام نے خط پڑھا تو بہت غضبناک ہو کر خط پھاڑ کر پھینک دیا، اور فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، اور وہ حاصل کیا جارہا ہے بادشاہ کی سفارش سے؟"

گورنر صاحب پر تو سکتہ طاری ہو گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت عطاء فرمائی۔ میں نے عرض کیا:

"مجھ سے غلطی ہو گئی، معاف فرمائیں، میں طلب حدیث کی آرزو لے کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔"

یہ سنتے ہیں فوراً ٹھنڈے ہو گئے، اور میرے ساتھ بہت محبت وشفقت کا اظہار فرماتے ہوئے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت عطاء فرمائی۔ میں نے آپ سے آپ کی کتاب موطا پڑھنا شروع کی، پھر تو محبت وشفقت کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات میں آپ کے آرام و دیگر اہم مشاغل کے پیش نظر حالت درس میں عرض کرتا:

"بس اتنا درس کافی ہے۔"

مگر آپ فرماتے:

"ابھی نہیں، کچھ اور پڑھ لو۔"

اس قصہ میں کسی کو یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی باندی ہر بار اتنی دیر کیوں کرتی رہی؟ ابتداءً دروازہ پر دستک دینے کے بعد بہت دیر سے باہر آئی، پھر امام کی طرف گورنر کا پیغام لے کر گئی تو بہت دیر کے بعد جواب لائی، پھر دوبارہ پیغام لے کر گئی تو بہت دیر کے بعد کرسی لے کر باہر آئی۔

اس کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں مثلاً:

❶ آقا کی عظمت شان کا اثر اس کے غلاموں اور باندیوں پر بھی لازماً پڑتا ہے۔ بادشاہ

کے چپراسی بلکہ بھنگی کو بھی اپنے مقام پر ناز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو علم و تقویٰ اور غیر اللہ سے استغناء کی بدولت وہ مقام عطاء فرمایا تھا کہ اس کی جلالت شان کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے۔ امیر المؤمنین ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت کی تقریباً پوری متمدن دنیا کے بادشاہ تھے، اس کے باوجود حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے درس حدیث میں شریک ہوتے اور آپ کے سامنے مساکین طلبہ کے ساتھ بیٹھتے، بھلا ایسے جلیل القدر امام کی باندی کی نظر میں گورنر کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟

❷ یہ بھی بعید نہیں کہ حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے از خود باندی کو یہ تعلیم دی ہو جس سے دنیوی مال وجاہ رکھنے والے یعنی اہل اقتدار و اہل ثروت کی دینی اصلاح و تربیت مقصود تھی۔ دنیادار طبقہ جب تک علماء و مشایخ کو اپنے سے برتر اور خود کو ان کا محتاج نہیں سمجھتا اس وقت تک اس کی اصلاح ممکن نہیں۔

❸ حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ بہت اہم دینی مشاغل میں مستغرق رہتے تھے، اس لئے باندی آپ سے کوئی بات کہنے میں فرصت کا انتظار کرتی ہوگی۔

③ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا دوسرا قصہ:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے امیر المؤمنین ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حدیث کی کتاب "موطأ" پڑھنے کی درخواست کی، امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط لگائی کہ درس حدیث کی عام مجلس میں مساکین طلبہ کے ساتھ بلاامتیاز زانو بزانو بیٹھ کر پڑھیں، امیر المؤمنین نے یہ شرط قبول کرلی۔

④ شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ:

صاحب کنز العمال شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ کو گجرات کے سلطان بہادر خان

برکت کے لئے اپنے شاہی محل میں بلانا چاہتے تھے لیکن آرزو پوری نہیں ہوتی تھی، بادشاہ نے وقت کے قاضی عبداللہ المسندی کو تیار کیا کہ وہ کسی طرح حضرت شیخ کو ایک مرتبہ محل سرائے پر تشریف آوری کے لئے آمادہ کریں، قاضی صاحب بڑی جدوجہد کے بعد اس میں کامیاب ہوئے لیکن شیخ نے اس شرط پر جانا قبول فرمایا کہ بادشاہ کے ظاہر و باطن میں اگر کوئی غیر اسلامی عنصر نظر آئے گا تو میں چپ نہیں رہوں گا اور بر سر دربار ٹوک دوں گا، بادشاہ نے شرط منظور کرلی، شیخ سے کہلا بھیجا کہ آپ کا جو دل چاہے کہیں، شیخ تشریف لائے اور جو جی میں آیا بادشاہ کو منہ پر کہتے چلے گئے اور واپس چلے گئے، بادشاہ نے بعد میں ایک کروڑ تنکہ گجراتی ہدیہ بھیجا، حضرت شیخ نے وہ نذرانہ لانے والے قاصد قاضی صاحب ہی کے حوالہ کردیا کہ یہ تمہارے ہی ذریعہ سے آیا تم ہی اس کے زیادہ مستحق ہو۔

⑤ پیران پیر رحمہ اللہ تعالیٰ:

پیران پیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی خانقاہ کو سنجر کے بادشاہ نے پورا صوبہ "نیمروز" نذرانے کے طور پر پیش کیا، آپ نے فرمایا ؎

چون چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
گر در دلم رود ہوس ملک سنجرم
آنگہ کہ یا فتم خبر از ملک نیم شب
من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

فرمایا کہ تو جو پورا صوبہ وقف کرنا چاہتا ہے تیری اس پیشکش پر اگر میرے حاشیۂ قلب میں بھی کوئی خیال آجائے اور میری توجہ ادھر چلی جائے تو میرا بخت سیاہ ہوجائے۔ جب رات میں اٹھ کر اپنے محبوب کے ساتھ مشغول ہوجانے کی دولت کو پالیا اور وہ لذت قلب کو مل گئی تو میرے قلب میں صوبہ "نیمروز" کی قیمت ایک جو کے

برابر بھی نہیں رہی۔ دیکھئے بظاہر کتنا بڑا تکبر معلوم ہو رہا ہے کہ بادشاہ نے پیش کش کی تھی تو یہ مروت ہی سے قبول فرما لیتے یا اگر قبول نہیں کیا تھا تو جواب کچھ نرمی سے دیتے کیا سخت جواب دیا کہ میرے نزدیک اس کی وقعت ایک جو کے برابر بھی نہیں۔

⑥ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ:

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بادشاہ تیمور لنگ نے ملاقات کے لئے بلوایا آپ تشریف لے گئے۔ بادشاہ چونکہ لنگڑا تھا اس لئے اسے پاؤں پھیلا کر بیٹھنا پڑتا تھا جب بادشاہ پاؤں پھیلا کر بیٹھا تو یہ بھی اپنی ٹانگ بادشاہ کی طرف پھیلا کر بیٹھ گئے بادشاہ نے معذرت کے طور پر کہا:

"معذورم دار مارا لنگ است"

آپ مجھے معذور سمجھیں میں لنگڑا ہوں۔ جواب میں فرمایا:

"معذورم دار مارا ننگ است"

آپ مجھے معذور سمجھیں مجھے غیرت آتی ہے کہ بادشاہ عالم کے سامنے پاؤں پھیلا کر بیٹھے۔ تجھے لنگ ہے تو مجھے ننگ ہے۔ دیکھئے بظاہر کتنا بڑا کبر معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ بیچارہ مجبور ہے اپنا عذر بھی بتا رہا ہے مگر یہ پھر بھی اس کی طرف پاؤں پھیلائے بیٹھے ہوئے ہیں۔

⑦ خلیل نحوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

خلیل نحوی رحمہ اللہ تعالیٰ نہ تو کوئی مفسر قرآن تھے، نہ محدث اور نہ ہی کوئی مشہور صوفی یا پیر تھے بلکہ یہ نحو کے بہت بڑے ماہر گذرے ہیں۔ آج کے مولوی جو اہل ثروت کے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے ہیں ان کے قصہ سے کچھ سبق حاصل کریں۔

انہیں بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ آپ یہاں آکر میرے بچوں کو پڑھائیں۔ ذرا سوچئے! بادشاہ کسی کو بلائے تو مال بھی اور جاہ بھی سبحان اللہ! کیا کہنے کی بات ہے، جیسے کہتے ہیں کہ دسوں انگلیاں گھی میں، بادشاہ بلا رہا ہے کہ میرے پاس آکر رہیں۔ جب قاصد نے بادشاہ کا پیغام ان تک پہنچایا تو انہوں نے ایک پرانی سی تھیلی نکالی اس میں سے روٹی کا سوکھا ہوا ٹکڑا نکال کر قاصد کو دکھایا اور فرمایا کہ جب تک میرے پاس یہ ہے بادشاہ کی کوئی پروا نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب یہ ختم ہو جائے گا تو بھاگا بھاگا آؤں گا بلکہ مقصد یہ ہے کہ روکھی سوکھی تو اللہ دے ہی رہا ہے جب میرے پاس بقدر ضرورت رزق ہے تو مجھے بادشاہ کی کوئی پروا نہیں۔

⑧ پندرھویں صدی کا نحوی:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ تو پرانے زمانے کے قصے ہیں اب ایسا نہیں ہوتا، ذرا اس زمانے کے نحو کے ایک استاذ کے حالات سنئے وہ دن بھر میں تقریباً بائیس اسباق پڑھاتے ہیں ہر سبق آدھے یا پون گھنٹہ کا ہوتا ہے اور وہ اسباق کے دوران ہی کھانا کھاتے ہیں اور وہ کھانا کیا ہوتا ہے صرف روٹی اس کے ساتھ کسی قسم کا سالن نہیں ہوتا۔ بفضل اللہ تعالیٰ آج بھی اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں۔

⑨ ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ:

بادشاہ نے مسئلہ معلوم کروایا کہ بادشاہ کے لئے ریشم پہننا جائز ہے؟ سرکاری مفتیوں نے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ سرکاری مفتیوں پر اعتماد نہیں ملاجیون سے پوچھو، ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا جواب جمعہ کی نماز کے وقت منبر پر چڑھ کر دوں گا، اس زمانے میں جمعہ کی نماز بادشاہ خود پڑھایا کرتے تھے، بھری مسجد میں بادشاہ کی موجودگی میں ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا:

"مستفتی و مفتی ہر دو کافر اند۔"

"مستفتی اور مفتی دونوں کافر ہیں۔"

بادشاہ نے اپنی بے عزتی محسوس کر کے آپ کو قتل کروانے کا منصوبہ بنایا، شہزادے نے آپ کو خبر کر دی آپ نے فرمایا:

"لاؤ میرا بدنا۔"

یعنی وضوء کر کے نماز پڑھ کر اس کا انتظام کروں گا۔ شہزادے نے بادشاہ کو یہ قصہ بتایا تو وہ ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ کی بددعاء سے ڈر گیا، شہزادے کے ذریعہ معافی کی درخواست اور بہت گراں قدر تحائف بھیجے۔

اس قصہ سے ثابت ہوا کہ سرکاری مولوی سرکار کے ہاں کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ جائیں تو بھی سرکار کی نظر میں ان کی عظمت بلکہ ذرا سی وقعت بھی نہیں ہوتی۔

⑩ شاہ سلیم چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ:

شاہ سلیم چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ میں فلاں دن حاضر خدمت ہونا چاہتا ہوں، انہوں نے اجازت دے دی مگر پھر یہ یاد ہی نہ رہا کہ بادشاہ ملاقات کے لئے حاضر ہوگا، یہ بات ذہن سے نکل گئی گویا ان کے ذہن میں ایسی بات بیٹھتی ہی نہیں تھی۔ جس وقت بادشاہ کو ملاقات کے لئے آنا تھا آپ نے اس وقت کرتا اتار کر خادم کو دھونے کے لئے دیا اور خود کمرے کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ گئے۔ جیسے ہی بادشاہ کی سواری آئی خادم نے جلدی سے دروازے کو دستک دی، آپ نے دروازہ کھولا تو خادم نے عرض کیا کہ بادشاہ کی سواری آگئی، فرمایا میں سمجھا کہ میرے کرتے میں کوئی موٹی سی جوں آگئی دل میں بادشاہ کی وقعت جوں جتنی بھی نہیں تھی۔ جب بادشاہ اندر آگیا تو انہوں نے دونوں پاؤں بادشاہ کی طرف پھیلا دیئے۔ بادشاہ کے

مصاحب نے پوچھا کہ حضور! آپ نے بادشاہ کی طرف پاؤں کیوں پھیلا دیئے؟ فرمایا:

"جب سے ہم نے ہاتھ سکوڑے (سکیڑے) ہیں پاؤں پھیلا دیئے ہیں۔"

یہ دنیا کا دستور ہے کہ جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا وہ اس کی طرف سے پاؤں سمیٹ کر رکھے گا اور جس نے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے وہ پاؤں پھیلا کر رکھے گا۔ مصاحب نے عرض کیا کہ حضور! بادشاہ ہے۔ فرمایا:

"یہ تو میرے غلاموں کا غلام ہے۔"

اس نے کہا کہ غلاموں کا غلام کیسے؟ فرمایا:

"دنیا میری غلام ہے یہ دنیا کا غلام۔"

⑪ پیر محمد سلونی رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت پیر محمد سلونی رحمہ اللہ تعالیٰ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں گزرے ہیں۔ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت میں لکھا کہ میں آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتا مگر دکن کی طرف بغاوت کا فتنہ ہے اسے کچلنے کے لئے جہاد کی مصروفیت ہے اس لئے میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کبھی اپنے کسی کام سے دلی تشریف لائیں تو مجھے اطلاع ہو جائے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نہ صرف بادشاہ بلکہ بہت بڑے عالم بھی تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں فہم دین عطاء فرمایا تھا، انہوں نے یوں عرض نہیں کیا کہ آپ میرے ہاں تشریف لائیں، اگر ایسی درخواست کرتے تو شاید بہت سخت جواب ملتا مگر یہ سمجھدار تھے اس لئے کہا کہ آپ کی دلی آمد کی مجھے اطلاع ہو جائے تو میں خود حاضر ہو جاؤں گا۔ آج کل تو لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ پیر صاحب کو گھر میں بلایا جائے اور پیر صاحب بھی لوگوں کی دعوت کے منتظر بیٹھے رہتے ہیں، جیسی روح ویسے فرشتے۔

حضرت پیر محمد سلونی رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب سنئے، فرمایا:

”شاہا! دین پناہا! این دہقانی رابا بزم سلطانی چہ کار؟ در کریم باز است، کریم مابے نیاز است، کریمے دارم کہ چون گرسنہ می شوم مہمانی می کندو چون می خسپم نگہبانی می کند، وچون گنہ می کنم مہربانی می کند، کریم مابس باقی ہوس۔“

فرمایا کہ اس دہقانی کو بزم سلطانی سے کیا کام؟ کریم کا دروازہ کھلا ہے، ہمارا کریم بے نیاز ہے، میں ایسا کریم رکھتا ہوں کہ جب میں بھوکا ہوتا ہوں وہ مہمانی کرتا ہے اور جب میں سوتا ہوں وہ نگہبانی کرتا ہے، اور جب میں گناہ کرتا ہوں وہ مہربانی کرتا ہے، ہمارا کریم کافی ہے، اور اس کے سوا باقی سب ہوس ہے۔

یہ جو فرمایا کہ جب میں گناہ کرتا ہوں وہ مہربانی کرتا ہے تو کہیں ان کے گناہ کو اپنے گناہوں جیسا سمجھ کر اور جری نہ ہوجائیں کہ گناہ کرتے رہیں اور ختم خواجگاں پڑھتے رہیں، ان لوگوں کے گناہ کچھ اور ہوتے ہیں ان کے حالات کچھ اور ہوتے ہیں، اگر توجہ الی اللہ میں معمولی سی کمی ہوجائے تو ان کے دلوں پر قیامت گزر جاتی ہے ؎

بر دل سالک ہزاران غم بود
گر ز باغ دل خلالے کم بود

اتنا بڑا بادشاہ زیارت کا خواہشمند ہے جو نہ صرف دینوی بلکہ دینی لحاظ سے بھی بہت بلند مقام پر ہے، اسے بھی ایسے ٹال دیا، جیسے مکھی اڑائی جاتی ہے کہ مجھ سے ملاقات کی زحمت نہ کریں مجھے ان ملاقاتوں کی ضرورت نہیں ”کریم مابس باقی ہوس“ میرا کریم میرے لئے کافی ہے مجھے کسی اور کی ضرورت نہیں ؎

پھیر لوں رخ پھیر لوں ہر ماسوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس روئے جانانہ رہے

⑫ شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ:

لکھنؤ کے ایک نواب نے حضرت شاہ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر فرشی سلام کیا، فرشی سلام کرنے والا اتنا جھک جاتا ہے کہ گویا زمین پر بچھ جاتا ہے۔ جب اس نے سلام کیا تو آپ نے منہ چڑا دیا اور دوسری طرف کو رخ کر لیا۔ اس نے دوسری طرف جاکر پھر سلام کیا تو آپ نے انگوٹھا دکھا دیا۔

⑬ در درویش را دربان:

ایک بزرگ کی خدمت میں بادشاہ زیارت کے لئے حاضر ہوا، اس نے دروازے پر دربان دیکھا تو کہا ؏

در درویش را دربان نباید

درویش کے دروازے پر دربان نہیں ہونا چاہئے، دروازہ کھلا رہنا چاہئے جو آنا چاہے آجائے۔ اس بادشاہ کا دماغ خراب تھا اسی لئے تو اعتراض کیا اگر دماغ صحیح ہوتا تو بات سمجھ میں آجاتی۔ بزرگ کا جواب سنئے اللہ تعالیٰ جسے نور بصیرت اور نور فراست عطاء فرماتے ہیں اسے جواب دینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی، فرمایا ؏

بباید تا سگ دنیا نیاید

دنیا کے کتوں کو روکنے کے لئے دربان رکھا ہے کہ کہیں کوئی دنیا کا کتا اندر نہ گھس آئے، جو دیندار ہیں اللہ کے بندے ہیں ان کے لئے دربان نہیں رکھا بلکہ تیرے جیسے دنیا کے کتوں کے لئے رکھا ہے ارے! کیسے بجایا، کیسے بجایا بادشاہ کی کیسے خبر لی۔

⑭ شاہ ابو سعید رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پوتے شاہ ابو سعید نے اپنے

دادا سے کچھ حاصل نہ کیا، غفلت میں وقت گزار دیا پھر ان کے انتقال کے بعد خیال ہوا کہ کچھ حاصل کرنا چاہئے۔ کابل میں حضرت شاہ نظام الدین کابلی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ عبد القدوس رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے، شاہ ابو سعید ان کے پاس کابل پہنچ گئے۔ ان کی نیت تو استفادہ کی تھی لیکن وہاں جاکر انہوں نے یہ بات نہیں بتائی۔ جب یہ وہاں پہنچے تو انہوں نے ان کا بہت اکرام کیا۔ مسند پر جہاں خود بیٹھا کرتے تھے انہیں وہاں بٹھاتے اور خود ان کے سامنے انتہائی ادب و احترام سے دوزانو بیٹھتے، بہتر سے بہتر کھانے کھلاتے، پھر کچھ دن کے بعد جب یہ وہاں سے واپس جانے لگے تو شاہ نظام الدین نے انہیں بہت بھاری نذرانہ پیش کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے اس دولت کی ضرورت نہیں یہ تو میرے پاس بہت ہے، میں تو آپ کے پاس وہ دولت لینے آیا ہوں جو آپ نے میرے دادا سے حاصل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے تو آپ کچھ دن میرے پاس رہیں، ان پر کچھ پابندیاں لگائیں:

❶ گھوڑوں اور کتوں کے اصطبل میں رہا کریں، انہوں نے گھوڑے اور کتے شکار کرنے کے لئے پالے ہوئے تھے۔

❷ اصطبل کی صفائی کیا کریں، گھوڑوں کی لید اور کتوں کا پاخانہ صاف کریں، گھوڑوں اور کتوں کو خوراک دینے کا کام اور ان کی دیکھ بھال کیا کریں۔

❸ حمام جھونکا کریں۔

❹ کھانے کے لئے جو کی روٹی ایک صبح ایک شام بغیر سالن کے ملتی تھی۔

❺ اگر شیخ کی زیارت کے لئے خانقاہ میں آنا چاہیں تو دروازے پر بیٹھیں اندر آنے کی اجازت نہیں۔

جب کچھ دن گزر گئے تو شیخ نے بھنگن سے فرمایا کہ تو اپنا غلاظت کا ٹوکرا لے کر اصطبل میں جو ایک دیوانہ سا شخص ہوتا ہے اس کے قریب سے گزر اور جو کچھ کہے مجھے آکر بتانا۔ بھنگن جب ان کے قریب سے گزری تو انہوں نے بہت غصہ میں تین جملے

کہے:

”نہ ہوا گنگوہ، غیر ملک ہے اور شیخ کی بھنگن ہے۔“

یعنی اگر اپنے ملک میں ہوتی تو قتل ہی کر ڈالتے۔ بھنگن نے آکر شیخ کو بتادیا۔ شیخ نے کہا کہ اچھا ابھی ضرورت ہے پھر وہی کام کرواتے رہے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شیخ نے پھر بھنگن سے فرمایا کہ اب پھر ذرا اس کے قریب سے گزرو اور آکر مجھے بتاؤ کہ اس نے کیا کہا۔ جب بھنگن غلاظت کا ٹوکرا لے کر ان کے قریب سے گزری تو کہا تو کچھ نہیں مگر بہت غصہ سے گھور کر دیکھا۔ شیخ کو پتا چلا تو فرمایا غنیمت ہے کچھ مصالحہ تو لگا لیکن ابھی کچھ اور ضرورت ہے پھر وہی کام کرواتے رہے اور کچھ عرصہ بعد بھنگن سے فرمایا کہ اس بار جب اس کے قریب سے گزرو تو ایسا ظاہر کرنا کہ گویا تمہیں ٹھوکر لگی ہے۔ غلاظت کا ٹوکرا اس کے اوپر پھینک دینا۔ بھنگن نے ایسا ہی کیا غلاظت کا ٹوکرا سارا ان کے اوپر پھینک دیا لیکن انہیں کچھ پروا نہیں، جلدی سے بھنگن کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور پوچھا کہ بی چوٹ تو نہیں لگی اور ساری غلاظت اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر ٹوکرے میں ڈالی۔ شیخ نے سنا تو فرمایا ابھی ایک آخری انجکشن اور ہے۔ ان سے کہا کہ شکار کی تیاری کرو۔ گھوڑے اور کتے تیار کئے اور ان میں جو سب سے زیادہ طاقتور کتا تھا وہ ان کے حوالے کر دیا اور فرمایا کہ کچھ بھی ہو جائے اسے چھوڑنا نہیں۔ شکار سامنے آنے پر کتے کو روکنا بہت مشکل کام ہے، بالخصوص جب کہ دوسرے کتے شکار کے پیچھے بھاگ رہے ہوں تو کسی ایک کتے کو روکنا تو بہت ہی مشکل ہے، وہ کتا تھا بھی سب سے زیاہ طاقتور اور بہت سرکش، انہوں نے سوچا کہ اگر کتے کی رسی ہاتھ میں پکڑی تو یہ قابو میں نہیں رہے گا، رسی چھڑا کر شکار کے پیچھے بھاگ جائے گا اور شیخ کا حکم ہے کہ اسے چھوڑنا نہیں اس لئے کتے کی رسی اپنی کمر سے باندھ لی، چونکہ یہ فاقوں کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے اور کتا بہت طاقتور، کتے نے جو زور لگایا تو یہ گر گئے، کتا انہیں بہت دور تک جنگل میں جھاڑیوں اور کانٹوں میں گھسیٹتا ہوا لے گیا، لہولہان ہو گئے، آخر کار شیخ

نے دوسروں سے کہا کہ اس کتے کو روکو۔ لوگوں نے جب کتے کو روکا تو یہ بہت زخمی ہو چکے تھے اس کے باوجود انہیں اپنی فکر نہ تھی بس اس خوف سے لرز رہے تھے کہ شیخ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگئی، شیخ ناراض ہوں گے، پھر شیخ نے انہیں خلافت دے کر رخصت کیا۔ شاہ نظام الدین کو خواب میں حضرت شاہ عبدالقدوس رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی انہوں نے فرمایا کہ میں نے تو تم سے اتنے سخت مجاہدات نہیں کروائے تھے۔

(۱۵) شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ:

شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور! ریاست رامپور کے نواب نے مجھے بھیجا ہے کہ اگر شاہ صاحب میری دعوت قبول فرمالیں تو ایک لاکھ اشرفی نذرانہ دوں گا۔ شاہ صاحب اس وقت کسی دینی بات میں مشغول تھے، جیسے اس نے کہا تو بات کرتے کرتے درمیان میں فرمایا کہ ارے! لاکھ پر مار لات میری بات سن۔ ایسے ہی جیسے کسی مکھی یا مچھر کو اڑا دیا جائے، جب بات سے فارغ ہوئے تو فرمایا ؎

میں دل پر جو ان کا کرم دیکھتا ہوں
تو دل کو بہ از جام جم دیکھتا ہوں

ارے میں دل پر جس کا کرم دیکھ رہا ہوں اس کے سامنے کیا لاکھوں کی باتیں کر رہے ہو۔

(۱۶) شاہ صاحب کا دوسرا قصہ:

ایک انگریز گورنر نے اپنی میم کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، وہ میم کے ساتھ زیارت کے لئے پہنچ گیا۔ یہ انگریز کی حکومت کا زمانہ تھا جب

لوگ سپاہی سے اتنا ڈرتے تھے کہ آج کل صدر مملکت اور وزیراعظم سے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔ جب وہ پہنچے تو گورنر تو سامنے چٹائی پر بیٹھ گیا اور ایک کونے میں مٹکا اوندھا رکھا ہوا تھا جس پر بہت گرد و غبار پڑا ہوا تھا میم سے فرمایا کہ بی! تم اس پر بیٹھ جاؤ، اسے وہاں بندریا کی طرح بٹھادیا۔

⑰ شاہ صاحب کا تیسرا قصہ:

ایک بار ایک بہت بڑے نواب آپ کی خانقاہ میں آئے اور صاحبزادے سے رات کو ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی۔ عشاء کی نماز کے بعد کافی وقت گزر گیا تو صاحب زادے نے مناسب موقع دیکھ کر عرض کیا کہ فلاں نواب صاحب خانقاہ میں ٹھہرنا چاہتے ہیں، مہربانی فرمائیں اجازت دے دیں آپ نے فرمایا:

"نکالو، نکالو اسے۔"

صاحبزادے نے عرض کیا کہ وہ بے چارہ طلب لے کر آیا ہے اچھا ہے اجازت دے دیں دینی فائدہ ہوگا، فرمایا:

"اچھا ٹھیک ہے لیکن فجر سے پہلے یہاں سے نکل جائے۔"

صاحبزادے نے نواب صاحب کو سمجھایا کہ آدھی رات کو کہاں جاؤ گے بہتر ہے کہ ابھی چلے جاؤ۔

⑱ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

ایک نواب صاحب نے جو دینداری میں بھی شہرت رکھتے تھے اپنے خاص سکریٹری اور وزیر کو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ پیام دے کر بھیجا کہ میں حضرت والا کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں حضرت مجھ سے مل لیں۔ حضرت

نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اول اول تو اعذار شروع کر دیئے کہ میں غریب دیہات کا رہنے والا آداب امراء سے غیر واقف ہوں شاید آداب مجلس نہ بجالاسکوں۔ اس پر وزیر صاحب نے کہا کہ حضرت! نواب صاحب تو خود حضرت کا ادب کریں گے حضرت تمام آداب سے مستثنیٰ ہوں گے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں میں تو ان کی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں اگر ان کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے ملنے آئیں ان کے پیروں میں مہندی تو نہیں لگی ہے۔

آپ کا حال یہ تھا ؎

بیٹھا ہوں غنی ہو کے ہر اک شاہ وگدا سے
سو بار غرض جس کو پڑے وہ ادھر آئے

⑲ حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک بہت بڑے مشہور مقرر نے بیعت کی درخواست پیش کی یہ خطابت اور زور بیان میں ایسے تھے کہ گویا ''سحبان وقت۔'' حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیعت ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وعظ و تقریر کا دھندا چھوڑنا پڑے گا، اگر یہ شرط قبول ہے تو بیعت کروں گا ورنہ نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ تو میں نہیں چھوڑ سکتا تو فرمایا کہ ہم بھی اپنی شرط نہیں چھوڑ سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نیت ہی یہ ہوگی کہ ابھی تو لوگ مجھے بہت بڑا مقرر ہی سمجھتے ہیں جب کسی مشہور بزرگ سے بیعت ہو جاؤں گا اور پھر کچھ دن کے بعد خلافت بھی مل جائے گی تو پھر تو کچھ نہ پوچھئے کیا شان ہوگی۔ ان بزرگ کو بھی اپنے جیسا سمجھ لیا کہ وہ پہلے سے تیار بیٹھے ہوں گے کہ ایسا مشہور شخص میرا مرید بن گیا تو پھر دیکھئے میری پیری کیسی چمکتی ہے لیکن جب دیکھا کہ یہ پیر تو کچھ اور ہی نکلا اس سے تو مراد پوری نہیں ہو سکتی تو صاف انکار کر دیا کہ میں وعظ و تقریر نہیں چھوڑوں گا، اتنا بڑا کام میرا اللہ مجھ سے لے

رہاہے ہزاروں کے مجمع کو الٹ پلٹ کردیتا ہوں آپ سے بیعت ہونے کی خاطر اتنا بڑا کام کیسے چھوڑ دوں۔ کچھ بات سمجھ میں آئی کہ حب جاہ کا علاج کیسے کیا جاتا ہے۔ حب جاہ کے علاج کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ زیادہ بولنے پر، دینی باتیں کرنے پر پابندی لگادی جاتی ہے۔ جاہل جب دینی باتیں کرے گا تو پھر سبحان اللہ! کیا کہنے کچھ نہ پوچھئے اس کی شان، سوفیصد مکمل جاہل اور وہ جو کرے گا لچھے دار تقریر تو پھر دیکھئے شیطان اسے کہاں پہنچاتا ہے اسی لئے مصلحین باطن فرماتے ہیں ؎

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال
تو نۂ کامل مخور می باش لال

دنیوی نعمتیں زیادہ استعمال کرنا اور دینی باتیں زیادہ کرنا کامل کے لئے حلال ہے غیر کامل کے لئے حلال نہیں۔

"تونہ ای کامل"

بچے بیٹے تو کامل نہیں اس لئے مخور "مت کھاؤ" صبر کرو جب معدہ میں صلاحیت پیدا ہوجائے گی تو پھر خوب کھانا پینا اور ابھی تم کامل نہیں ہو اس لئے خاموش رہا کرو دین کی باتیں لوگوں تک پہنچانے کی اجازت نہیں اگر خاموش نہ رہے تو شیطان تمہیں عجب و کبر میں مبتلا کر کے جہنم میں پہنچا کر چھوڑے گا۔

﴿۲۰﴾ مولانا فیض اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ:

ٹنڈو آدم میں حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے ایک بزرگ مولانا فیض اللہ گزرے ہیں، وہ ایسے مستغنی تھے کہ جب بہت بڑے بڑے زمیندار اور حکام ان کی زیارت کے لئے آتے تو اگر وہ بیٹھے ہوتے انہیں دیکھ کر لیٹ جاتے تھے اور رخ دوسری جانب کر کے مصافحہ کے لئے صرف ایک ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیتے اور

کئی دن کی باسی روٹی کے ٹکڑے ان کے پاس رکھے ہوتے تھے ان لوگوں کو وہ کھلاتے اور اگر کوئی طالب علم دین کیسا ہی مسکین آجاتا تو اٹھ کر کھڑے ہو جاتے، بہت ہی بشاشت سے معانقہ کرتے اور اسے بہت بہتر قسم کا کھانا کھلاتے۔

شہر کے چیئرمین اور بہت بڑے زمیندار نے مجھے بتایا کہ مولانا فیض اللہ صاحب کی مسجد میں کنواں کھودا جارہا تھا، اس میں سے مٹی کھینچنے کے لئے وہ انہیں لگاتے جس چرخی کے ذریعہ مٹی کھینچتے تھے یہ اس چرخی میں بندھے ہوئے رسے کو اپنے کندھے پر رکھتے اور کھینچتے چلے جاتے اس رسے کو کھینچتے کھینچتے ان کے کندھے پر گٹا پڑ گیا اور درد ہونے لگا۔

غنائے قلب کی دولت رکھنے والے حضرات کے کچھ اور قصے بعد میں ”مولویوں میں حب دنیا“ کے بیان میں بتاؤں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اضافہ از جامع:

حضرت اقدس سرکاری حکام سے بہت احتراز فرماتے ہیں، خود کسی حاکم سے ملاقات کرنا تو درکنار، کسی سرکاری تقریب میں یا کسی افسر کی نجی دعوت میں بھی تشریف نہیں لے جاتے، بلکہ کوئی وزیر آپ سے ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہونا چاہئے تو حسن تدبیر کے ذریعہ اس سے بھی بچتے ہیں، ہاں کوئی حاکم اپنے کسی نجی کام سے یا دینی مقصد سے آئے تو اسے عام وقت ملاقات میں اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں، حضرت اقدس دامت برکاتہم کے قلب مبارک پر اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت کا ایسا تسلط ہے کہ وہاں کسی غیر کا گذر ممکن نہیں۔ آپ کا یہ حال کبھی آپ کی زبان مبارک سے بھی اس شعر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ؎

جو دبتا ہوں کسی سے میں تو دبتا ہوں تجھی سے میں
جو جھکتی ہے کہیں گردن تو جھکتی ہے یہیں میری

غیر اللہ سے استغناء کے بارے میں آپ کی یہ شان دنیا کے مسلمات میں سے ہے ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
ترے دست توکل میں ہیں استغنا کی تلواریں

جو علماء حکومت کے زیر اثر آجاتے ہیں ان کے بارہ میں حضرت اقدس اکثر یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

یہ اعمال بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حضرت اقدس دامت برکاتہم کی حیات طیبہ میں توکل علی اللہ اور غیر اللہ سے استغناء کے اتنے قصے ہیں کہ یہاں ان کا بیان کرنا مشکل ہے، اہل ثروت و اہل منصب کی اصلاح کے لئے ان کے ساتھ آپ کے معاملات بہت عجیب اور سبق آموز ہیں۔ یہاں اہل طلب کے لئے "انوار الرشید" کے ان ابواب کا حوالہ تحریر کیا جارہا ہے جنہیں پڑھ کر حضرت اقدس کے احوال مبارکہ کی کچھ جھلک دیکھی جاسکتی ہے کیونکہ ؎

قلم بشکن وکاغذ سوز و سیاہی ریز و دم درکش
حسن این قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

"قلم توڑ دے، کاغذ جلادے سیاہی گرادے اور دم سادھ لے کیونکہ یہ قصۂ عشق ہے جو دفتر میں نہیں سماسکتا۔"

انوار الرشید — جلد اول

① توکل اور اس کی برکات،

② حکام سے اجتناب،

③ شہرت سے اجتناب،

④ قبول مناصب سے انکار

انوار الرشید — جلد ثانی

⑤ غیر اللہ سے استغناء

⑥ متمول لوگوں پر مالی احسان

⑦ دین پر استقامت

حب مال:

کتنے ہی گناہ کتنی ہی نافرمانیاں ایسی ہیں جن کی وجہ مال کی محبت ہے۔ لوگ مال کی محبت میں مرے جا رہے ہیں۔ ایک تو مال کمانے کی فکر دوسرے اس کی حفاظت کی فکر۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ وہ اپنا پیسا بینک میں رکھوانا چاہتے ہیں کیا اس کی کوئی صورت ہے؟ میں نے پوچھا کہ کیوں رکھوانا چاہتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ آج کل گھروں میں سخت خطرہ ہے۔ میں نے جواب دیا کہ بینک میں ایک خانہ اجرت پر ملتا ہے جس کا نام "لاکر" ہے، اس کا تالا دو چابیوں سے کھلتا ہے ایک چابی آپ کے پاس رہے گی اور ایک چابی بینک والوں کے پاس رہے گی۔ آپ کی رقم کو بینک والے استعمال نہیں کر سکیں گے، اس طرح آپ کو سودی لین دین کا گناہ تو نہیں ہوگا البتہ بنک والوں سے تعاون اور حرام مال سے تیار شدہ خانے کو استعمال کرنے کا گناہ ہوگا۔ وہ کہنے لگے کہ اگر بینک کے لاکر میں رکھیں گے تو اندیشہ ہے کہ وہ ہماری چابی کی نقل تیار کروا کر لاکر میں سے رقم نکال لیں۔ میں نے کہا کہ آپ یوگی تو بنے نہیں منتر تو سیکھا نہیں اور سانپ پال لیا یہ سانپ آپ کو کاٹے گا، ہلاک کر دے گا، اس سانپ کا منتر میں جانتا ہوں نکالو خزانے میرے حوالے کرو، وہ سمجھ رہا تھا کہ میں مزاحًا، کہہ رہا ہوں اگر سمجھتا کہ میں واقعۃً اس کے خزانے لینا چاہتا ہوں تو شاید اسی وقت دل کا دورہ پڑ جاتا اور مال کے

عشق میں جان کی بازی لگا دیتا۔ یہ لوگ بینک میں پیسا رکھنے کے باوجود مرے جا رہے ہیں۔ مال کی حفاظت کی فکر نے ان کا چین اڑا دیا ہے۔

گرو نے چیلے کے دل سے خوف نکال دیا:

گرو اور چیلا کہیں سفر پر جا رہے تھے، جنگل کا سفر اور رات کا وقت تھا، چیلا گرو سے کہتا ہے کہ حضور! ڈر لگ رہا ہے۔ گرو کہتا ہے کہ میں جو تمہارے ساتھ ہوں کیوں ڈرتے ہو؟ چیلا خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر کہتا ہے کہ حضور ڈر لگ رہا ہے۔ گرو نے پھر کہا کہ ارے میں ہوں تو تمہارے ساتھ پھر کیوں ڈر لگ رہا ہے؟ چیلا خاموش ہو گیا، چند قدم کے بعد پھر کہتا ہے کہ حضور! ڈر لگ رہا ہے۔ گرو نے پوچھا کہ تیرے پاس کوئی روپیہ پیسا ہے۔ چیلا کہنے لگا کہ جی ہاں! ایک روپیہ کمر سے بندھا ہوا ہے۔ گرو نے کہا کہ اسے نکال کر پھینک دے اسی کی وجہ سے تجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اس نے روپیہ پھینک دیا اور خاموشی سے چلنے لگا۔ گرو نے پوچھا کہ اب ڈر لگ رہا ہے؟ کہنے لگا کہ نہیں اب تو بالکل ڈر نہیں لگ رہا۔

مسلمان دل سے مال نکال دے:

وہ گرو تو ہندو تھا اس نے مال کو پھنکوا دیا کہ نہ مال پاس ہو گا نہ ڈر لگے گا، لیکن اسلام یہ نہیں کہتا کہ آپ مال کو نکال کر پھینک دیں بلکہ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ مال کو دل سے باہر نکال پھینکو پھر خواہ سلطنت سلیمانی بھی مل جائے تو بھی کچھ خطرہ نہیں۔ دل میں مال کی محبت نہیں ہونی چاہئے دل میں رہے تو صرف اللہ! صرف اللہ! جس نے دنیا کی محبت کو دل سے نکال پھینکا اس کی ساری دنیا چلی جائے تو بھی اسے بال برابر صدمہ نہیں ہوتا کیونکہ اس نے تو پہلے سے ہی اسے دل سے نکالا ہوا ہے۔

نفسی التی تملک الا شیاء ھالکۃ
فکیف أسی علی شیء اذا ھلکا

میری جان جو چیزوں کی مالک ہے وہ جان ہی جانے والی ہے تو اگر کوئی چیز چلی گئی تو اس کا افسوس کیوں کروں۔

آج کے مسلمان کے خوف کی وجہ:

آج کا مسلمان کیا کر رہا ہے اور اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ آج مسلمان کے دل میں مال بھرا ہوا ہے پھر ظاہر ہے کہ ڈر تو لگے گا ہی اگر یہ دل سے مال کی محبت کو نکال پھینکے تو انشاء اللہ تعالیٰ سب ڈر جاتا رہے گا، یہ ڈر کے کرشمے ہیں کہ بیٹے کو منع کر دیا کہ ابھی امریکہ سے نہ آئیں کراچی کے حالات بہت خراب ہیں۔

ایک قصہ اور سنئے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں اپنی گاڑی پر مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا وہاں میری گاڑی کے ساتھ ہی جو گاڑی کھڑی ہوئی تھی اسے ڈاکو لے گئے اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ مسجد پیدل جایا کروں کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈاکو میری گاڑی بھی لے جائیں اور میں نے اپنے بیٹے کو بھی منع کر دیا ہے کہ دفتر گاڑی پر نہ جائیں آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ بتائیے میں اسے کیا مشورہ دیتا یہ سب حب مال ہے۔ اللہ کے بندے جب تجھے اتنا ڈر لگ رہا ہے تو پھر یہ گاڑیاں خریدی ہی کیوں؟ کیا فائدہ ان کا جب انہیں استعمال ہی نہ کر سکیں یہ الگ بات ہے کہ مسجد میں پیدل جانا چاہئے، مسجد کی عظمت کے لئے ایسا کرنا باعث ثواب ہے اور مال کی محبت سے کرنا باعث عذاب ہے یہ ڈر اس لئے ہے کہ مسلمان کے دل میں جان، مال اور عزت کی ہوس گھسی ہوئی ہے ایسا شخص سمجھتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس کی ہیں اسی لئے ان کی حفاظت کے لئے رات دن پریشان رہتا ہے اور جو شخص ان چیزوں کو دل سے نکال دے اس کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں میری تو ہیں

نہیں پھر میں کیوں ڈروں سب کچھ اللہ ہی کی ملک ہے:

﴿انا للّٰہ وانا الیہ رجعون﴾

ماہیچ نداریم:

ایک شعر سن لیجئے اور دعاء بھی کرلیں کہ اللہ تعالیٰ اسے سب کے دلوں کی کیفیت بنادیں لیکن یہ بات خوب سمجھ لیں کہ جب تک انسان کوشش نہیں کرتا اس کی دعاء قبول نہیں ہوتی ؎

ماہیچ نداریم و غم ہیچ نداریم
دستار نداریم و غم پیچ نداریم

"ہم کسی چیز کے مالک ہی نہیں، جان، مال اور عزت و منصب ہر چیز کا مالک تو اللہ ہے، پھر اگر مالک اپنی چیز لے لیتا ہے تو غم کیوں؟"

میں جب بھی یہ شعر تنہائی میں پڑھتا ہوں تو مجھے اتنا مزا آتا ہے کہ میں بتا نہیں سکتا، ہم کچھ رکھتے ہی نہیں تو غم کس چیز کا؟ کسی چیز کی فکر تو اسے ہو جو کچھ رکھتا ہو، جو کسی چیز کو اپنی سمجھتا ہو۔ یہ میری، یہ میری، ارے میری، میری کہتے مرا چلا جارہا ہے اور پھر جب نقصان ہوجاتا ہے تو وہ اس کے غم میں مرہی جاتا ہے ع

غم رم نہ کر سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری

لوگ تو قلندر اسے کہتے ہیں جو دم مست قلندر کے نعرے لگاتا ہے۔ جہاں ڈھولکی بج رہی ہو، ڈگڈگی بج رہی ہو، قلندر صاحب کی بڑی بڑی مونچھیں ہوں اور ہاتھ میں چمٹا لے کر کھٹ کھٹ کرتا رہے، یہ قلندر نہیں ہوتے سنئے قلندر کسے کہتے ہیں ع

غم رم نہ کر سم غم نہ کھا کہ یہی ہے شان قلندری

مال کا غم نہ کھاؤ اور غم کا زہر کھا کر مال کے شہید نہ ہوجاؤ، غم کا زہر مت کھاؤ، اللہ کی

محبت کا شربت پیو، یہ ہوتے ہیں قلندر۔ یا اللہ! تو سب کے لئے یہ نعمت وسعادت مقدر فرما کہ قلوب میں تیری محبت کے خزانے بھر جائیں، اپنی محبت کے نور سے سب کے قلوب کو منور فرما دے۔

اشکال:

میرے بارے میں کسی کو یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ یہ تو کروڑپتی ہے اور کہہ رہا ہے کہ میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں، ایسے شخص کے بارہ میں یہی کہا جاسکتا ہے: ”نابالغ کیا جانے شادی کی لذت“ جب میں دارالعلوم کراچی میں پڑھاتا تھا تو وہاں قریب میں شادی ہو رہی تھی گانے بجانے کی آوازیں بھی آرہی تھیں ہمارا چھوٹا سا بچہ کہیں اس طرف چلا گیا اور آکر بتانے لگا کہ وہاں شادی ہو رہی ہے اور ناچ بھی ہو رہا ہے میں نے کہا آپ کی شادی کردیں؟ وہ رونے لگا کہ نہیں نہیں۔ میں نے کہا ارے کیا ہوا؟ تو کہنے لگا کہ ناچنا پڑے گا اور جب بڑا ہوا تو شادی کرنے کے لئے پہلے سے منتظر تھا پھر وہ شادی کی بات پر رویا نہیں۔ ویسے تو بہت جلدی لوگ بالغ ہوجاتے ہیں لیکن اصل بلوغ تو قلب کا ہے اللہ تعالیٰ سب کے قلوب کو بالغ فرمادیں تو پھر کچھ اس لذت کا اندازہ ہو کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی میں کچھ نہیں رکھتا ۔

لذت این بادہ نہ دانی بخدا تانہ چشی

”جب تک تو شراب محبت کو چکھ نہیں لیتا اس وقت تک اس کی لذت کو نہیں سمجھ سکتا۔“

جیسے طوطے کا قصہ ہے کہ کسی دوکاندار نے اپنی دوکان پر طوطا رکھا ہوا تھا وہ بولتا رہتا تھا اور اس طوطے کی وجہ سے اس دوکان پر لوگ بہت آتے تھے، خوب آمدنی ہوتی تھی۔ ایک دن طوطے نے بادام روغن گرادیا، دوکاندار کو غصہ آیا اور اس نے

طوطے کے سر پر مارنا شروع کیا جس کی وجہ سے طوطا گنجا ہو گیا اور اس نے ناراض ہو کر بولنا بند کر دیا۔ دوکاندار بہت پریشان ہوا کہ اس کی وجہ سے تو خریدار آیا کرتے تھے یہ تو آمدنی کا ذریعہ تھا اب کیا ہو گا؟

طوطے کا دوکان پر رکھنا تو حلال ذریعہ تھا لیکن آج کے مسلمان نے حرام ذرائع اختیار کر رکھے ہیں۔ ہوٹلوں میں، دوکانوں میں گانے بجاتے رہتے ہیں بلکہ اب تو سنا ہے کہ انہوں نے اور ترقی کر لی ہے کہ بعض دوکانداروں نے اپنی دوکانوں پر ٹی وی رکھ لئے ہیں۔ اگر ان سے کہا جائے کہ یہ بہت سخت گناہ ہے بدمعاشی کی جڑ ہے اسے بند کرو تو جواب میں کہتے ہیں کہ اس سے تو ہمارا دھندا چلتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الغناء رقية الزنا﴾ (الکشف الالٰہی)

''گانا زنا کا منتر ہے۔''

لیکن آج کا باغی مسلمان اس کے ذریعہ اپنا دھندا چلا رہا ہے۔ بات وہی ہے کہ گناہ کا سب سے پہلا حملہ عقل پر ہوتا ہے، اتنی موٹی بات اس کے دماغ میں نہیں اترتی کہ دھندے میں کامیابی عطاء کرنا کس کے اختیار میں ہے، وہ تو صرف اور صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو معمولی سے دھندے میں برکت دیدے اور جب اللہ کا حکم نہ ہو تو دنیا بھر کے دھندے اختیار کر لیں سب ناکام، اللہ جس دروازے کو بند کر دے پھر اس کو کھولنے والا کون ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسے کھول نہیں سکتی اور جسے وہ کھول دے تو پھر ساری دنیا بھی بند کرنا چاہے تو بند نہیں کر سکتی:

﴿ما يفتح الله للناس من رحمة فلا ممسك لها وما يمسك فلا مرسل له من بعده وهو العزيز الحكيم۝﴾ (۳۵-۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لا یحملنکم استبطاء الرزق علی ان تطلبوہ بمعاصی اللّٰہ فانہ لا یدرک ما عند اللّٰہ الا بطاعتہ﴾ (شرح السنۃ)

”رزق میں تاخیر تمہیں آمدنی کے حرام ذرائع اختیار کرنے پر آمادہ نہ کرے، اللہ کے خزانے سے اس کی اطاعت کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لو انکم کنتم توکلون علی اللّٰہ حق توکلہ لرزقتم کما ترزق الطیر تغدوا خماصا و تروح بطانا﴾ (ترمذی)

”اگر تم اللہ پر صحیح توکل کرلو تو تمہیں پرندوں کی طرح رزق ملے، وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔“

پرندے رات کو آرام سے سوتے ہیں انہیں کل کی فکر نہیں ہوتی، نہ اپنی نہ بچوں کی، انہیں خواب آور گولیاں کھانے کی ضرورت نہیں۔

اور فرمایا:

﴿واللّٰہ ماالفقر اخشی علیکم ولکنی اخشی علیکم ان تبسط الدنیا علیکم کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا و تھلککم کما اھلکتھم﴾ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم اٹھا کر فرما رہے ہیں واللہ! مجھے تم پر فقر و فاقہ کا کوئی خوف نہیں، مجھے خطرہ اس بات کا ہے کہ تم میں دنیا کی لالچ بہت بڑھ جائیگی جو تمہیں ہلاک کردے گی، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ وہ ان کی نافرمانی چھوڑنے والے کو اس طرح رزق دیتے ہیں کہ اسے اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا بلکہ اسے ہر پریشانی سے بچاتے ہیں:

﴿ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ ان اللّٰہ بالغ امرہ قد جعل اللّٰہ لکل شیء قدرا﴾ (۶۵-۲،۳)

مگر ان لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں اللہ کو ناراض کر کے رزق ملے گا۔ یاد رکھئے! اگر اللہ کو ناراض کر کے کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ ظاہرًا تو نعمت ہوتی ہے لیکن در حقیقت عذاب ہے۔ وہی قصہ ہو جاتا ہے کہ گھوڑا مانگا تھا نیچے کے لئے چڑھا دیا اوپر، پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کیسی کسر نکالتے ہیں۔ اللہ کے نافرمان ایسے ایسے عذابوں میں مبتلا ہیں کہ انہیں کسی طرح چین نہیں آتا۔ میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر اعتماد کرتے ہوئے قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص گناہ نہیں چھوڑتا گناہ کے ذرائع اختیار کر کے کماتا ہے اللہ کی قسم، اللہ کی قسم، اللہ کی قسم، میرا اللہ سکون تو اس کے قریب بھی نہیں جانے دیتا، میرے اللہ نے یہ فیصلہ سنا دیا ہے ایک بار نہیں کئی بار۔

بات ہو رہی تھی طوطے کی کہ وہ تو حلال طریقہ تھا اور ان لوگوں نے حرام طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔ طوطے کی خاموشی سے دوکاندار بہت پریشان تھا۔ ایک دن طوطے نے ایک گنجے کو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ تو نے کسی کا بادام روغن گرایا ہے؟ طوطے نے اسے بھی خود پر قیاس کر لیا۔

بہروپیے کا قصہ باعث عبرت:

جب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تخت نشینی ہوئی تو اس موقع پر ایک بہروپیا بھی وہاں انعام لینے پہنچ گیا۔ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ بہت متورع تھے سمجھتے تھے کہ یہ مصرف نہیں اس لئے اسے ٹالنے کے لئے فرمایا کہ اپنا کوئی کمال دکھاؤ جب انعام ملے گا، بہروپیا چلا گیا، عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی جگہ جاتے تو وہاں کے علماء ومشایخ کی زیارت کے لئے ان کی خدمت میں حاضری دیتے، یہ خود بہت بڑے عالم

تھے اور ان کے وزراء بھی عالم تھے۔ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا جس طرف زیادہ سفر ہوتا تھا اس بہروپیے نے اس علاقے میں جھونپڑی ڈالی اور بزرگ بن کر بیٹھ گیا۔ لوگوں میں اس کی بزرگی کی خوب شہرت ہوگئی۔ جب عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس طرف تشریف لے گئے تو انہوں نے معلوم کروایا کہ اگر یہاں کوئی بزرگ ہیں تو ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہاں ایک بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وزیر کو بھیجا۔ جب وزیر نے جاکر ملاقات کی اور کچھ سلوک کی باتیں پوچھیں تو اس نے ایسے جواب دیئے کہ وزیر صاحب بہت معتقد ہوگئے۔ یہ بہروپیے جب کوئی روپ دھارتے ہیں تو اس کے بارے میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ اس شخص نے علم سلوک میں مہارت حاصل کی تھی لیکن یہ مہارت اور کمال محض ظاہری ہوتا ہے باطن میں کچھ نہیں ہوتا۔ وزیر نے بادشاہ کو آکر بتایا کہ وہ تو بہت بڑے ولی اللہ ہیں، بہت تعریف کی۔ بادشاہ بھی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور کچھ باتیں پوچھیں تو اس نے بہت زبردست جواب دیئے، بادشاہ بھی بہت معتقد ہوگئے اور ایک ہزار اشرفیاں نذرانہ پیش کیں بہروپئے نے ڈانٹ کر کہا کہ دنیا کے کتے! تو نے مجھے بھی اپنے جیسا دنیا کا کتا سمجھا ہے، لے جاؤ یہ اشرفیاں اور بھاگو یہاں سے۔ اب تو بادشاہ اور زیادہ معتقد ہوگئے کہ یہ تو بہت بڑے زاہد معلوم ہوتے ہیں۔ بادشاہ واپس اپنی قیام گاہ میں آگئے پیچھے پیچھے یہ بہروپیا بھی پہنچ گیا اور جاکر بادشاہ کو سلام کیا اور کہا کہ میں وہی بہروپیا ہوں جو آپ کی تخت نشینی کے موقع پر انعام مانگنے آیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ پہلے اپنا کمال دکھاؤ پھر انعام ملے گا۔ بادشاہ نے بہت تعجب سے پوچھا کہ یہ بتاؤ میں نے تمہیں نذرانہ کے طور پر اتنی بڑی رقم دی تھی اور تمہاری حقیقت معلوم ہوجانے کے بعد بھی میں وہ نذرانہ تم سے واپس نہ لیتا اتنا مال تم نے واپس کیوں کردیا جبکہ اب تو میں تمہیں انعام میں بہت تھوڑی سی رقم دوں گا جو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اس بہروپیے کا جواب سنئے کہنے لگا کہ میں اس وقت اہل اللہ کے روپ میں تھا،

اگر اس وقت میں وہ نذرانہ رکھ لیتا تو اہل اللہ کی نقل صحیح نہ ہوتی میں نے ان کی نقل پوری طرح اتارنے کے لئے ایسا کیا۔ اس قصے میں بہت بڑی عبرت ہے کہ دنیا کے بندے نے اللہ والوں کی صرف نقل اتارنے کے لئے دنیا کو لات ماردی۔

ایک بچی کی مال سے بے رغبتی اور فکر آخرت:

اس زمانے کی ایک بچی کا قصہ سنئے، اس نے مجھ سے فون پر بات کی کہنے لگی کہ مجھ پر حج فرض ہے لیکن ابو نہیں لے جاتے جب میں ان سے کہتی ہوں تو مجھے ڈانٹ دیتے ہیں۔ اس کی آواز سے محسوس ہو رہا تھا کہ رو رہی ہے مجھے خیال آیا کہ یہ تو چھوٹی سی بچی معلوم ہوتی ہے اس پر حج کیسے فرض ہو گیا۔ اس لئے میں نے پوچھا کہ آپ کی عمر کیا ہے؟ کہنے لگی بارہ سال۔ میں نے کہا کہ اپنے ابو سے کہیں مجھ سے بات کریں تو اس نے کہا کہ ابو اس وقت یہاں نہیں ہیں میری امی سے بات کرلیں۔ میں نے اس کی والدہ سے پوچھا کہ یہ بچی بالغ ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں بالغ ہے، پھر میں نے ان سے بچی کو حج نہ کروانے کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ دارالافتاء سے تعلّق سے پہلے ہم لوگوں میں فکر آخرت نہیں تھی زکوٰۃ نہیں دیتے تھے کئی سالوں کی زکوٰۃ ذمہ ہے۔ والدین حج اداء کر چکے ہیں اب پہلے زکوٰۃ اداء کریں یا بچی کو حج کروانے لے جائیں۔ میں نے کہا کہ بچی کو فون دیجئے میں اسے سمجھاتا ہوں۔ میں نے اس بچی سے کہا کہ آپ پر حج فرض تو ہو گیا مگر فوراً نہیں، محرم کی استطاعت کا انتظار کریں۔ عورت پر حج کے لئے اس وقت جانا فرض ہوتا ہے جب ساتھ جانے کے لئے کوئی محرم بھی ہو اور اگر محرم اپنے مصارف خود اداء نہیں کر سکتا یا استطاعت کے باوجود نہیں کرتا تو عورت اس کے مصارف کا بھی انتظام کرے۔ اس بچی کا جواب سنئے کہتی ہے اگر میں ان کی استطاعت سے پہلے مرگئی تو کیا ہوگا؟ میں نے کہا کہ وصیت کردیں۔ پھر کہتی ہے کہ اگر میں نے وصیت کردی اور پھر میں مرگئی اور میرے مرنے کے بعد کسی نے میری وصیت

پوری نہ کی اور حج بدل نہ کروایا تو مجھ پر گناہ نہیں ہوگا؟ میں نے کہا کہ نہیں نہیں آپ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ بارہ سال کی بچی اپنی موت کے بارے میں اپنی آخرت کے بارہ میں کتنی باتیں سوچ رہی ہے۔ کیسی فکر ہے کتنی گہری سوچ ہے۔ آج اگر کسی ساٹھ سال کے پٹھے کو کوئی کہہ دے کہ آپ کی عمر تو کافی ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں یہ تو ابھی پٹھا ہے، ساٹھ سال بھی کوئی عمر ہوتی ہے، اس عمر میں تھوڑا ہی مرتے ہیں مثل مشہور ہے:

"ساٹھا پاٹھا۔"

ایک بوڑھے کی عمر نوے سال سے متجاوز تھی اس نے تین سو سال کا ٹھیکا لے لیا، کسی ظریف نے کسی مجمع میں جاکر کہا کہ خوش رہو ملک الموت مرگیا ہے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ اگر ملک الموت زندہ ہوتا تو نوے سال کا بوڑھا تین سو سال کا ٹھیکا نہ لیتا۔

اسّی سال کی عمر میں تا قیامت جہاد کا ٹھیکا:

مجھے اس بوڑھے سے یہ سبق ملا ہے کہ میں نے اس وقت اسّی سال کی عمر میں قیامت تک جہاد کا ٹھیکا لے لیا ہے، جہاد کا ٹھیکا تو یوم ازل ہی میں لے لیا تھا جب اللہ تعالیٰ کے سوال:

﴿الست بربکم﴾

کے جواب میں بہت جوش سے اچھل کر یہ نعرے لگا رہا تھا:

"بلی یا رب بلی، بلی، لبیک یا رب لبیک، لبیک یا رب لبیک، لبیک، لبیک۔"

انوار الرشید میں ایک نظم ہے: "می رقصم" اس نظم میں ایک مصراع کا پیوند میں نے اپنی طرف سے لگایا ہے وہ مصراع یہ ہے ۔

زہی مستی کہ گرد یار چون پر کار می رقصم

تصور میں آرہا ہے کہ اس وقت میرا یہی حال تھا اور عجب کیف ومستی سے یہ مصراع بہت مزے لے لے کر پڑھ رہا تھا، اب اسّی سال کی عمر میں اس ٹھیکے کے عقد کی تجدید کررہا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿الجهاد ماض منذ بعثني الله الى ان يقاتل اٰخر امتي الدجال لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل﴾ (ابوداؤد)

”جہاد قتال دجال تک جاری رہے گا۔“

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم غزوہ خندق میں جب خندق کھود رہے تھے اس وقت یہ نعرے لگا رہے تھے ؎

نحن الذين بايعوا محمدا
على الجهاد مابقينا ابدا

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ہمیشہ کے لئے جہاد کی بیعت کی ہے۔

اشکال:

میں نے جو قیامت تک جہاد کا ٹھیکا لے لیا ہے اس پر کسی کو اشکال ہوسکتا ہے کہ قیامت تک زندگی کیسے ہوگی؟

جواب:

اس کے دو جواب ہیں:

❶ اللہ تعالیٰ کے ہاں نیت سے اجر لکھ لیا جاتا ہے۔

❷ اللہ تعالیٰ میری جہاد کی صداء پوری دنیا میں پہنچا رہے ہیں میری اس آواز پر لبیک کہہ کر قیامت تک جو مجاہدین نکلتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال میرے نامہ اعمال میں بھی لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

بارہ سال کی بچی کو حج کی فکر کا قصہ چل رہا تھا آخر میں اس بچی نے کہا کہ میں تو یہ سوچتی ہوں کہ اگر حج پر جانے سے پہلے موت آگئی اور حج کا فرض میرے ذمہ رہ گیا تو اس سے بہتر ہے کہ میں حج کا موسم آنے سے پہلے ہی یہ سارا سونا بیچ کر صدقہ کردوں۔ عورتیں تو زیور پر اتنا مرتی ہیں کہ بس کچھ نہ پوچھیں۔ ایک عورت کے پاس ساٹھ تولہ سونا تھا بیوہ ہوگئی تو مسئلہ پوچھ رہی ہے کہ میں زکوٰۃ لے سکتی ہوں۔ بڈھی ہوگئی، بیوہ ہوگئی اور مال سے محبت میں مری جارہی ہے اور یہ بارہ سال کی بچی کہتی ہے کہ جتنا سونا ہے سب بیچ کر صدقہ کردوں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ بحمد اللہ تعالیٰ آج بھی اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں کہ جن کے قلوب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اتنی ہے کہ دنیا اس کے سامنے ہیچ در ہیچ ہے۔

عورتوں میں حب مال:

مرد ہر کام میں عورت سے چکر کھا جاتا ہے لیکن اس معاملہ میں اس نے عورت کو چکر میں لے رکھا ہے کہ اسے اپنی باندی بنا رکھا ہے۔ آج ہر کام عورت کررہی ہے مثال کے طور پر اگر کوئی بچہ بیمار ہوگیا تو خان صاحب دفتر یا دوکان کی چھٹی نہیں کریں گے بلکہ بیگم صاحبہ خود ہی بچے کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گی کیونکہ چھٹی کرنے سے مال کا نقصان ہوگا اس لئے یہ کہتی ہیں کہ آپ تو جائیں مال کمانے یہ کام میں کرلوں گی۔ اسی طرح اگر بازار سے کچھ خریدنا ہو تو یہ مردوں سے نہیں منگواتیں کہتی ہیں کہ یہ تو لٹ کر آجائیں گے ایک کے دس روپے دے کر آئیں گے، خود ہی بازاروں میں ماری ماری پھرتی رہتی ہیں صرف اور صرف حب مال کی وجہ سے، ان کے خیال میں یہ خریدیں گی

تو پیسا بچے گا۔ آج ہر جگہ عورتوں کی بھرمار ہے۔ جہاں دیکھیں، جہاں دیکھیں ننگی بے پردہ عورتیں دو دو ٹکے کی چیزیں خریدنے کے لئے بازاروں میں پھرتی رہتی ہیں اور کتنی ہی گندی نگاہیں ان پر پڑتی ہیں اور بھیڑ کی وجہ سے کتنے مردوں سے ان کے جسم ٹکراتے ہیں مگر انہیں احساس تک نہیں ان کی غیرتیں مرچکی ہیں اور ان کے دیوث باپ، دیوث بھائی، دیوث شوہر اور دیوث بیٹے مطمئن ہیں کہ ان کا بوجھ ہلکا ہوگیا، کتنے کام جو صرف اور صرف ان کے ذمہ تھے وہ ان کے گھر کی عورتوں نے اپنے ذمہ لے کر انہیں مال کمانے کے لئے فارغ کر دیا۔ شاباش بے غیر تو شاباش! خوب مال کماؤ خواہ عزت کی دولت رہے نہ رہے۔

قسمت کا سوراخ:

لوگ مال حاصل کرنے کی ہوس میں مرے جارہے ہیں حالانکہ جو رزق اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیا یہ کچھ بھی کرلیں مگر اس سے زیادہ تو پھر بھی حاصل نہیں کرسکتے ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو قسمت کے سوراخ کو بڑا کرنے کی کوشش کرتا ہے، قصہ بھی سنا ہی دوں۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ کسی مکان کی چھت پر چڑھا ہوا ہے چھت پر اناج کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور چھت پر چھوٹے بڑے سوراخ ہیں ان سوراخوں سے اناج نیچے گر رہا ہے۔ بڑے سوراخوں سے زیادہ اور چھوٹے سوراخوں سے کم کم اناج گر رہا ہے۔ وہاں کوئی نگران تھا اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ اناج قسمت ہے اور یہ جو سوراخ ہیں یہ قسمت کے سوراخ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ اس کی قسمت کا سوراخ کون سا ہے؟ اس نے اسے دکھا دیا سوراخ بہت چھوٹا تھا، اناج کا ایک ایک دانہ اس میں سے گر رہا تھا۔ اس نے پوچھا کہ اگر اجازت ہو تو میں اسے بڑا کرلوں؟ اس نے کہا کہ شوق سے۔ اس نے انگلی سوراخ میں ڈال کر گھمانا شروع کردی جب آنکھ کھلی تو اپنے پاخانے کے مقام میں انگلی گھمار ہا تھا۔

مال کے بوجھ سے پاخانہ نکل گیا:

ایک شخص روزانہ رات کو بستر پر پیشاب کر دیا کرتا تھا۔ اس کی بیوی کو روزانہ بستر وغیرہ سب دھونا پڑتا۔ ایک دن اس نے شوہر سے کہا کہ آخر آپ روزانہ بستر میں پیشاب کیوں کر دیتے ہیں؟ شوہر نے کہا میں جب سو رہا ہوتا ہوں تو شیطان خواب میں نظر آتا ہے وہ مجھ سے کہتا ہے کہ یہاں پیشاب کر دو میں کر دیتا ہوں، بیوی کہنے لگی کہ ارے! جب وہ روزانہ آپ کو خواب میں نظر آتا ہے تو آپ اس سے کہیں کہ ہمیں کوئی خزانہ لا کر دے۔ شوہر کہنے لگا کہ بہت اچھا آج رات کو میں اس سے کہوں گا۔ اب بیوی کا تو خوشی کے مارے کچھ نہ پوچھئے کیا حال تھا بس مال ملنے کی خوشی میں مست تھی کہ اب دیکھئے کیسی کیسی سونے کی چوڑیاں اور زیور اور کپڑے بنواؤں گی۔ ساری رات انہی خیالات میں گذر گئی صبح جب اٹھی تو دیکھا بستر میں شوہر کا پاخانہ نکلا ہوا تھا، پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہو گیا اب تک تو پیشاب ہی کرتے تھے آج پاخانہ بھی کر دیا، شوہر کہنے لگا کہ ہوا یوں کہ جب شیطان میرے پاس آیا اور میں نے اس سے خزانے کے بارے میں بات کی تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو کوئی مشکل کام نہیں آپ نے مجھ سے اس سے پہلے کبھی کہا ہی نہیں، خیر یہ کہہ کر اس نے مجھے خزانہ کا بہت بڑا گٹھڑ دیا میں خود اسے اٹھا کر سر پر نہیں رکھ سکتا تھا اس لئے میں نے اس سے کہا کہ اسے میرے سر پر رکھ دو، اس نے جیسے ہی خزانے کا گٹھڑ میرے سر پر رکھا تو اس کے بوجھ سے میرا پاخانہ نکل گیا۔

دوسروں کے مال و منصب میں ترقی کو دیکھ دیکھ کر بے چین ہیں پریشان ہیں کہ اسے تو اتنی ترقی ہو رہی ہے اور ہم وہیں کے وہیں پڑے ہیں۔ دنیا کے عاشق قسمت کے سوراخ کشادہ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں خزانوں کے بوجھ سے پاخانہ نکلا جا رہا ہے، اگر اللہ کی تقدیر پر راضی رہیں اور قناعت اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو غنی کر دیں۔

مال ومنصب کی تقسیم:

مال ومنصب کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے لوگ پیدا فرمائے ہیں:

❶ متروک الدنیا۔

❷ تارک الدنیا۔

یہاں دنیا سے مراد دنیوی نعمتیں ہیں ویسے دنیا کے کئی معنی ہیں۔

دنیا کے معنی:

دنیا کے تین معنی ہیں:

❶ جو زمانہ آخرت سے پہلے ہے اسے دنیا کہتے ہیں۔ یہ دنو سے ہے دنو کے معنی "قرب" دنیا کے معنی قریبہ، یہ زمانہ آخرت کی بنسبت قریب ہے۔

❷ دنیا کی نعمتیں، یہ دنو اور دنائۃ دونوں سے ہوسکتا ہے۔ دنائۃ کے معنی حقارت، دنیوی نعمتیں اخروی نعمتوں کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔

❸ ہر وہ قول اور عمل جو اللہ کی رضا کے خلاف ہو دنیا ہے، یہ دنائۃ سے ہے۔

متروک الدنیا:

بعض بندے ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے زبردستی نعمتیں چھڑوادی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دیتا ہی نہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ ہمارے مقرب بندے ہیں، اگر انہیں دنیوی نعمتیں دے دیں تو ان کا بہت نقصان ہوگا، یہ اپنی آخرت برباد کر بیٹھیں گے، پھر یہ ہمارے نہیں رہیں گے ہم سے دور ہوجائیں گے، یہ ایسے ہی ٹھیک ہیں۔ انہیں منصب عطاء فرماتے ہیں نہ مال، لیکن اس حالت میں بھی ان لوگوں کے قلوب میں سکون ہوتا ہے، اطمینان ہوتا ہے، ان کا دل مسرتوں سے بھرا ہوا ہوتا

ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بعض نعمتیں عطاء نہیں فرمائیں تو یقیناً ان کے نہ ملنے میں ہی ان کا فائدہ ہے۔ مثال کے طور پر بچہ کے لئے کوئی چیز مضر ہے اور والدین اسے وہ چیز دے کر بہت اچھی طرح سمجھا دیں کہ بیٹا اسے کھانا نہیں یہ تمہیں نقصان کرے گی تو ہو سکتا ہے کہ والدین کی موجودگی میں بچہ رکا رہے مگر جونہی موقع ملا پھر وہ کہاں رکتا ہے قربان جائیے اللہ کی محبت اور اس کے کرم پر کہ بندے کے لئے جو چیز ہلاکت کا سبب ہے اس سے اسے زبردستی دور رکھتے ہیں، اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ایسے لوگ متروک الدنیا کہلاتے ہیں۔

تارک الدنیا:

دوسری قسم ہے تارک الدنیا یہ اپنے اختیار سے دنیا چھوڑ دیتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

وہ حضرات جو دل سے چھوڑنے کے ساتھ ظاہراً بھی چھوڑ دیتے ہیں، دنیا کی نعمتیں زیادہ استعمال نہیں کرتے درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں، جیسے ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ اور شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحب زادی۔ ان دونوں کے قصے بتاتا رہتا ہوں، مواعظ میں یقیناً کہیں چھپے ہوں گے تلاش کرکے پڑھیں، بلکہ بار بار پڑھا کریں، میں اس وقت بھی بتا دیتا لیکن خود تلاش کرنے کی محنت کریں گے تو فائدہ زیادہ ہوگا۔ ان کی نظر نعمتوں کی بجائے منعم کی ذات پر رہتی ہے ؎

نہ کبھی تھے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ شوق شراب ہے
لب یار چوسے تھے خواب میں وہی ذوق مستیٔ خواب ہے

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک ایسے بزرگ کا حال یوں بیان فرماتے ہیں ؎

بسودائے جانان زجان مشتغل
بذکر حبیب ازجہان مشتغل
بیاد حق از خلق بگریختہ
چنان مست ساقی کہ می ریختہ

منعم میں ایسے مست کہ نعمتوں سے نظر اٹھ گئی، کسی نے خوب کہا ہے ؎

گل بدیدم گل بدستے گل ببیند سوئے گل
درگلے چنین محو گشتم نے مرا پروائے گل

محبوب کے دیدار میں ایسے محو کہ نعمتوں کی طرف توجہ نہیں رہی، یہ اس دولت کو تخت سلیمانی سے بھی بہتر سمجھتے ہیں ؎

پس از سی سال این معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے
ازان بہ کہ چتر شاہی ہمہ وقت ہائے ہوئے

دوسری قسم:

یہ حضرات دل سے تو دنیا کو چھوڑے ہوئے ہیں مگر ظاہراً دنیا کی نعمتوں میں رہتے ہیں، دنیا کی نعمتوں کو آئینۂ جمال یار سمجھتے ہیں ان نعمتوں کو محبوب حقیقی کی معرفت، محبت اور اطاعت میں ترقی کا ذریعہ بناتے ہیں، انہیں نعمتوں میں منعم کا جلوہ نظر آتا ہے ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر زلذت شرب دوام ما

اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو دنیا پر حاکم بنایا ہے وہ اسے محکوم بنا کر رکھتے ہیں مال و منصب کی حکومت ان کے قلب پر نہیں ہونے پاتی۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام۔

حضرت ایوب علیہ السلام:

ایک بار حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل فرمارہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سونے کی ٹڈیوں کا مینہ برسایا آپ نے برہنہ حالت میں ہی ان ٹڈیوں کو سمیٹنا شروع کردیا اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا:

﴿الم اکن اغنیتک عن ھذا﴾

”کیا میں نے تجھے اس سے غنی نہیں کر رکھا۔“

حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا:

﴿لا غنی بی عن برکتک یارب﴾ (صحیح بخاری)

”اے میرے رب تیری برکت سے میں مستغنی نہیں ہوسکتا۔“

اشکال:

کسی کو یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اتنے مال اور اتنے بڑے منصب کے ہوتے ہوئے کوئی تارک الدنیا کیسے ہوسکتا ہے۔ سو یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ تارک کے حقیقی معنیٰ ہیں ”چھوڑنے والا“ یہ حضرات دنیوی نعمتوں میں رہتے ہوئے بھی دل سے دنیا کو چھوڑے ہوئے ہیں، انہوں نے دنیا کو دل سے نکالا ہوا ہے۔ بظاہر بہت بڑا منصب ہے، مال و دولت ہے، دنیا بھر کی حکومت ہے مگر دل میں بال برابر بھی اس کی وقعت نہیں، جو کچھ بھی ہے سب اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے۔ دنیا بھر پر سلطنت اور ہیں تارک الدنیا یعنی دنیا دل میں نہیں، دل اپنے مالک کی طرف متوجہ ہے۔ اگر وہ ایک لمحے میں

سارا کچھ لے لے تو بال برابر غم نہیں اس لئے کہ دل دنیا کی محبت سے پاک ہے۔ انہیں اس بات کا استحضار ہوتا ہے کہ ہماری جان اللہ کی ملک ہے اور یہ سب نعمتیں بھی اسی کی ہیں، جب ہمارا کچھ ہے ہی نہیں تو غم کس بات کا۔ اللہ تعالیٰ ایسا تارک الدنیا بنادیں کہ سب کچھ ہوتے ہوئے یہ عقیدہ دلوں میں اتر جائے کہ میرا کچھ نہیں ؎

کار ساز ما بساز کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

یا اللہ! اپنی رحمت سے سب مسلمانوں کو یہ توکل واعتماد عطاء فرمادے۔ آج کل تو قصہ یہ ہے کہ لوگوں نے اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ناراض کررکھا ہے، جب ناراض کررکھا ہے تو پھر اس پر توکل و اعتماد کیسے پیدا ہو، ہر وقت دل و دماغ پر خوف ہی مسلط رہے گا کہ ابھی اللہ تعالیٰ نے بچایا، ابھی بچایا۔ گناہ تو چھوڑتے نہیں تو کیسے توکل واعتماد پیدا ہو بس وہی چیلے والا قصہ ہوتا ہے کہ مارے خوف کے جان ہی نکلی جارہی ہے۔ آج کے مسلمان نے دل کے صندوق میں مال بھرا ہوا ہے اس لئے ہر وقت ڈرتا رہتا ہے۔ گرو تو کافر تھا اس لئے اس کا علاج یہ کیا کہ مال کو نکال کر پھینک دو، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دل سے نکال پھینکو، جس نے دل سے نکال پھینکا وہ کبھی نہیں ڈرے گا۔ اسے کوئی فکر نہیں کہ چور لے جائیں گے، ڈاکو لے جائیں گے، کچھ رہے گا یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیائے مردار کی محبت کو دلوں سے نکال پھینکنے کی سعادت عطاء فرمادیں۔

یہ بات خوب سمجھ لیں کہ یہ حضرات نعمتیں تو رکھتے ہیں مگر انہیں دل میں گھسنے نہیں دیتے جیسے شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منصب تو چھوڑ دیا تھا مگر طرز زندگی وہی شاہانہ تھا۔

ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ آپ ایسے بن ٹھن کر کیوں رہتے ہیں اللہ والے یوں تھوڑا ہی رہا کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں فرمایا:

﴿اما حالی فیقول الحمد للہ واما حالک فیقول اعطونی شیئا للہ﴾

میرا حال بتارہا ہے کہ میرے اللہ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے اور تیرا حال بتارہا ہے کہ اللہ کے لئے مجھے کچھ دے دو۔

ایسے ہی ایک دوسرے بزرگ کا قصہ ہے کہ ان سے کسی نے کہا ؏

نہ مرد آن است کہ دنیا دوست دارد

”جو دنیا کو دوست رکھتا ہے وہ مرد نہیں۔“

انہوں نے جواب میں فرمایا ؏

اگر دارد برائے دوست دارد

”اللہ کا بندہ دنیا کو اس لئے دوست رکھتا ہے کہ وہ حقیقی دوست کی محبت میں ترقی کا ذریعہ ہے۔“

دنیا ہمیشہ باکرہ ہی رہے گی:

دنیا کو مقصود بنا کر دوست رکھنے والے سب نامرد ہیں ؎

بزرگے رفت بخواب در فکرے
دید دنیا بصورت بکرے
کرد از وے سؤال کے دلبر
بکر چونی باین ہمہ شوہر
گفت یک حرف باتو گویم راست
کہ مرا آن کہ بود مرد نخواست
وآن کہ نامرد بود خواست مرا
زین بکارت ہمین بجا ست مرا

ایک بزرگ نے خواب میں دنیا کو باکرہ عورت کی صورت میں دیکھا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ اتنے شوہروں کے باوجود تو اب تک باکرہ کیسے رہ گئی؟ اس نے جواب دیا کہ مختصر سی سچی بات کہتی ہوں کہ کسی مرد نے مجھے منہ نہیں لگایا اور جس نے بھی مجھ سے شادی کی وہ نامرد نکلا اس لئے مری بکارت اب تک بحال ہے۔

یہ دنیائے مردار کے عاشقوں کا حال ہے، اللہ کے عاشق دنیا کی نعمتیں رکھتے ہیں تو اللہ کے عشق میں ترقی کرنے کے لئے ؎

نہ مرد آن است کہ دنیا دوست دارد
اگر دارد برائے دوست دارد

اللہ کا بندہ اگر دنیا کی نعمتوں کو دوست رکھتا ہے تو دوست کے لئے دوست رکھتا ہے۔ دنیا کی نعمتیں محبوب حقیقی کا عطیہ ہیں اور محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب نے جو کچھ دیا ہوا ہے اس کے ساتھ محبت رہے اور ادھر توجہ رہے کہ یہ کس کی عطاء ہے۔

تیسری قسم:

یہ لوگ نعمتیں رکھنے کے باوجود انہیں زیادہ استعمال نہیں کرتے۔ کھانا، پینا، پہننا اور رہائش وغیرہ سب کچھ بہت ادنیٰ معیار کا ہوتا ہے۔ یہ صورت اس حالت میں جائز اور ترک دنیا میں داخل ہے جبکہ کسی مصلح نے اس کے علاج کے لئے عارضی پابندی لگادی ہو، کسی مرید میں حب مال کا مرض دیکھا تو اس پر پابندی لگادی کہ اچھامت کھاؤ، اچھامت پہنو، اچھی سواری، اچھی رہائش مت رکھو اس لئے کہ جیسے جیسے اچھی چیزیں استعمال کروگے مرض بڑھتا جائے گا۔ اس کی ہوس کو لگام دینے کے لئے یہ پابندی لگائی جاتی ہے۔ یہاں دو باتیں سمجھ لیں:

1. معالج کے روکے بغیر نعمتوں کو استعمال نہ کرنا، یہ جائز نہیں، یہ تو نعمتوں کی ناقدری، ناشکری ہے، ہاں اگر مصلح نے روک دیا ہو تو ٹھیک ہے۔

❷ شیطان کے چیلوں کا یہ نظریہ ہے کہ گناہ کرنے سے ہوس کم ہوجائے گی۔ مال کی ہوس ہے تو مال کماؤ کمانے سے ہوس کم ہوجائے گی۔ یہ غلط ہے۔ عقل، نقل اور تجربہ سب کے خلاف ہے اس طرح کبھی بھی ہوس کو لگام نہیں لگتی ؎

ماقضی احد منھا لبانته
ولا انتھی ارب الا الی ارب

دنیا کی ہوس سے کسی نے اپنی حاجت پوری نہیں کی۔ ہوس کے خاتمے کا طریقہ یہ ہے کہ صبر کریں نفس کو لگام لگائیں۔ جب کوئی مصلح کامل یہ کہہ دیتا ہے فلاں چیز کے استعمال سے آپ کو نقصان ہوگا، مرض بڑھتا جائے گا تو اس کے روکنے سے رکنا ضروری ہے۔

مصلح باطن حب مال کے معمولی مرض کا علاج تو یوں کرتا ہے کہ اچھا کھانے پہننے پر پابندی لگا دیتا ہے اور اگر دیکھتا ہے کہ مرض کی جڑیں گہری ہیں تو یہ ہدایت کرتا ہے کہ سب کچھ صدقہ کردو اور اگر دیکھا کہ مرض بہت ہی مزمن ہے تو آخری نسخہ یہ ہے کہ سو سو کے نوٹ روزانہ ایک ایک کرکے جلائیں اور اسے جلتا ہوا دیکھیں، اسے دیکھنے سے دل جلتا جائے گا، جلتا جائے گا اور یہ اطمینان رکھیں کہ دل کی حرکت بند نہیں ہوگی مرے گا نہیں، اس لئے کہ شیخ کی ہدایت کے مطابق کررہا ہے، دیندار بننے کی غرض سے کررہا ہے، حب مال سے اپنے دل کو پاک کرنے کی نیت سے کررہا ہے، اپنے دل کو اللہ کی محبت کے نور سے منور کرنے کے لئے کررہا ہے، اس لئے مطمئن رہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ شیخ کی ہدایت کے مطابق کریں اگر اپنے طور پر کرنے کی کوشش کی تو شہید مال ہوجائے گا۔ یہ اضاعت مال نہیں بلکہ دل کے مہلک مرض کا نسخہ اکسیر ہے، دنیا بھر کی دولت لٹا کر بھی ایک دل بن جائے تو بھی سودا بہت سستا ہے ؎

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

دل کو مال کی محبت سے پاک کرنے کا یہ نسخہ قرآن، حدیث اور فقہ سے ثابت ہے۔

چوتھی قسم:

اللہ کے نافرمانوں نے ایک چوتھی قسم بنا رکھی ہے وہ یہ کہ مال جمع بھی کر رہا ہے آگے اللہ کی راہ میں نکالتا بھی نہیں، بینک میں کھاتہ بڑھتا چلا جا رہا ہے، اور اونچی تجارت اور اونچی تجارت لیکن اس کے باجود نہ اچھا کھاتا ہے، نہ اچھا پہنتا ہے، نعمتیں استعمال نہ کرنے کو درویشی سمجھتا ہے سوچتا ہے کہ جب لوگ اسے اس حال میں دیکھیں گے تو کہیں گے یہ تو بہت بڑا صوفی ہے جب لوگ ''صوفی جی'' کہیں گے تو کتنا مزا آئے گا۔ مصلح کی ہدایت کے بغیر نعمتوں کو چھوڑنا اور اسے بزرگی سمجھنا غلط ہے، علاج کے طور پر تو انہیں چھوڑا جا سکتا ہے بزرگی سمجھ کر نہیں۔

یہ تو ہو گئیں نعمتوں کو استعمال کرنے والوں کی قسمیں اب نعمتوں کے درجات سنئے۔

نعمتوں کے درجات:

نعمتوں کو استعمال کرنے کے مختلف درجات ہیں:

❶ ضرورت:

ضرورت کے معنی ہیں:

﴿لولاہ لتضرر﴾

یعنی اگر انسان وہ کام نہ کرے تو اسے ضرر پہنچے جیسے بھوک کے مطابق کھانا پینا، کھائے پیئے گا نہیں تو چند روز میں مر جائے گا۔ اتنا کھانا کہ جان بچ جائے اسے کہتے

ہیں ضرورت، اتنا لباس کے نماز ہو سکے اور موسموں کی شدت سے حفاظت رہے، یہ ضرورت میں داخل ہے۔ ضرورت کے یہ معنی اصطلاح شریعت میں ہیں ورنہ نفس کے بندے تو لغویات کو بھی ضروریات کہتے ہیں۔

❷ حاجت:

دوسرا درجہ ہے حاجت، حاجت کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ سخت ضرورت نہیں، اس چیز کو استعمال نہ کرنے سے ضرر تو نہ ہو مگر گزارا مشکل ہو، جیسے قدر کفایت سے زائد حاجات میں کام آنے والی چیزیں۔

❸ آسائش:

تیسرا درجہ آسائش کا ہے۔ نہ تو اس چیز کی ضرورت ہے نہ حاجت بلکہ راحت و آسائش اور آرام حاصل کرنے کے لئے اسے اختیار کیا جائے۔

❹ آرائش:

چوتھا درجہ ہے آرائش، اسے زیبائش، بھی کہہ سکتے ہیں جن چیزوں کی کسی درجہ میں بھی کوئی ضرورت یا حاجت یا آسائش نہیں محض زیب و زینت کی چیزیں۔ مصارف کی یہ چاروں قسمیں صحیح ہیں بشرطیکہ نمائش یا اسراف نہ ہو۔

❺ نمائش:

نمائش کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو محض فخر و ریاء کے لئے اختیار کیا جائے کہ جب لوگ دیکھیں گے تو واہ واہ ہوگی، لوگوں پر رعب پڑے گا۔ آرائش اور نمائش میں دل کی نیت کا فرق ہے بظاہر دونوں کے حالات ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر اس کا

دارومدار نیت پر ہے۔ کسی کے بارہ میں بدگمانی کرنا جائز نہیں البتہ اپنے مصلح کو اپنے حالات بتاتے رہیں پھر وہ نبض دیکھ کر بتائے گا کہ یہ آرائش ہے یا نمائش، اگر آرائش ہے تو جائز ہے اور نمائش ہے تو حرام۔

❻ اسراف:

اسراف کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت شدیدہ اپنی آمدن سے زیادہ خرچ کرے۔ اسراف سے بچنے کا نسخہ بعد میں بتاؤں گا پہلے ساتواں درجہ بتادوں کیونکہ وہ ذرا مختصر ہے۔

❼ تبذیر:

تبذیر کے معنی ہیں ناجائز کام میں صرف کرنا، جو مصرف ہی ناجائز ہو اس پر ایک پیسا بھی خرچ کرنا حرام ہے۔ مثلاً شراب، سینما، ٹی وی کی لعنت اور اس قسم کے حرام کاموں پر ایک پیسا خرچ کرنا بھی حرام اور تبذیر ہے۔ یہاں کمی بیشی کا کوئی سوال نہیں کم ہو یا زیادہ ہو سب حرام ہے۔ یہاں ایک علمی نکتہ بھی سمجھ لیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی گناہ کے بارہ میں یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں صرف تبذیر کرنے والوں کے بارہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ شیاطین کے بھائی ہیں:

﴿ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وکان الشیطن لربہ کفورا۝﴾ (۱۷-۲۷)

اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان نے بھی تبذیر کی تھی۔ جیسے مال میں تبذیر ہوتی ہے ایسے ہی دوسری نعمتوں میں بھی ہوتی ہے۔ سب سے بڑی نعمت انسان میں عقل ہے بشرطیکہ عقل صحیح ہو، جب عقل صحیح ہوگی تو ایمان بھی کامل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جو عقل کی نعمت عطاء فرمائی اس نے اس کا غلط استعمال کیا۔ اس نعمت عظمیٰ کو ناجائز موقع

پر استعمال کیا، اللہ تعالیٰ نے جب حکم فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو اس نے کہا کہ میں تو آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے، آگ مٹی سے افضل ہے، افضل اپنے سے کم تر کو سجدہ تھوڑا ہی کیا کرتا ہے۔ اس مردود نے اللہ کے حکم کے مقابلہ میں اپنی عقل استعمال کی تو یہ عقل کی تبذیر ہوگئی۔ آج بھی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے سامنے اپنی باتیں چلاتے ہیں، یہ کیوں؟ یہ کیوں؟ یہ کیوں؟ یہ سب اخوان الشیاطین ہیں۔

اسراف سے بچنے کا نسخہ:

اپنے مصارف کو آمدن کے تحت رکھیں۔ بلکہ کبھی کسی ناگہانی ضرورت کے لئے کچھ جمع بھی رکھیں، کسی زمانے میں لوگوں میں قناعت تھی، صبر کا جوہر تھا، امراض و حوادث کم پیش آتے تھے۔ ایسے حالات میں تو اگر کوئی کچھ جمع نہ کرے بلکہ جو آیا خرچ کر دیا تو ایسا کرنا ٹھیک ہے۔ مگر اب زمانے کے حالات بدل گئے، اللہ پر توکل رہا نہیں، صبر ختم ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی وجہ سے طرح طرح کے حوادث اور امراض بہت بڑھ گئے، ان کی وجہ سے ذرا سی دیر میں ہزاروں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں احتیاط یہ ہے کہ جتنی آمدنی ہو وہ ساری خرچ نہ کرے بلکہ تھوڑا بہت بچانے کی کوشش کرے مگر بچانے سے مقصد حب مال نہ ہو بلکہ یہ نیت رکھے کہ خدانخواستہ اچانک کوئی ایسی ضرورت پیش آگئی کوئی حادثہ ہو گیا تو انسان دوسروں کا دست نگر نہ رہے۔ اس زمانے میں بھی جس کے قلب میں قوت ہو وہ کچھ نہ بچائے۔ بحمد اللہ تعالیٰ یہ میرے اللہ کا کرم ہے میرا یہی معمول رہا کہ جو آیا اسے آگے چلتا کر دیا۔ مجھے اپنے اللہ پر اعتماد ہے اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آگیا تو غیر کی طرف نظر نہیں جائے گی۔ جس اللہ نے پیدا کرنے کے وقت سے لے کر اتنی عمر تک ایسی شان سے رکھا، ایسے استغناء سے رکھا کبھی ذرہ برابر بھی غیر کی طرف توجہ نہیں جانے دی وہ اللہ آئندہ کیسے چھوڑ دے

گا۔ جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں وہ ان کے لئے کافی ہے۔

چونکہ طبائع مختلف ہیں کچھ بچایا جائے یا نہیں اس کا انحصار ہر شخص کے حالات پر ہے۔ آج کل کی اکثریت کو تو دنیائے مردار کی محبت نے تباہ کر رکھا ہے۔ کسی نے کہا کہ آج کل کے مسلمان کے لئے ایمان، اسلام اور احسان کی تشریح کچھ نئی پیدا ہوگئی ہے۔ حدیث میں تو یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں عقائد بیان فرمائے، پھر پوچھا اسلام کیا ہے؟ تو اسلام کے ارکان بیان فرمائے، پھر پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ تو فرمایا کہ ایسے خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کرے گویا کہ تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اصل میں ایمان، اسلام اور احسان کی تشریح یہ ہے، مگر اس زمانے میں مسلمان کے لئے ایمان کیا ہے؟ کھانا ملتا رہے، سوشلزم کے زمانے میں مسلمان "روٹی کپڑا" کے نعرے لگا رہے تھے، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ جہاد کی برکت سے یہ طوفان رک گیا۔ سوشلزم کا بھوت دماغوں سے نکل گیا۔

اسلام کیا ہے؟ ہضم ہو جائے اگر پیٹ میں درد ورد ہونے لگا تو یہ مرا، ذرا تکلیف پہنچی اور کرنے لگا اللہ کے حق میں طرح طرح کی بکواس، اس کا اسلام جب ہی رہے گا کہ اسے تکلیف نہ ہو اور ہاضمہ وغیرہ صحیح رہے۔

احسان کیا ہے کہ اجابت وغیرہ صحیح طور پر ہو اور قبض ہو گیا تو اسلام کو چھوڑ دے گا۔

آج کل کے لوگوں کا حال تو یہ ہے اس لئے میں نے بتا دیا کہ تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں اگر نہیں بچایا اور کہیں کوئی ضرورت پیش آگئی تو معاذ اللہ! آج کا مسلمان اللہ کو گالیاں دینے لگے گا، کفر بکے گا اور جہنّم کا ایندھن بن جائے گا۔

اب رہی یہ بات کہ اسراف سے بچنے کے لئے خرچ آمدن سے بڑھنے نہ پائے اس کا حل لوگ یہ سوچتے ہیں کہ آمدن بڑھاؤ۔

قناعت کی دولت:

اللہ تعالیٰ جس کے قلب میں قناعت کی دولت عطاء فرمادیتے ہیں وہ خود کو پوری دنیا سے زیادہ غنی سمجھتا ہے، اس کے برعکس حرص وہوس کے بندے کے گھر میں پوری دنیا سمٹ کر آجائے تو بھی وہ خود کو فقیر سمجھتا ہے، ہروقت آمدنی بڑھانے کی فکر اور فقرو فاقہ کے خوف سے پریشان رہتا ہے خرکار کے گدھے کی طرح ہروقت دنیا کمانے میں لگا رہتا ہے پھر بھی ملتا وہی ہے جو مقدر ہے ؎

گر بریزی بحر را در کوزۂ
چند گنجد قسمت یک روزۂ
کوزۂ چشم حریصان پر نہ شد
تا صدف قانع نہ شد پر در نہ شد

عشاق دنیائے مردار کی عبرت کے لئے چند قصے بتاتا ہوں، ایسے بیس قصے ”علاج حب جاہ“ کے بیان میں بتاچکا ہوں جن کی فہرست یہ ہے:

① امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ۔
② امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ۔
③ امام مالک کا دوسرا قصہ۔
④ شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ۔
⑤ پیران پیر رحمہ اللہ تعالیٰ۔
⑥ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔
⑦ خلیل نحوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔
⑧ پندرھویں صدی کا نحوی۔
⑨ ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑩ شاہ سلیم چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑪ پیر محمد سلونی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑫ شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑬ درد رویش رادربان۔

⑭ شاہ ابو سعید رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑮ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑯ شاہ صاحب کا دوسرا قصہ۔

⑰ شاہ صاحب کا تیسرا قصہ۔

⑱ حضرت نانا توی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑲ حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

⑳ مولانا فیض اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(ان قصوں کی تفصیل وہاں ایک بار پھر دیکھ لیں۔ جامع)

کچھ قصے اور سنئے:

㉑ رؤساء سے زیادہ غنی:

ایک بزرگ کو کسی رئیس نے ہدیہ دیا تو انہوں نے فرمایا: ''کیا تمہاری سب ضرورتیں پوری ہو گئیں؟'' اس نے کہا: ''ابھی تو بہت سی ضرورتیں باقی ہیں۔'' انہوں نے فرمایا: ''ہماری تو کوئی ضرورت باقی نہیں تم ہم سے زیادہ محتاج ہو اس لئے یہ اپنے پاس ہی رکھ لو''۔

㉒ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس اگر کوئی مدرسہ کی تعمیر کے لئے پیسے کی

ضرورت ظاہر کرتا تو فرماتے کہ کچی اینٹیں کھڑی کرلو، پھر اگر وہ کہتا کہ کچی اینٹیں تو گر جائیں گی تو فرماتے کہ پکی بھی گر جائیں گی۔

(۲۳) حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ مسجد میں تھے، کسی نے غالباً ایک لاکھ اشرفیاں خدمت میں پیش کیں، آپ نے فرمایا کہ مجھے ضرورت نہیں، اس شخص نے کہا کہ آپ مساکین کو دے دیں، آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو میرے ہاتھ سے دلوانا ہوتا تو وہ مجھے یہ مال دیتے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے تم خود مساکین کو دو، اس نے مسجد کے باہر حضرت کے جوتوں پر وہ تمام اشرفیاں ڈال دیں اور ایک طرف چھپ کر کھڑا ہو گیا، اس نے سمجھا کہ جب باہر تشریف لائیں گے اور اشرفیاں اس طرح پڑی ہوئی دیکھیں گے تو وہ اس نعمت کو ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر اٹھا کر لے جائیں گے، حضرت جب مسجد سے باہر تشریف لائے تو اپنے جوتوں پر سے اشرفیاں ایسے جھاڑ دیں، جیسے کوڑا جھاڑ دیا جائے اور جوتا پہن کر چلے گئے۔

(۲۴) حضرت نانوتوی کا دوسرا قصہ:

آپ کو بریلی کے ایک رئیس نے غالباً چھ ہزار روپے پیش کئے کہ کسی نیک کام میں لگا دیجئے، فرمایا کہ لگانے کے بھی تم ہی اہل ہو تم ہی خرچ کر دو، اس نے عرض کیا کہ میں کیا اہل ہوتا، فرمایا میرے پاس اس کی دلیل ہے وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اہل سمجھتے تو مجھے ہی دیتے۔

(۲۵) حضرت نانوتوی کا تیسرا قصہ:

آپ ایک مطبع میں تصحیح کا کام کرتے تھے وہاں سے دس روپے ماہانہ لیتے تھے، ایک

ریاست سے تین سو روپے ماہانہ کی پیشکش کی گئی، آپ نے فرمایا کہ مجھے یہاں دس روپے ملتے ہیں جن میں سے پانچ روپے تو میرے اہل وعیال کے لئے کافی ہوجاتے ہیں اور پانچ روپے بچ جاتے ہیں، آپ کے یہاں جو تین سو روپے ملیں گے ان میں سے پانچ روپے تو خرچ میں آئیں گے اور دو سو پچانوے روپے جو بچیں گے ان کا کیا کروں گا؟ مجھے ہر وقت یہی فکر رہے گی کہ کہاں خرچ کروں، اس لئے معذور ہوں۔

(۲۶) حضرت نانوتوی کا چوتھا قصہ:

آپ کو بھوپال سے پانچ سو روپے ماہانہ کی پیشکش کی گئی بہت اصرار کیا گیا مگر آپ نے قبول نہیں فرمائی۔

(۲۷) حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ اجمیر کی ایک سو روپے ماہانہ تنخواہ چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند میں تیس روپے ماہانہ پر تشریف لے آئے تھے۔

(۲۸) حضرت مولانا محمد یعقوب کا دوسرا قصہ:

دارالعلوم دیوبند میں آپ کو تیس روپے ماہانہ ملتے تھے، بھوپال کے مدارالمہام صاحب نے تین سو روپے ماہانہ پر بلانا چاہا، آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا:

﴿لا حاجة فی نفس یعقوب الا قضاها﴾

یعقوب کی جو کچھ دلی حاجت تھی وہ پوری ہو چکی کہ بقدر ضرورت معاش کے ساتھ اہل اللہ کا قرب اور علمیہ دینیہ خدمت نصیب ہوگئی لہٰذا اب کہیں آنے جانے کا خیال نہیں۔

﴿۲۹﴾ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ:

دارالعلوم دیوبند کے اکابر کی طرف سے آپ کی تنخواہ میں جب بھی ترقی تجویز ہوتی تو آپ یہ کہہ کر ترقی سے انکار کر دیا کرتے تھے کہ ہماری حیثیت سے یہ بھی زیادہ ہے۔

﴿۳۰﴾ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ:

مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست جب بھی آپ کی تنخواہ میں ترقی تجویز کرتے تو آپ انکار کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بھی ہماری حیثیت سے زیادہ ہے۔

﴿۳۱﴾ حضرت مولانا عبد اللطیف رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ نے اپنی ساری ملازمت میں کبھی بھی اپنی ترقی کی درخواست نہ تحریرًا پیش کی نہ زبانی کبھی کسی سے کہا۔

﴿۳۲﴾ حافظ منگتو رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ آپ بیتی میں فرماتے ہیں کہ میرے قرآن مجید کے استاذ اور کاندھلہ کے جملہ اکابر کے استاذ حافظ منگتو کو میرے دادا نے صرف دو روپے ماہوار پر رکھا تھا، پندرہ بیس سال کے بعد سات روپے تک پہنچے تھے، اس وقت میرے کاندھلہ کے بہت سے اکابر کا علی گڑھ سے تعلق وابستہ ہو گیا تھا، ان لوگوں نے بہت ہی کوشش کی کہ حافظ صاحب کو کاندھلہ سے علی گڑھ میں منتقل کریں اور سو روپے تک تنخواہ پیش کی حافظ صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ایسے کا بٹھایا ہوا ہوں کہ سات سو پر بھی نہیں جا سکتا۔

۳۳ حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کو والد سے وراثت میں دو گاؤں ملے تھے، آپ نے موروثیت کے صرف شبہہ کی وجہ سے نہیں لئے۔

۳۴ حکیم الامۃ کا دوسرا قصہ:

آپ کے والد صاحب نے ایک کارخانہ میں کچھ حصہ آپ کے نام کردیا، آپ نے پوچھا کہ واقعۃً یہ حصہ مجھے دے دیا ہے یا کسی مصلحت سے میرے نام کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ کیا تو مصلحت ہی سے تھا مگر اب آپ کو ہبہ کردیا، آپ نے کہا کہ اس سے مجھ پر حج فرض ہوگیا اسے بیچ کر حج کروں گا، والد صاحب نے فرمایا کہ ابھی آپ کی بہنوں کی شادی وغیرہ کے مصارف سامنے ہیں، اس لئے حج کے لئے آیندہ سال جائیں، حضرت نے والد صاحب سے عرض کیا کہ کیا آپ آیندہ سال تک میری حیات کی ضمانت لے سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا تو حضرت نے فیصلہ سنادیا کہ ابھی بیچ کر حج کے لئے جارہا ہوں، بیچا اور تشریف لے گئے۔

۳۵ حکیم الامۃ کا تیسرا قصہ:

آپ کی تصانیف سینکڑوں کی تعداد میں ہیں لیکن آپ نے اپنی کسی تصنیف کا حق طبع محفوظ نہیں کیا اگر صرف ''بہشتی زیور'' ہی کا حق طبع محفوظ کرلیتے تو کروڑوں کماتے۔

برکت کے لیئے یہ تین مثالیں بتادی ہیں ورنہ آپ کے مقام استغناء کو دنیا جانتی ہے اور اس کے واقعات بے شمار ہیں ؎

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
ترے دست توکل میں تھیں استغنا کی تلواریں

﴿۳۶﴾ حضرت پھولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ کے شیخ حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے منتخب فرما کر آپ سے تنخواہ کے بارہ میں دریافت فرمایا تو آپ نے عرض کیا کہ میں بلا معاوضہ پڑھاؤں گا، اور معاش کے لئے چنے کھانے کی ضرورت پیش آگئی تو بھی اسی پر اکتفاء کروں گا۔

﴿۳۷﴾ حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت مفتی محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنا قصہ خود مجھ سے یوں بیان فرمایا کہ وہ ایک مدرسہ میں پڑھاتے تھے، تنخواہ بہت کم تھی اور اولاد بہت زیادہ۔ اس زمانے میں ایک مدرسہ سے دو سو روپے ماہانہ کی پیشکش آئی آپ نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اپنی مشکلات لکھ کر دوسرے ادارہ میں جانے کی اجازت چاہی، حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں یوں تنبیہ فرمائی:

"دو سو روپے مولوی کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں جو کچھ مل رہا ہے اسی پر قناعت کر کے بیٹھے رہیں اللہ تعالیٰ وسعت عطاء فرمائیں گے۔"

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے شیخ کی ہدایت پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے رزق کے دروازے کھول دیئے۔ آخر میں نوابوں جیسی بلکہ نوابوں سے بھی بڑھ کر زندگی گزار رہے تھے۔

﴿۳۸﴾ حضرت مفتی محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھاتے تھے، کسی مدرسہ سے بڑے منصب اور بڑی تنخواہ کی پیشکش آئی لیکن آپ نے انکار کر دیا۔

اس قصہ کی تفصیل میں نے خود مفتی صاحب سے سنی ہے جو پورے طور پر یاد نہیں رہی۔

﴿۳۹﴾ حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ:

آپ نے بھی اپنا قصہ خود مجھے بتایا کہ انہوں نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھا کہ آمدن بہت کم ہے اور عیال زیادہ، بہت پریشان ہوں، اعصاب جواب دے رہے ہیں، ایسے خط کے جواب کے بارے میں یہ توقعات قائم کی جاسکتی ہیں:

❶ حالات پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔

❷ دل سے دعاء کرتا ہوں۔

❸ وسعت رزق کا کوئی وظیفہ۔

❹ خود مالی تعاون۔

❺ کسی سے مالی تعاون کی سفارش۔

❻ کہیں کوئی ملازمت وغیرہ دلوانا۔

شیخ نے جواب میں ان توقعات میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی کوئی ایک لفظ بھی نہ لکھا، صرف یہ تنبیہ تحریر فرمائی:

”افسوس کہ آپ نے پورا خط شکایت سے بھر دیا، شکر کا ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔“

ڈاکٹر صاحب نے شیخ سے قناعت اور صبر و شکر کا سبق لیا تو اللہ تعالیٰ نے رزق کی بارشیں برسادیں۔

﴿۴۰﴾ ایک بادیہ نشین:

میں ایک بار اپنے ایک ملازم کے ساتھ اندرون سندھ پیدل سفر کر رہا تھا، اس

پیدل سفر کا سبب تو یاد نہیں پچاس سال سے بھی زیادہ پرانی بات ہے، اس وقت میری عمر تقریباً بائیس برس تھی۔ لیکن اس میں عبرت کا ایک ایسا سبق ملا کہ میں اسے آخر دم تک بھول نہیں سکتا، قصہ یہ ہوا کہ ہم نہر کے کنارے جارہے تھے آفتاب غروب ہوگیا اندھیرا چھا گیا منزل مقصود ابھی کافی دور تھی اس لئے ہم نے فیصلہ کیا کہ راستے میں کوئی آبادی مل جائے تو رات وہاں ٹھہر جائیں رات کے اندھیرے کے علاوہ نہر کے دونوں جانب بہت گھنے درخت تھے، اس لئے کچھ نظر نہیں آرہا تھا، ایک جگہ کچھ بھنک سی محسوس ہوئی تو ملازم نے آوازیں لگائیں: ”کوئی ہے؟“ اس کا جواب ملا اور پھر ایک شخص درختوں سے نکل کر سامنے آگیا، ہم نے کہا ہم مسافر ہیں رات گذارنا چاہتے ہیں آپ کے ہاں گنجائش ہے؟ وہ کہنے لگا:

بلي كري آيا .

”خوش آمدید۔“

بلي بلي كري آيا .

”خوش آمدید، خوش آمدید۔“

اكين تي آيا .

”سر آنکھوں پر آئیے۔“

پھر کہنے لگا کہ آپ نے رات ٹھہرنے کی گنجائش کا کیوں پوچھا؟

ذكر نه آهي سكر آهي .

”قحط نہیں خوشحالی ہے۔“

یہ باتیں بار بار کہتا ہی چلا جارہا تھا بس بچھا ہی جارہا تھا، اور بار بار کہہ رہا تھا:

”آپ نے ٹھہرنے کی گنجائش کے بارے میں پوچھا ہی کیوں؟“

ہم سمجھے کہ شاید یہ کسی بہت بڑے زمیندار کا کارندہ ہے، زمیندار نے اپنی زمین میں کوئی عالی شان محل بنایا ہوا ہو گا، وہ ہمیں درختوں سے باہر لے گیا تو ہمیں عالی شان محل کی بجائے ٹوٹی پھوٹی چھوٹی سی جھونپڑی نظر آئی جس کے پاس ایک بہت کمزور سی گائے اور ایک مریل سا گدھا تھا، مجھے ایک ٹوٹی ہوئی چھوٹی سی چارپائی دی، کھانے کے لئے بہت پرانی خستہ حال چنگیری میں خشک روٹی سالن کے بغیر، روٹی کی تعداد اور مقدار یاد نہیں، سالن کی بجائے سندھ کے قدیم دستور کے مطابق دودھ، ٹوٹے پھوٹے گلاس میں دونوں کے لئے آدھا گلاس۔ اس کے ساتھ بیوی بچے بھی تھے، انہوں نے خود کیا کھایا پیا ہو گا، شاید فاقے میں ہی رات گزار لی ہوگی۔

ایسے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے۔

(۴۱) ایک مزدور:

ایک مزدور جوڑیا بازار میں کمر پر بوجھ اٹھانے کی مزدوری سے گذر کر رہا تھا، ساتھ ہی اسے "عرق النسا" جیسا بہت سخت موذی مرض تھا، اس درد کو عام لوگ "لنگڑی کا درد" کہتے ہیں یہ ٹانگ کی رگ میں ہوتا ہے اور بہت شدید ہوتا ہے، اس حالت میں کمر پر بوجھ اٹھا کر لے جانے کی مزدوری کرتا تھا، اس کے باوجود ایسا صابر و شاکر کہ اس کی باتوں سے یوں لگ رہا تھا کہ "پوری دنیا کا بادشاہ" ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کو ایسی قناعت اور صبر و شکر کی دولت عظمیٰ سے نوازیں۔

(اس کی تفصیل آگے عنوان "بیعت کرنے کا قاعدہ" کے تحت قصہ نمبر۲ میں ہے۔ جامع)

جامع عرض کرتا ہے:

قناعت میں حضرت اقدس کا مقام بہت بلند ہے جو لوگ حضرت اقدس کے حالات

سے واقف ہیں انہیں تو بتانے کی ضرورت نہیں البتہ ناواقف لوگوں کے لئے چند قصے لکھے جارہے ہیں شاید کسی کے لئے ہدایت کا ذریعہ بن جائیں:

❶ حضرت اقدس ابتداء میں خدمات دینیہ پر مجبورًا بادل نخواستہ تنخواہ لیتے تھے، اس زمانہ میں ایک شخص نے نیا مرغی خانہ کھولا اور وہ اپنے گاہک بنانے کی مہم چلا رہا تھا اس نے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا:

"آپ کتنے انڈے لیا کریں گے؟"

حضرت اقدس نے انہیں بہتر انداز سے ٹال دیا، بعد میں زیر تربیت خدام سے فرمایا:

"میں نہ خود کبھی انڈے کھاتا ہوں نہ گھر میں بیوی بچوں کو کھلاتا ہوں اس لئے کہ میں بقدر ضرورت تنخواہ لیتا ہوں، انڈے ضرورت میں داخل نہیں، اور خدمات دینیہ پر قدر ضرورت سے زائد تنخواہ لینا جائز نہیں، مگر میں نے اس شخص کو یہ جواب اس لئے نہ دیا کہ وہ علماء دین کو مفلس نہ سمجھے، کسی مسلمان کے لئے بالخصوص کسی عالم دین کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے کسی قول یا عمل سے کسی کے سامنے افلاس ظاہر کرے، اس میں دین اور علم دین کی توہین ہے۔"

وہ شخص بہت بڑا تاجر تھا یہ بھی تو خیال آسکتا تھا کہ اس سے یہ فرمادیتے کہ میرے پاس اتنی وسعت نہیں تو شاید وہ خود ہی ہدیۃً پیشکش کر دیتا، لیکن حضرت اقدس کا حال تو یہ ہے ؎

لنقل الصخر من قلل الجبال
احب الی من منن الرجال

"پہاڑوں کی چوٹیوں سے پتھر ڈھو ڈھو کر گزر اوقات کروں یہ میرے لئے

اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ لوگوں کا زیر احسان رہوں۔"

۲ اس زمانہ میں حضرت اقدس کو کہیں پانچ چھ کلو میٹر تک جانا ہوتا تو پیدل تشریف لے جاتے حالانکہ ان دنوں کوئی معاون بھی نہیں تھا اور منتشر کام بھی بہت ہوتے تھے جس کے لئے حضرت اقدس کو خود ہی بار بار بہت دور جانا پڑتا تھا اس کے باوجود پیدل سفر کی مشقت برداشت فرماتے تھے، اس کی بھی یہی وجہ بیان فرماتے تھے:

"پانچ چھ کلو میٹر کی مسافت کے لئے کرایہ پر سواری لینا ضرورت سے زائد ہے۔"

ان واقعات میں یہ امر ملحوظ رہے کہ اس وقت حضرت اقدس جس ادارہ سے تنخواہ لے رہے تھے آپ اس کے قانوناً کلی طور پر خود مختار تھے، اپنی تنخواہ بڑھانے کے لئے کسی کی اجازت تو درکنار کسی سے مشورہ لینے کی بھی آپ کو ضرورت نہ تھی، علاوہ ازیں تنخواہ میں اتنا اضافہ نہ قانوناً معیوب سمجھا جاتا ہے نہ عرفاً، دوسرے علماء اس سے کئی گناہ زیادہ تنخواہیں لے رہے ہیں۔

۳ حضرت اقدس جس زمانے میں جامعہ دارالعلوم کورنگی میں شیخ الحدیث تھے پیرانی صاحبہ کو کسی مرض کے علاج کے لئے ڈاکٹر نے پھل کھانے کو بتائے حضرت اقدس نے فرمایا کہ ان دنوں میرے پاس اتنی وسعت نہ تھی اس کے باوجود بحمد اللہ تعالیٰ یہ خیالات فاسدہ نہ آئے:

① جامعہ سے کچھ تنخواہ پیشگی لوں۔

② جامعہ سے کچھ تنخواہ بڑھانے کا مطالبہ کروں۔

③ حتی کہ یہ بھی خیال نہیں آیا کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے کچھ تعاون طلب کروں۔

④ یہ خیال بھی نہیں آیا کہ کسی سے قرض لے لوں۔

میرے اللہ نے ایسے خیالات فاسدہ سے میری ہمیشہ حفاظت فرمائی ہے ؎

دور باش افکار باطل دور باش اغیار دل
سج رہا ہے ماہ خوباں کے لئے دربار دل

اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں یہ حقیقت اتار دی تھی:

"اللہ نے ڈاکٹر صاحب کی اس تجویز سے ہمیں مستغنی فرمادیا ہے اگر ہمارے لئے شفاء اسی میں مقدر ہوتی تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور اتنی وسعت بھی عطاء فرماتے۔"

قرض لینا:

ایک مولوی صاحب تھے جو پیر بھی تھے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ میرے پاس مکان نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ بیوی بچوں کے سر چھپانے کی جگہ ہو جائے، اور بھی بہت سے لوگ یہ بات کہتے رہتے ہیں کہ سر چھپانے کی جگہ چاہئے تو میں یہ کہا کرتا ہوں کہ اللہ کے بندو! اس مقصد کے لئے تو قبر سے بہتر کوئی جگہ نہیں آپ کا سر تو کیا پورا جسم ہی ایسا چھپے گا کہ کہیں سے کوئی حصہ بھی نظر نہیں آئے گا۔ وہ مولوی صاحب مجھ سے مشورہ لے رہے تھے کہ ان کے مرید انہیں قرض دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد میں آہستہ آہستہ اداء کر دیجئے گا ایسی صورت میں قرض لینا چاہئے یا نہیں؟ میں نے کہا:

﴿المستشار امین﴾

"جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔"

اس پر فرض ہے کہ جو بات صحیح سمجھتا ہو وہی مشورہ دے، کسی مصلحت سے اس امانت میں خیانت نہ کرے۔ اس بارہ میں میری رائے "انوار الرشید" میں تحریر ہے کہ اس زمانے میں قرض لینا حرام ہے۔ جہاں قرض لیا ذلت ہی ذلت۔ عزت تو جاتی ہی

ہے ساتھ ہی آپس میں اختلافات بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ قرض کے معنی ہیں ''کاٹنا'' یہ محبت کی قینچی ہے اس لئے اسے ''قرض'' کہا جاتا ہے، مقولہ مشہور ہے:

﴿القرض مقراض المحبة﴾

''قرض محبت کی قینچی ہے۔''

انہوں نے ایک بار پوچھا میں نے مشورہ دے دیا کہ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں اس لئے کہ میرا تو فیصلہ لکھا ہوا موجود ہے مگر وہ بار بار مجھ سے پوچھتے رہے کہ اب پوچھوں گا تو شاید رحم آجائے، خود ہی قرض دے دیں یا ایسے ہی کچھ رقم دے دیں۔ لوگوں نے یہ طریقہ نکال لیا ہے کہ کسی مالدار سے کہتے ہیں دعاء فرمادیجئے بہت تنگی ہے اللہ تعالیٰ وسعت عطاء فرمادیں۔ مالدار سے دعاء کی درخواست اس لئے کرتے ہیں کہ وہ مدد کردے۔ بیرون ملک سے آنے والے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ فلاں شخص نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ دعاء فرمادیں۔ میں نے کہا یہ آپ سے کہتا ہے مجھ سے کیوں نہیں کہتا؟ حالانکہ مجھ سے تو زیادہ قریب ہے۔ آپ اتنی دور سے آئے ہیں علاوہ ازیں اسے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ میرے مرید ہیں، اس کے باوجود آپ سے کہہ رہا ہے کہ حالات ٹھیک نہیں مالی تنگی ہے دعاء فرمادیں، دور سے آنے والے مرید سے دعاء کرواتا ہے قریب رہنے والے پیر سے نہیں کرواتا، مجھ سے اس لئے نہیں کہا کہ ڈرتا ہے کہ اگر اس سے کہا تو یہ تو کچھ نہ کچھ خوراک دے دے گا۔ دعاء فرمائیں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دواء مل جائے کچھ مالی تعاون ہو جائے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ لوگ مصارف کو آمدن کے تحت رکھنے کی بجائے آمدن کو بڑھانے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور اس کے لئے غلط طریقے استعمال کرتے ہیں۔

آمدن کے اصول:

آمدن کے اصول شرعاً متعیّن ہیں مختصراً بتادیتا ہوں۔

پہلا اصول:

کچھ بھی ہو جائے حرام کے قریب بھی نہ جائیں۔

دوسرا اصول:

اتنے زیادہ مشغول نہ رہیں جیسے خر کار کا گدھا۔

تیسرا اصول:

حقوق اللہ اور حقوق العباد ضائع نہ ہوں۔ آج کا مسلمان کمانے میں اتنا مصروف ہے کہ بیوی بچوں کے جو کام اس کے ذمہ ہیں یہ نہیں کر رہا۔ بازار سے سودا لینے بیوی جائے، ڈاکٹر کے پاس دواء لینے بیوی حتی کہ درزی کے پاس بھی بیوی جائے، بلکہ کوشش یہ بھی ہوتی ہے کہ بیوی کمائے بھی بے دین عورتیں بھی اسی میں خوش ہیں جس کی دو وجہیں ہیں:

❶ بے دینی کی وجہ سے بے حیائی اور آوارگی کی ذلت کو آزادی اور عزت سمجھتی ہیں۔

❷ مال کی ہوس کی وجہ سے اس کوشش میں لگی رہتی ہیں کہ شوہر زیادہ سے زیادہ وقت کمانے میں لگائے۔ دنیائے مردار کی ہوس میں اپنا دین بھی برباد کر رہے ہیں اور عزت بھی۔

چوتھا اصول:

معتد بہ وقت اللہ کی عبادت میں صرف کریں خواہ وہ نجی عبادت ہو یا متعدی۔ اگر دوسروں تک دین پہنچانے میں، اپنے بیوی بچوں کو دیندار بنانے میں وقت نہیں لگاتے، دینی تعلیم اور جہاد کے لئے وقت صرف نہیں کرتے تو حقوق اللہ بھی ضائع کئے اور حقوق العباد بھی۔

پانچواں اصول:

دل میں ہوس نہ ہو۔ ہاتھ کام میں مشغول رہیں اور دل اللہ کی طرف متوجہ رہے، اللہ کی یاد سے دل غافل نہ ہو، دل میں مال و دولت کی ہوس کی بجائے اللہ کی محبت بھری رہے۔

اس پر کسی کو یہ خیال آسکتا ہے کہ اس طرح تو آمدن بہت تھوڑی سی ہوگی، آمدن کم ہونے سے پریشانی رہے گی، اس بارہ میں تین باتیں سوچا کریں:

❶ فرمایا:

﴿ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر مایشاء انہ بعبادہ خبیر بصیر﴾ (۴۲-۲۷)

اگر اللہ ہر شخص کو اتنا رزق دے دے جتنی اس کی خواہش ہے تو یہ دنیا تباہ ہوجائے دنیا ایک دن بھی نہیں چل سکتی۔ اللہ اپنے بندوں کے حالات کو خوب جانتا ہے۔ جس کے لئے جب جو چیز بہتر ہوتی ہے وہ عطاء فرماتا ہے۔

❷ شکر نعمت نہ ہونے کی وجہ سے یہ پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ دنیوی لحاظ سے نعمتوں میں آپ سے کم ہیں ان کے حالات کو دیکھا کریں اور سب سے بڑی بات تو یہ سوچا کریں کہ اللہ تعالیٰ کا کیسا کرم ہے کہ اس نے آپ کو انسان پیدا کیا اور ایمان کی دولت عطاء فرمائی، جب سوچیں گے تو نعمتوں کا احساس ہوگا، یہ سوچنے کے لئے تو انسان تیار ہے ہی نہیں یہ تو ہر وقت یہی سوچتا رہتا ہے کہ فلاں کے پاس کار ہے میرے پاس تو سائیکل بھی نہیں، فلاں کے پاس اتنا بڑا محل ہے میرے پاس ٹوٹی ہوئی جھونپڑی ہے، یہ تو دوسروں کو دیکھ دیکھ کر مرا جا رہا ہے، جو لوگ دنیوی لحاظ سے بلند ہیں انھیں دیکھ رہا ہے اور اتنی مخلوق جو اس سے کمتر ہے وہ اسے نظر نہیں آتی، یہ ہوس ہے اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار کر کے دل سے شکر ادا کیا کریں۔

۳ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿واذ تأذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید﴾ (۱۴-۷)

اگر میری نعمتوں کا شکر اداء کرو گے تو میں ان نعمتوں میں ترقی دوں گا۔ جس میں آپ کو کمی محسوس ہوتی ہے اس پر اللہ کا شکر اداء کیا کریں اس سے ایک فائدہ تو یہ کہ دل کو اطمینان و سکون حاصل ہوگا پریشانی نہیں ہوگی اور دوسرا فائدہ یہ کہ اللہ کے وعدے کے مطابق نعمت میں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔

غرضیکہ ضرورات وحاجات کو پورا کرنے کی دو قسمیں ہیں ایک غلط جو آج کل کے لوگوں نے اختیار کر رکھی ہے کہ آمدن بڑھاؤ اور دوسری صحیح جو اسلام نے بتائی ہے یعنی قناعت اور شکر اختیار کریں اور مصارف کو آمدن کے تحت رکھیں۔ مصارف کا کم یا زیادہ کرنا تو اختیاری امر ہے جبکہ آمدن کا بڑھانا اختیاری نہیں، کتنی ہی کوشش کرلیں جو مقدر ہے وہی ملے گا۔ دنیا میں کتنے لوگ ایسے نظر آئیں گے جو ساری عمر سر ٹکرا ٹکرا کر مر گئے مگر جو کام بھی کیا اس میں ناکامی ہوئی اور اگر کسی کو کامیابی ہوئی تو اس کی ہوس بڑھتی گئی ایک خواہش پوری ہوئی تو اس نے دوسری کو جنم دیا۔

پالان ملا تو گدھا غائب:

ایک شخص گدھا خریدنا چاہتا تھا لیکن اس کے پاس اتنی رقم نہیں تھی، اس نے گدھا خریدنے کے لئے پیسے جمع کرنے شروع کردیئے، کسی نہ کسی طرح پیسے جمع کر کے گدھا خرید لیا پھر یہ خیال آیا کہ پالان بھی ہونا چاہئے حالانکہ ضرورت تو پوری ہوگئی مگر جب تک پالان اوپر نہ ہو تو شاہی سواری کیسے بنے؟ وہ بھی ضروری ہے اب پالان خریدنے کے لئے پیسے جمع کرنے شروع کردیئے جب اتنی رقم جمع ہوگئی تو پالان خریدنے کے لئے بازار گیا، پالان خرید کر بہت خوش ہوا کہ اب دیکھئے کیسی شاندار سواری ہوگی۔ آکر

جو دیکھا تو گدھے کو بھیڑیا کھا گیا، قصہ ہی ختم ہو گیا۔ یہ طریقہ اور یہ سوچ غلط ہے۔

امید ہے کہ بات سمجھ میں آگئی ہو گی کہ حب دنیا ہی فساد کی جڑ ہے اسی کی وجہ سے انسان آخرت سے غافل رہتا ہے۔ دنیائے مردار کی محبت میں اپنی آخرت کو برباد کرنے والے یہ سوچیں کہ دنیا فانی ہے، ختم ہو جانے والی ہے، ایک دن مرنا ہے، اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اصل وطن آخرت ہے دنیا تو مسافر خانہ ہے تو بتائیے یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ مسافر خانے کو بنانے کی خاطر وطن کو بگاڑ لیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک آخرت کو نہ بنایا جائے اس وقت تک دنیا بن ہی نہیں سکتی دنیا صرف اسی کی بنتی ہے جو آخرت کو بناتا ہے، جس نے آخرت کو نہیں بنایا اس کی دنیا بننا ناممکن، ناممکن، ناممکن۔

مرض حب دنیا کی تشخیص:

جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے وہ حب دنیا کا مریض ہے۔

حب دنیا کا علاج کروائیں:

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بہت محبت ہے۔ معاذ اللہ! وہ ظالم نہیں کہ انسان میں مرض پیدا فرمادیں اور اس کا علاج پیدا نہ فرمائیں۔ جب مرض کا علم ہو گیا تو اس کے علاج کی فکر ہونی چاہئے۔ کسی ایسی جگہ سے اس مرض کا علاج کروائیں کہ جہاں جانے سے نہ صرف یہ کہ افاقہ ہونے لگے بلکہ یہ افاقہ روز بروز بڑھتا ہی چلا جائے حتیٰ کہ یہ درجہ حاصل ہو جائے کہ اللہ کی رضا کی خاطر پوری دنیا کو قربان کر دیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں۔ مجھے تو شبہہ ہوتا ہے کہ معلوم نہیں آپ لوگ سمجھتے بھی ہیں یا نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں صرف سبق دینے پر ہی اکتفاء نہیں کرتا بلکہ میرا خیال یہ ہوتا ہے کہ پمپ لگاؤ پمپ، بات کسی طرح دل کے اندر گھس جائے، خوب سمجھ لیں یہ بات،

اللہ کرے کہ میرے مرنے سے پہلے سمجھ جائیں۔

بات یہ ہورہی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ نے مرض پیدا کیا ہے تو اس کا علاج بھی یقیناً پیدا فرمایا ہے ؎

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ نہیں کوئی دنیا میں ایسا
کہ حق نے دوا اس کی کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

جب اللہ تعالیٰ نے جسمانی امراض کا علاج رکھا ہے حالانکہ ان کا علاج کوئی ضروری نہیں نہ بھی کیا تو کیا ہوگا؟ بہت سے بہت مرجائیں گے سو مرنا تو ہے ہی پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ علاج آپ کے لئے فائدہ مند ہو اور فائدہ مند ہو بھی گیا تو آخر کب تک؟ ایک نہ ایک دن ضرور مرنا ہے، جتنا چاہیں علاج کرلیں، لندن پہنچ جائیں، امریکا پہنچ جائیں، یہاں نہ سہی کفرستان میں جاکر مریں گے، اس زمانے کے مسلمان بھی نیویارک کے ہسپتال میں مرنے کو بہت بڑے فخر کا مقام سمجھتے ہیں، بہرحال کسی نہ کسی وقت مریں گے ضرور مگر دل کے امراض دنیا و آخرت کو تباہ کرنے والے امراض کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا یقینی وعدہ ہے کہ جو علاج کروائے گا اسے یقیناً صحت ہوگی۔ جو شخص جہنّم سے بچنا چاہے گا اللہ اسے ضرور بچالے گا، پھر اس طرف توجہ کیوں نہیں ہوتی؟ فکر کیوں نہیں ہوتی؟

روحانی امراض سے بچنا اختیاری ہے:

دل کی بیماریوں سے، دینی بیماریوں سے تندرست ہوجانا اللہ تعالیٰ نے انسان کے

اختیار میں دے دیا ہے، کتنی بڑی رحمت ہے کہ گناہ ابھی چھوٹے نہیں مگر چھوڑنے کا داعیہ پیدا ہوگیا، فکر پیدا ہوگئی کہ مجھے یہ گناہ چھوڑنا ہے اور چھوڑنے کے لئے کچھ تدبیریں اختیار کروں وہ تدبیریں کہاں ملیں گی ان کے لئے انسان بے چین ہوجائے، تلاش میں لگ جائے تو بس اس فکر پر اللہ کی رحمت متوجہ ہوجاتی ہے۔ استغفار کرتا رہے اور اس دھن میں لگا رہے کہ کوئی طبیب ایسا مل جائے جو گناہ چھڑوادے، بس کام بن گیا۔ اگر کوئی جسمانی مرض ہوجائے تو جب تک مکمل شفاء نہ ہوجائے یہی کہتے ہیں کہ یہ شخص بیمار ہے مگر امراض قلب سے متعلق میرے اللہ کی رحمت دیکھئے کہ جیسے ہی توجہ ہوگئی علاج کی فکر پیدا ہوگئی تو وہ اللہ کے نزدیک تندرستوں میں لکھ لیا گیا اگر اسی حالت میں مرگیا تو وہ تندرستوں کی فہرست میں شمار ہوگیا۔ اتنی بڑی مہربانی، اتنا بڑا کرم، اتنی بڑی رحمت لیکن لوگ اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہیں کرتے۔ فکر پیدا کریں، طلب پیدا کریں کہ اس مرض کا علاج کہاں ہے۔ کسی اللہ والے کی مجلس میں جایا کریں، کسی امراض باطنہ کے طبیب سے رابطہ کریں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہیں میرے پاس آیا کریں بلکہ جہاں سے بھی امراض میں افاقہ محسوس کریں وہاں جائیں اور پابندی سے حاضری کا معمول بنالیں، انشاء اللہ تعالیٰ ضرور شفاء کامل ہوگی۔ اہل اللہ کی صحبت غضب کی تأثیر رکھتی ہے۔

دل گھسنے کی علامت:

جب میں دارالعلوم کورنگی میں تھا۔ ایک بار مسجد سے اپنے گھر کی طرف جارہا تھا۔ ایک مولوی صاحب بھی میرے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ وہ کھڑاؤں پہنتے تھے، اس وقت کھڑاؤں پہننے کی بجائے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ میں کسی دوسرے کے ساتھ باتیں کررہا تھا اس لئے مولوی صاحب کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ گھر مسجد سے کافی دور تھا وہ برہنہ پاؤں چلتے رہے۔ جب گھر کے قریب پہنچا تو میری نظر پڑی کہ انہوں نے

کھڑاؤں ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے کہ دیکھئے اس کھڑاؤں میں جہاں میرا انگوٹھا ٹکتا ہے وہاں انگوٹھے کے دباؤ سے لکڑی گھس گئی اور گڑھا پڑ گیا مگر مجھے آپ کے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس آئے ہوئے تقریباً سال گزرنے والا ہے میں ابھی تک نہیں گھسا، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میرا دل لکڑی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ جب فکر ہوئی تو دیکھئے اللہ تعالیٰ کیسی کیسی سوچیں دل ودماغ میں ڈالتے ہیں میں نے ان سے پوچھا کہ یہ بتائیں کہ یہاں آنے سے پہلے کبھی ایسے خیالات آپ کے دل ودماغ میں آتے تھے؟ کہنے لگے نہیں پہلے تو نہیں آتے تھے۔ میں نے کہا کہ سمجھ لیں دل گھس گیا اگر دل نہ گھسا ہوتا تو یہ خیال کیسے آتا۔

انسان میں فکر پیدا ہو جائے کہ مجھے ایک دن مرنا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، حساب وکتاب ہوگا اور پھر:

﴿فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر﴾ (۴۲-۷)

یہ فکر پیدا ہو جائے کہ میں جنت کے راستے پر چل رہا ہوں یا جہنّم کے اور کسی رہبر کی تلاش میں لگ جائے جو اسے صحیح معنیٰ میں اللہ کا بندہ بنا دے، اللہ کی نافرمانیاں چھڑوا دے، پھر اگر علاج مکمّل ہونے سے پہلے اس کی موت واقع ہوگئی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

مرید بننا ضروری نہیں اصلاحی تعلّق ضروری ہے:

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ مرید بننا ضروری نہیں اصلاحی تعلّق ضروری ہے۔ بہشتی زیور کے ساتویں حصہ میں ایسے لوگوں کی علامات بتائی گئی ہیں کہ جن سے امراض باطنہ کا علاج کروایا جا سکتا ہے۔ جس شخص میں وہ علامات موجود ہوں آپ اس سے اصلاحی تعلّق قائم کریں اور اپنے امراض اسے بتائیں وہاں سے جو نسخہ ملے اسے استعمال کریں، اس طرح رفتہ رفتہ اصلاح ہوتی چلی جائے گی، اصلاح کروانا ضروری ہے بیعت ہونا

ضروری نہیں۔ اگر کوئی مرید تو ہو گیا مگر اپنی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتا تو گرو چیلے والا قصہ ہو گا۔

آج کے پیر سے گرو زیادہ عقلمند:

ایک چیلا گرو کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ حضور مجھے چیلا بنالیں اس وقت کے گرو آج کے مسلمان پیروں سے زیادہ عقلمند تھے۔ اللہ تعالیٰ اس گرو جتنی عقل آج کے پیروں کو دے دیں تو کچھ کام بن جائے۔ گرو سمجھدار تھا کہنے لگا کہ بیٹا چیلا بننا بہت مشکل ہے، جلدی سے نہیں بنالیا۔ اگر آج کے کسی نالائق پیر کے پاس کوئی مرید ہونے پہنچ جائے تو دیکھئے کیسے جلدی سے مرید بناتے ہیں:

"در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔"

ارے آئیے آئیے جلدی کریں اور دوسرے بٹیروں کو بھی پکڑ پکڑ کر لائیں۔

کوئی آپھنسے:

ایک گاؤں میں ایک عطائی حکیم صاحب رہتے تھے۔ گاؤں کے لوگ غذاء سادہ کھاتے ہیں اور محنت زیادہ کرتے ہیں اس لئے بہت کم بیمار ہوتے ہیں کبھی بیمار ہوئے بھی تو سونف اجوائن وغیرہ سے علاج کر لیتے ہیں، حکیموں ڈاکٹروں کے چکر میں نہیں پڑتے، وہ حکیم صاحب تسبیح بہت پڑھتے تھے، ایک شخص نے حکیم صاحب سے کہا کہ حکیم جی میں بتاؤں آپ تسبیح پر کیا پڑھتے ہیں، آپ تسبیح کے ہر دانے پر پڑھتے ہیں کوئی آپھنسے، کوئی آپھنسے، کوئی آپھنسے۔

ہجوم مقصود نہیں:

آج کل کے پیر بھی تسبیح پر یہی پڑھتے رہتے ہوں گے "کوئی مرغا آپھنسے، کوئی مرید

آپھنسے" گرو میں ان سے زیادہ عقل تھی، لوگوں کا ہجوم مقصود نہیں، پھانسنا مقصود نہیں، بنانا مقصود ہے اور بنے گا وہی جس میں طلب صادق ہوگی اور طلب صادق کا پہلے مہینوں، سالوں حسب مصلحت، حسب استعداد اور حسب موقع امتحان لیا جاتا ہے اگر یہ ثابت ہوجائے کہ اس میں سچی طلب ہے، جو ہم بتائیں گے وہ کرے گا اگر اسے کوڑے بھی لگائے تو خوشی سے قبول کرے گا، طلب صادق کا امتحان ہوجائے تو مرید کریں گے ورنہ بھاگو یہاں سے وقت ضائع نہ کرو۔ گرو میں اتنی عقل تھی تو گرو نے کہا کہ بیٹا چیلا بننا تو بہت مشکل ہے، چیلا کہتا ہے کہ پھر اپنا گرو ہی بنالیں۔ آج کل لوگوں کا یہی حال ہے کہ حضرت جی ہمیں مرید بنالیں اور اگر مرید نہیں کرنا تو اپنا پیر ہی بنالیں۔ بات سمجھ میں آگئی اگر کوئی مرید ہوجاتا ہے اور کام نہیں کرتا، ہدایات پر عمل نہیں کرتا تو وہ تو بھگانے کے قابل ہے اور اگر بیعت نہیں ہوتا لیکن عمل کرتا ہے اپنی اصلاح کرتا ہے تو ایسا ہی شخص کامیاب ہوتا ہے کیونکہ بیعت مقصود نہیں اصلاح مقصود ہے۔

بیعت کرنے کا قاعدہ:

بحمد اللہ تعالیٰ یہاں پر "کوئی آپھنسے" والا قصہ نہیں۔ اگر کوئی مجھ سے بیعت کی درخواست کرتا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے کہ یہاں مجلس وعظ میں آیا کریں اور اپنے حالات کی اطلاع ہر ماہ بذریعہ خط دیا کریں۔ اس طرح بعض لوگوں کو بیعت ہونے میں چند ماہ لگتے ہیں اور بعض کو کئی کئی سال ہوجاتے ہیں پھر بھی انہیں بیعت نہیں کیا جاتا۔ میں نے صرف تین افراد کو شرائط سے مستثنیٰ کر کے بیعت کیا ہے:

❶ ایک مولوی صاحب نے بیعت ہونے کی درخواست کی۔ میں نے انھیں بیعت کی شرائط بتائیں تو انھوں نے خصوصی رعایت حاصل کرنے کی غرض سے اپنا بہت عجیب قصہ سنایا:

"میں کالج میں پڑھتا تھا، بندر روڈ سے گزر ہوتا تھا، وہاں ایک مقام پر

موسیقی سکھانے کا بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا، اسے پڑھ کر ایک طالب علم ساتھی نے کہا کہ یہ فن بہت مشکل ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں یہ تو بہت آسان ہے۔ اس پر ہمارا آپس میں مباحثہ شروع ہو گیا، وہ کہتا چلا جارہا ہے کہ یہ تو بہت مشکل ہے، میں کہتا رہا کہ بہت آسان ہے۔ بالآخر ضد میں آکر میں نے کہا کہ میں سیکھ کر دکھاؤں گا۔ میں نے موسیقی سکھانے کے اس ادارے میں داخلہ لے لیا۔ جب والدین کو پتا چلا تو وہ بہت ناراض ہوئے۔ میں نے انھیں راضی کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کسی حال میں بھی راضی نہیں ہو رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ اس کی اجازت نہیں دیتے تو میں جا کر گندے بازار میں بیٹھ جاؤں گا، پھر آپ کی کیا عزت رہے گی۔ انھوں نے مجبور ہو کر اجازت دے دی۔ میں نے موسیقی کے فن میں بہت مہارت حاصل کی اس ادارے کے استاذوں کے علاوہ بھی جہاں کہیں کسی ماہر فن کا پتا چلا اس سے بھی سیکھا، کئی ہندو ماہرین فن بھی میرے استاذ ہیں۔ میں ایسا ماہر موسیقار بن گیا کہ آج پاکستان ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن کے بڑے بڑے موسیقار میرے شاگرد ہیں۔ ان ہی حالات میں ایک بار مجھ پر بہت سخت پریشانی آگئی۔ میں نے جتنے علاج کئے سب بے سود بلکہ مرض روز بروز بڑھتا گیا بھوک بند ہو گئی، بہت کمزور ہو گیا، بہت ہی پریشان ہو کر خودکشی کا فیصلہ کیا، اس کی تدبیر یہ سوچی کہ اپنے دو منزلہ مکان کی چھت پر چڑھ کر کود جاؤں مگر اس تدبیر پر عمل کرنے سے پہلے یہ خیال آیا کہ اگر ہاتھ پاؤں وغیرہ ٹوٹ گئے اور مرا نہیں تو وہ زندگی تو اس سے بھی بدتر ہو گی۔ پھر دوسری تدبیر سوچی کہ بجلی کے بورڈ کے پاس جا کر تار نکال کر پاؤں کے انگوٹھے سے باندھ لوں اور بٹن دبا دوں اس پر بھی عمل کرنے سے پہلے یہ خیال آیا کہ اطمینان سے بیٹھ کر سوچ سمجھ

کر کوئی فیصلہ کرنا چاہئے بیٹھ کر سوچنے لگا تو دل میں یہ خیال آیا کہ قرآن مجید کھول کر دیکھوں، قرآن کھولتے ہی فوراً اس آیت پر نظر پڑی:

﴿الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب۝﴾ (۱۳-۲۸)

میں نے کالج میں عربی پڑھی تھی اس لئے ترجمہ سمجھ میں آگیا۔ اس کا دل پر ایسا اثر ہوا کہ میں بہت رویا، بہت رویا اور اس گندے دھندے سے توبہ کی۔ رات کا وقت تھا بیوی کو جگایا کہ پانی گرم کریں میں نہاؤں گا۔ اس کے بعد بیوی سے کہا کہ مجھے نماز پڑھوائیں، پھر میں نے نماز پڑھی اور خوب خوب توبہ کی، میرے پاس اس فن کی ہزاروں روپے کی کتابیں تھیں میں نے وہ سب جلا ڈالیں اور ہزاروں کے آلات تھے وہ سب توڑ ڈالے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میں اس کا تدارک ایسے کروں کہ قرآن مجید کی تجوید سیکھوں، پھر میں نے تجوید قرآن میں مہارت حاصل کی، پھر میں نے عالم بننے کا فیصلہ کیا اور مدرسہ مظہر العلوم محلّہ کھڈہ کراچی میں پورا نصاب پڑھا۔ موسیقی میں میرے جتنے بھی شریک کار تھے ان سب کو اپنی توبہ کا بتایا تو ان میں سے دو کو توبہ کی توفیق ہوگئی۔“

بعد میں ان میں سے ایک کو مجھ سے ملوانے لائے تھے۔

ان پر اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت خاصہ دیکھ کر میں نے ان کی رعایت کر دی اور یہ قصہ سننے کے بعد انھیں اسی مجلس میں بیعت کر لیا۔

❷ ایک مزدور آئے اور مجھ سے بیعت کی درخواست کی، میں نے قاعدہ کے مطابق جواب دیا کہ کچھ مدت آمد و رفت اور مجلس میں حاضری کا معمول رکھیں، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ اس پر وہ شخص کہنے لگا:

”بیعت ہونے سے میرا کوئی دنیوی مقصد نہیں، دنیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے

بہت دی ہے۔“

وہ دیر تک دنیوی نعمتوں کی کثرت اور فراوانی کو بہت شد و مد کے ساتھ بیان کرتا رہا میں اس کے بوسیدہ لباس اور خستہ حالت پر تعجب کر رہا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ جوڑیا بازار میں کمر پر بوجھ اٹھانے کی مزدوری کرتا ہے اور ساتھ ہی عرق النسا کا مریض بھی ہے۔ اس کی قناعت اور غنائے قلب کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے اسی وقت بیعت کر لیا۔

۳ ایک مجاہد آئے جن کی ظاہری ہیئت سے لگ رہا تھا کہ ان پر کوئی جنونی کیفیت سوار ہے۔ انھوں نے بیعت کی درخواست کی، میں نے شرائط بتائیں تو وہ بولے:

”میں جہاد کے لئے جا رہا ہوں اور کبھی بھی واپس نہیں آؤں گا۔ شہادت کی سعادت حاصل کرنے تک اللہ کی راہ میں لڑتا رہوں گا، مجھے یہ خیال ہوا کہ جانے سے پہلے بیعت ہو کر جاؤں۔“

میں نے ان کا یہ جذبہ اور جوش جہاد دیکھ کر فوراً بیعت کر لیا۔ اللہ کے اس قسم کے بندوں کو بیعت کرنے کو میں اپنے لئے باعث رحمت سمجھتا ہوں۔

(یہ قصہ جہاد افغانستان کی ابتداء کا ہے بعد میں حضرت اقدس دامت برکاتہم نے ہر مجاہد کے لئے بیعت کی شرائط میں نرمی کر دی۔ اس کے علاوہ آپ بیعت ہونے والے ہر چھوٹے بڑے مرد و عورت سے جہاد میں حصہ لینے کا بھی عہد لیتے ہیں اور بوقت بیعت یہ الفاظ بھی کہلواتے ہیں:

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں جان یا مال دینے کا موقع پیش آیا تو بخوشی دوں گا۔“ جامع)

بادشاہ اور باندی کا قصہ:

بات یہ ہو رہی تھی کہ حب دنیا کا علاج کروائیں اور اس کے لئے کسی طبیب حاذق

کو تلاش کریں۔ حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک باندی کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا اس کو ایک لونڈی سے محبت ہوگئی۔ بادشاہ نے اسے خرید لیا، خریدنے کے بعد محبت بہت بڑھ گئی۔ وہ لونڈی بیمار ہوگئی۔ بادشاہ نے جوں جوں علاج کروایا مرض بڑھتا ہی گیا۔ بادشاہ نے تمام اسباب اختیار کرلئے مگر سب بے سود، جب بالکل مایوس ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کوئی تعویذ دے دے یا پانی پڑھ دے:

﴿کلا اذا بلغت التراقی ۝ وقیل من راق ۝ وظن انه الفراق ۝ والتفت الساق بالساق ۝ الی ربک یومئذ المساق ۝﴾

(۷۵-۲۶ تا ۳۰)

جب جان آکر حلق میں اٹکتی ہے تو کہتے ہیں علاجوں سے تو کوئی فائدہ نہیں ہوا اب کوئی پھونک لگوانی چاہئے۔ اللہ کے بندے! اگر پھونک نہ لگوائی تو کیا ہوگا بہت سے بہت مرجائے گا تو اچھا ہی ہے وطن پہنچ جائے گا۔ دلوں میں ایسی پھونک لگوائیں کہ جس سے اللہ کی محبت پیدا ہو۔ جب بادشاہ نے ہر قسم کے علاج کروالئے اور وہ ٹھیک نہ ہوئی تو کہا کہ اگر یہ مرگئی تو میں بھی مرجاؤں گا، چونکہ نیک تھے اس لئے اسباب اختیار کئے مگر نظر اللہ پر رہی اور جب اسباب کارگر نہ ہوئے تو پھر ؎

شہ چو عجز آن طبیبان رابدید
پابرہنہ جانب مسجد دوید
رفت در مسجد سوئے محراب شد
سجدہ گہ از اشک شہ پر آب شد
اے پناہ ما حریم کوئے تو
من بامیدے رمیدم سوئے تو

بادشاہ نے برہنہ پا مسجد کا رخ کیا، ایسا بے ہوش کہ جوتا پہننے کا بھی ہوش نہ رہا۔ یا

عجز و نیاز ظاہر کرنے کے لئے برہنہ پاؤں بھاگے، اللہ کے حضور اپنا عجز ظاہر کرنے کے لئے محراب میں جاکر سجدہ میں گرے، سجدہ میں گر کر اتنا روئے اتنا روئے کہ مسجد کی جگہ کو سبیل بنادیا ؎

اے پناہ ما حریم کوئے تو

اے وہ مالک جس کی گلی ہمارے لئے پناہ کی جگہ ہے کہیں پناہ نہ ملے تو تیری گلی میں ہمارے لئے پناہ ہے ؎

من بامیدے رمیدم سوئے تو

ساری دنیا سے ناامید ہو کر تیرے دروازے پر سر رکھ دیا۔ اسی حالت میں بادشاہ پر استغراق طاری ہوگیا اور استغراق کے عالم میں دیکھا کہ صبح کے وقت مشرق کی جانب سے ایک بزرگ آئیں گے وہ تیری باندی کا علاج کریں گے۔ یہ صبح کو مشرق کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر وہ بزرگ تشریف لے آئے تو بادشاہ کی جان میں جان آئی۔

بزرگ نے باندی کی نبض پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کہ تو کس کس شہر میں رہی ہے؟ باندیاں تو بکتی رہتی ہیں کبھی کسی شہر میں کبھی کسی شہر میں، اس نے شہروں کے نام لینا شروع کئے، جب سمرقند کا نام لیا تو اس کی نبض تیز ہوگئی۔ جیسے ہی سمرقند کہا تو نبض کود رہی ہے، بس چور پکڑا گیا، پھر پوچھا کہ سمرقند کے کون کون سے محلوں میں رہی ہے؟ باندی نے کئی محلوں کے نام گنوائے اور جب نام لیا زرگروں کے محلے کا تو نبض پھر تیز ہوگئی، کچھ نہ پوچھئے جو نبض بیٹھی چلی جارہی تھی یکدم تیز ہوگئی، پھر پوچھا کہ تیرے مالک کون کون سے تھے؟ تو اس نے کچھ لوگوں کے نام بتائے اور جب ایک زرگر کا نام بتایا تو نبض اور تیز ہوگئی۔ بزرگ نے بادشاہ سے فرمایا کہ بس اب علاج آسان ہے، مرض کی تشخیص ہوگئی۔ سمرقند کے شہر میں، زرگروں کے محلے میں، فلاں نام کا زرگر ہے اس باندی کو اس سے محبت ہے، یہ اس پر عاشق ہے اور تو اس پر، باندی زرگر کے لئے مری

جارہی ہے اور توباندی کے لئے مراجارہا ہے۔ اگر زرگر سے اس کا عشق ختم نہ کیا گیا تو تم دونوں مرجاؤ گے۔ اس زرگر کو یہاں بلوائیں، بادشاہ نے اسے بلوالیا۔ آگے تھوڑا سا حصہ حذف کر دیتا ہوں، کہ علاج کیسے کیا وہ تو جب کوئی علاج کرواتا ہے تو کر کے دکھایا جاتا ہے بتانے کا نہیں، ڈاکٹر ایسے ہی عوام کو اپنے نسخے نہیں بتایا کرتا، اس سے علاج کروائیں تو بتائے گا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑے ہی اکسیر نسخے ہیں۔ ان بزرگ نے ایسا علاج کیا کہ باندی کا عشق نفرت سے بدل گیا، پھر بادشاہ سے کہا کہ اسے زرگر سے تو نفرت ہوگئی اب آپ سے اسے محبت ہو جائے گی۔

اس قصے میں دو باتیں سمجھائی گئی ہیں:

❶ دنیائے مردار کی محبت میں دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی رہتی ہیں تو کیا محبوب حقیقی کی محبت میں دل کی دھڑکنیں تیز نہیں ہو سکتیں؟ اگر نہیں ہوتیں تو یہ دل بیمار ہے۔

❷ اس قصہ میں بادشاہ سے مراد ہے روح، باندی سے مراد ہے نفس اور زرگر سے مراد ہے دنیا کی لذتیں ؎

سونے چاندی کی چمک بس دیکھنے کی بات ہے
چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے

وہ وقت آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنی محبت عطاء فرمادیں۔

جس طرح وہ باندی زرگر پر عاشق تھی اسی طرح یہ نفس جب تک دنیا کا عاشق رہے گا اس وقت تک روح کے تابع نہیں ہو سکتا، روح اس پر اپنا قبضہ نہیں جما سکتی، اللہ کا نافرمان رہے گا، اگر کسی دل کے اسپیشلسٹ کے پاس پہنچے گا تو وہ اس باندی کا یعنی اس نفس کا علاج کر کے دنیائے مردار کی محبت ختم کر دے گا۔ دنیا کی محبت دل سے نکلے گی تو نفس روح کے تابع ہو جائے گا۔ جب تک نفس روح کے تابع نہیں ہوتا اس وقت تک اس کا علاج ناممکن ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ دنیا کی محبت دل سے نکالی جائے اور نفس کے تقاضے اللہ کی رضا کے تابع ہو جائیں۔ یہ نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن

ہے:

﴿اعدی اعدائک نفسک التی بین جنبیک﴾

(رواہ البیہقی فی الزھد)

”سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے۔“

بعض نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے مگر یہ مضمون قرآن سے ثابت ہے۔

نفس کی بیماری اس کا علاج کب بنتی ہے:

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک بار انھیں نیند نہیں آرہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ساتھ رحمت کا ایک معاملہ ہونے والا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان پر بے خوابی مسلّط فرمادی، ایسے نہیں جیسے آج کل کے مسلمان کا دل گناہ کرتے کرتے سیاہ ہوجاتا ہے تو انہیں اللہ بے خوابی کی صورت میں عذاب دیتا ہے خواب آور گولیاں کھا کھا کر سوتے ہیں پھر بھی نیند نہیں آتی۔

ایک شخص کا قصہ باب العبر میں ہے کہ جب تک گناہ نہیں چھوڑے تھے خواب آور گولیاں کھا کر سونے کی کوشش کیا کرتے تھے پھر بھی نیند نہیں آتی تھی اور جب سے گناہ چھوڑے ہیں خراٹے لے کر سوتے ہیں بڑے آرام سے اب گولیوں کی ضرورت نہیں رہی، جن بزرگ کا قصہ بتا رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے ایک مسئلہ دینیہ حل کروانے کے لئے ان پر بے خوابی طاری فرمادی۔ ان حضرات کے یہاں اس کا علاج یہ ہے کہ جہاں نیند نہ آئے اللہ کی یاد میں لگ جاؤ اور کیا چاہئے۔ ایسی بے خوابی تو بڑی رحمت ہے بہت بڑی رحمت۔

ایک روایت نظر سے گزری ہے کہ کسی سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے شکایت کی کہ رات مچھر بہت تھے انھوں نے سونے

نہیں دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿نعمت الدابة توقظكم للصلاة﴾

سبحان اللہ! کیسا اچھا جانور ہے جس نے تمہیں رات بھر نماز کے لئے جگائے رکھا۔ جب مچھروں کی وجہ سے نیند نہیں آئی تو وہ ایسے ہی لیٹے کروٹیں نہیں لیتے رہے یا بیٹھے جمائیاں نہیں لیتے رہے بلکہ نماز میں مشغول ہوگئے کہ جب محبوب کی یہ مرضی ہے کہ نہ سوئیں تو چلئے پھر محبوب کا حق ادا کیا جائے۔ ان بزرگ کو بھی جب نیند نہیں آئی تو انھوں نے سوچا کہ دوست سے کچھ رازونیاز کی باتیں کی جائیں، شہر سے باہر نکل کرتا کہ محبوب کے ساتھ خلوت ہو جائے ۔

پھیر لوں رخ پھیر لوں ہر ماسوا سے پھیر لوں
میں رہوں اور سامنے بس روئے جانانہ رہے

ویسے تو یہ قصہ مجلس میں بھی ہو جاتا ہے، جس کی توجہ ادھر ہو جاتی ہے اس کے سامنے دنیا کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ مگر انھوں نے سوچا کہ ظاہرًا بھی یہ صورت حاصل ہو جائے کہ کوئی اور نہ ہو۔ وہ جنگل کی طرف نکل گئے۔ چلتے چلتے کسی کو جنگل میں دیکھا سمجھ گئے کہ یہ بھی کوئی میرے جیسا ہی ہے ۔

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

انھوں نے سلام کہا اور پوچھا:

﴿متى يكون داء النفس دواها﴾

”نفس کی بیماری اس کا علاج کب بنتی ہے۔“

انھوں نے فورًا برجستہ جواب میں فرمایا:

﴿اذا خالفت النفس ھواھا﴾

"جب نفس اپنی خواہشات کے خلاف کرنے لگے۔"

وہ فرماتے ہیں کہ اب بات سمجھ میں آئی کہ میرے محبوب نے جو بے خوابی طاری کر کے مجھے باہر نکال دیا تو اس میں حکمت یہ تھی کہ یہ مسئلہ جو کئی دن سے حل نہیں ہو رہا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حل اس طرح مقدر تھا۔ انھیں کتنی مشکل سے یہ جواب ملا اور آپ کو کتنی آسانی سے بیٹھے بٹھائے مل رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس نعمت کی قدر کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں، یہ نسخہ استعمال کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں، جیسے ہی کوئی تقاضا اللہ کی رضا کے خلاف پیدا ہو اسے اللہ کے حکم پر قربان کر دیں، جب تک ایسا نہیں ہوگا اس وقت تک نفس کی بیماری کا علاج ناممکن، ناممکن، ناممکن۔

نفس کے تقاضوں کو خون کرنے کا نسخہ:

کسی کو یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ بیماری تو یہی ہے کہ ہم نفس کے تقاضے کے خلاف کرنا چاہتے ہیں تو ہوتا ہی نہیں، اس کے لئے کسی طبیب سے نسخے لیجئے ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ جب انسان کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دستگیری فرماتے ہیں۔ لیکن آج کے مسلمان کا حال تو یہ ہے کہ گویا اس نے فیصلہ کیا ہوا ہے نفس سے کبھی مقابلہ نہیں کرنا جیسے ایک شخص کا قصہ ہے کہ اس کا کسی سے کشتی کا مقابلہ ہوا تو کہنے لگا کہ مقابلہ برابر ہی رہا کبھی میں نیچے وہ اوپر کبھی وہ اوپر میں نیچے۔ یہی حال آج کے مسلمان کا ہے، نفس کے ساتھ تو یہ معاملہ ہونا چاہیے ؎

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
کہ اس سے ہے کشتی ٹھنی عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

حضرت بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؂

النفس کاطفل ان تمهله شب علی
حب الرضاع وان تفطمه ینفطم
فلا ترم بالمعاصی کسر شهوتها
ان الطعام یقوی شهوة النهم

''نفس کی مثال دودھ پیتے بچے کی سی ہے، دودھ چھڑاؤ گے تو چیخے گا، چلائے گا، ایک دو دن کے بعد ٹھیک ہوجائے گا اور اگر سوچا کہ نہیں! پلادو، بے آرام ہورہا ہے، دوسروں کو بھی بے آرام کر رہا ہے، پریشان کر رہا ہے، پلاتے چلے جاؤ تو جوان ہوجائے گا لیکن دودھ نہیں چھوڑے گا۔ نفس کی خواہش کو توڑنے کا کام معاصی کے ارتکاب سے نہ کریں کیونکہ کھانا ہیضے کے مریض کی خواہش کو بڑھاتا ہے۔''

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ گناہ کرنے سے نفس کی تیزی ذرا کم ہوجائے گی اور وہ اس نسخہ پر عمل کرتے ہوئے خوب گناہ کرتے ہیں لیکن یاد رکھئے! گناہ کرنے سے گناہ کی ہوس اور بڑھتی ہے نفس کے تقاضے ختم ہونے کی بجائے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ نفس کے شر سے تو ساری زندگی ہوشیار رہنا پڑتا ہے اور اللہ والوں کا تو یہ طریقہ رہا ہے کہ نفس کو لگام دینے کے لئے کبھی کبھی جائز چیزوں سے بھی اسے روکتے ہیں۔

انڈے کھانے کا قصہ:

ایک بزرگ سے ان کے نفس نے انڈے کھانے کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے بہت عرصہ تک اس کے تقاضے پر عمل نہ کیا اور انڈے نہ کھائے۔ جب بہت عرصہ گزر گیا اور نفس تقاضا کرتا رہا تو انھوں نے سوچا کہ اب اسے انڈے کھلا ہی دوں۔ ایک گاؤں

میں گئے وہاں کسی گھر میں چوری ہوگئی تھی۔ لوگوں نے اجنبی دیکھ کر انہی کو پکڑ لیا کہ یہی چور ہے اور ان کی خوب پٹائی کی۔ اتفاق سے وہاں ایک شخص انھیں جانتا تھا جب اس کی نظر ان پر پڑی تو اس نے لوگوں سے کہا کہ یہ تو بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔ پھر وہ انھیں اپنے گھر لے گیا اور بہت عزت و احترام سے پیش آیا اور کھانا بھی کھلایا، اس کھانے میں انڈے بھی تھے، ان بزرگ نے انڈے دیکھ کر نفس کو مخاطب کر کے فرمایا:

”ارے مردود نفس! لے پہلے ڈنڈے کھا پھر انڈے کھا اب اگر کبھی مطالبہ کیا تو پھر اسی طرح ڈنڈے کھانے پڑیں گے۔“

نفس سے جہاد میں اللہ تعالیٰ نے کیسی دستگیری فرمائی کہ نفس غالب آنے لگا تو ایسی سزا دلوادی کہ آیندہ کے لئے توبہ کرلی۔ اللہ والے تو اس طرح اپنے نفس کی نگرانی کرتے ہیں اور جو شیطان کے بندے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿افرأیت من اتخذ الٰهه هواه واضله الله علی علم وختم علی سمعه وقلبه وجعل علی بصره غشاوة فمن یهدیه من بعد الله افلا تذکرون﴾ (۴۵-۲۳)

انھوں نے اپنی خواہش نفس کو اپنا اللہ بنا رکھا ہے اور یہ نفس ہی تو ہے جو انسان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرماتے ہیں:

﴿وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا مارحم ربی ان ربی غفور رحیم﴾ (۱۲-۵۳)

”اور میں اپنے نفس کی براءت نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی کا ہی حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے، بے شک میرا رب بہت بخشنے والا ہے بڑا رحم کرنے والا ہے۔“

نفس کے کید سے بچنا کامل کی صحبت کے بغیر مشکل ہے۔ نفس کے تقاضوں کو اللہ

کی رضا پر کیسے قربان کیا جائے یہ کسی کامل سے پوچھئے، کسی طبیب حاذق سے رابطہ رکھئے ورنہ یہ نفس تو ایسا شریر ہے کہ گناہوں کو عبادت بنا کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے اور انسان ولی الشیطٰن ہوتے ہوئے بھی خود کو ولی اللہ سمجھتا رہتا ہے۔ اہل دل حضرات کی صحبت کی برکت سے رحمٰن تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جاتا ہے فرمایا:

﴿الرحمٰن فسئل به خبیرًا﴾ (۲۵-۵۹)

''رحمٰن کا راستہ کسی باخبر سے پوچھو۔''

نفس وشیطان کا بہکانا:

نفس وشیطان انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتے جہاں انسان ذرا سا غافل ہوا اور انھوں نے وار کیا۔ شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ان الشیطن لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعوا حزبه لیکونوا من اصحب السعیر﴾ (۳۵-۶)

''بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے سو تم اسے اپنا دشمن ٹھہرالو وہ اپنے لشکر کو جہنّم میں پھینکنے کے لئے بلاتا ہے۔''

جن لوگوں کے قلوب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی ہیں ان سے شیطان مطمئن رہتا ہے، اسے ان کی کوئی فکر نہیں، وہ سمجھتا ہے کہ یہ تو اپنے ہی انڈے بچے ہیں بلکہ وہ خوش ہوتا ہے کہ یہ تو خود ہی مجھ سے تعاون کر رہے ہیں انھیں شاباش دیتا رہتا ہے، واہ میرے بیٹے واہ! اور جو شخص شیطان کے چنگل سے بچ کر نکلا جا رہا ہو اس کے لئے شیطان اپنی پوری قوت صرف کر دیتا ہے کہ کہیں یہ جہنّم سے بچ نہ جائے۔ اسی لئے حضرت پیران پیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

آنگہ کہ ایمان بسلامت بلب گور بریم
احسنت برین چستی و چالاکی ما

"جب ایمان قبر کے کنارے پر صحیح سلامت لے جائیں گے تو ہماری اس چستی اور چالاکی پر شاباش۔"

لوگوں کی واہ واہ انسان کو تباہ کر دیتی ہے:

خاص طور پر جو لوگ گناہوں کو چھوڑنے چھڑوانے کا کام کرتے ہیں وہ مجاھد ہیں، یہ اللہ کی راہ میں بہت بڑا جہاد ہے۔ جتنی اس میں قوت بڑھتی جائے گی، جس قدر ترقی ہوتی جائے گی لوگ کہیں گے واہ مجاہد واہ! کیا کام کر دکھایا، تو وہ پھولتا چلا جائے گا اور تباہ ہو جائے گا، سارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔

ناز تقوی سے پھر اچھا ہے نیاز رندی
جاہ زاہد سے پھر اچھی مری رسوائی ہے

حضرت رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں ان لوگوں کے بارہ میں جو اپنے نیک اعمال پر ناز کرتے ہیں اور اپنی دنیا و آخرت برباد کر لیتے ہیں۔

پہلی مثال:

ایک شخص نے بہت سا اناج اپنی کوٹھیوں میں بھر کر رکھ لیا کہ جب اناج کی قلّت ہو گی تو نکالیں گے، اپنے خیال میں بہت خوش ہو رہا ہے کہ میرے پاس تو کوٹھیاں بھری پڑی ہیں، لیکن جب اناج کی ضرورت پیش آئی کوٹھیوں کو کھولا تو ایک دانہ بھی نظر نہ آیا، سارا اناج چوہے نکال کر لے جا چکے تھے۔ ایسے موقع پر وہ شخص کتنا پریشان ہو گا۔

یہ مثال ان لوگوں کے بارہ میں بیان فرمائی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس تو جنت کے سامان کے انبار لگے ہوئے ہیں، کوٹھیاں بھری پڑی ہیں نجی عبادات بھی بہت ہیں اور دوسروں تک دین پہنچانے کی خدمات بھی بہت، اپنے طور پر بھی گناہ چھوٹے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی گناہوں سے روک رہے ہیں، اپنے خیال میں بہت ہی

خوش ہو رہے ہیں کہ ہم تو اب جنت کے مستحق بن گئے، ہمارے پاس تو بہت خزانے جمع ہیں۔ لیکن جب خزانہ کھولنے کا وقت آیا، کب؟ کل قیامت کے روز خزانہ کھولنے کا وقت آئے گا، جب تمام اعمال پیش کئے جائیں گے، حساب وکتاب کے روز اگر خدانخواستہ اپنے خزانہ میں سے ایک دانہ کے برابر بھی کچھ نہ نکلا اور نفس وشیطان کے چوہوں نے تمام خزانوں کا صفایا کر دیا تو کیا بنے گا؟ کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟ نفس وشیطان کے چوہے خزانوں پر کس طرح حملہ کرتے ہیں؟ دل میں جہاں یہ خیال آیا کہ سب کچھ میرا کمال ہے اور میرے اختیار میں ہے، اللہ تعالیٰ کی دستگیری سے نظر ہٹی اور اپنے کمال پر نظر گئی تو نفس وشیطان کے چوہوں نے تمام خزانوں کا صفایا کر دیا۔

دوسری مثال:

ایک مرتبہ ایک چور کسی کے گھر میں رات کے وقت گھس گیا، مالک کی آنکھ کھل گئی، اس نے چقماق جلا کر دیکھنے کی کوشش کی، پہلے زمانے میں بجلی تو تھی نہیں، روشنی کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ چقماق سے روئی میں آگ لگاتے تھے، چقماق سے چنگاری اٹھتی تو روئی میں آگ لگ جاتی اور روشنی پیدا ہو جاتی۔ مالک نے اس طرح روشنی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن چور اس کے سرہانے بیٹھ گیا، جو چنگاری چقماق سے نکل کر روئی پر گرتی اسے فوراً ہاتھ سے مسل دیتا، جس کی وجہ سے روئی میں آگ نہ لگی، مالک پر نیند کا غلبہ تھا ہی جب ایک دو بار کی کوشش سے روشنی نہ ہوئی تو چھوڑ کر دوبارہ سو گیا، چور اس ہوشیاری اور مکاری سے پورے گھر کا صفایا کر گیا۔

فرمایا نفس وشیطان کے فریب سے بچو، جب قلب میں اللہ کی محبت کی آگ لگنے لگتی ہے تو شیطان کسی نہ کسی طریقے سے اسے بجھا دیتا ہے۔ انسان سمجھنے لگتا ہے کہ وہ بہت بڑا ولی اللہ ہو گیا۔ اتنے لوگوں کو ڈاڑھیاں رکھوا دیں، اتنی تصویریں جلوا ڈالیں، اتنی

عورتوں کو پردے کروادیئے، کوئی کہتا ہے کہ اس نے دو ٹی وی تڑوادئے اور بیس چھڑوادیئے۔ کوئی سمجھتا ہے کہ جہاد میں ایسے ایسے جوہر دکھائے، اتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ایسی ایسی باتیں جب سوچتا ہے تو شیطان اسے تباہ کرنے کے لئے دل میں کبر پیدا کرتا ہے، اس لئے جب اللہ کسی نیکی کی توفیق عطاء فرمادے تو یہ کہنا چاہئے:

﴿لاحول ولا قوة الا باللّٰه﴾

اس کے مفہوم کو سمجھ کر دل میں اتارنے کی کوشش کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لاحول ولا قوة الا باللّٰه کنز من کنوز الجنة﴾ (ترمذی)

"لاحول ولاقوۃ الاباللہ جنت کے خزانوں میں سے بہت بڑا خزانہ ہے۔"

یہ بہت بڑا خزانہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ اس سے عجب وکبر اور نفس کے تقاضوں کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ یا اللہ! اتنا بڑا کام تونے لے لیا، خود بھی تیرے احکام پر عمل کر رہا ہوں اور دوسروں تک بھی تیرے احکام پہنچا رہا ہوں، میں نے تیرے حکم کے مقابلہ میں قریب سے قریب رشتہ داروں کی ناراضی کی بھی کوئی پروانہ کی، سب کا مقابلہ کیا، سب کو مایوس کردیا، ایسی ایسی باتیں جب دل میں آتی ہیں کہ اتنا بڑا جہاد، اتنا بڑا جہاد، تو یہی نازک وقت ہوتا ہے اگر ایسے موقع پر اپنے کمال کا خیال آگیا تو انسان تباہ ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آخر زمانے میں دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہوگا جیسا کہ ہاتھ میں انگارا تھامنا۔" (ترمذی)

ذرا سوچئے! نماز پڑھنا تو کچھ مشکل کام نہیں، تلاوت اور تسبیحات وغیرہ بھی کچھ مشکل نہیں، اور خوانیوں میں تو بہت فائدے ہیں، مٹھائیاں بھی کھاتے رہیں اور ایک

دوسرے کی زیارتیں بھی کرتے رہیں، پھر یہ جو فرمایا کہ قیامت کے قریب دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہوگا کہ جیسے آگ کو تھامنا، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں گناہوں کا چھوڑنا، چھڑوانا اتنا مشکل ہوگا جتنا کہ انگارے کو ہاتھ میں تھامنا مشکل ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرمادیتے ہیں وہ یہ سوچے کہ یہ میرے اللہ کی رحمت ہے، قربان جاؤں اس مالک کے جس نے مجھے یہ دولت عطاء فرمائی، اپنے کمال کا کبھی خیال نہیں آنا چاہئے۔

اللہ کی محبت والوں کے حالات:

ذرا ان لوگوں کے حالات بھی سن لیجئے جن کے قلوب میں دنیائے مردار کی محبت کی بجائے اللہ کی محبت غالب رہتی ہے، فرمایا:

﴿انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون۝﴾ (۸-۲)

﴿وبشر المخبتین۝ الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم والصبرین علی ما اصابھم والمقیمی الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون۝﴾ (۲۲-۳۴،۳۵)

﴿اللّٰہ نزل احسن الحدیث کتٰبا متشبھا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللّٰہ ذلک ھدی اللّٰہ یھدی بہ من یشاء ومن یضلل اللّٰہ فمالہ من ھاد۝﴾ (۳۹-۲۳)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے دلوں میں میری محبت اتنی ہے اتنی کہ ہر وقت مجھے یاد کرتے رہتے ہیں اس کے باوجود جب کسی کی زبان سے میرا نام سنتے ہیں تو ان کے

دلوں پر زلزلہ آجاتا ہے:

﴿وجلت قلوبهم﴾

''دل دہلنے لگتے ہیں۔''

دل کی دھڑکنیں تیز ہوجاتی ہیں۔ لیکن جس نے اللہ کی محبت کی چاشنی نہیں چکھی وہ تو یہی سوچے گا کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ ذرا اس محبت کو دنیا کی محبت پر قیاس کریں، کسی نے کہا کہ فلاں کمپنی پر بحران آگیا تو کئی لوگوں کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں دل کا دورہ پڑا اور مر گئے۔ کوئی اچھی خبر سننے سے دل کی دھڑکن تیز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور کوئی صدمہ کی خبر سن کر دل کی دھڑکنوں میں کچھ فرق آتا ہے یا نہیں؟ وہ باندی جو زرگر پر عاشق تھی صرف زرگر کا نام لینے سے اس کی ڈوبتی ہوئی نبضیں کیسے پھڑکنے لگیں؟ جب دنیائے مردار کی محبت دل کی دھڑکنوں میں ہلچل مچاسکتی ہے تو اللہ کے عاشقوں کے قلوب پر اللہ کا ذکر سن کر زلزلہ کیسے نہیں آئے گا؟ اور فرمایا:

﴿واذا سمعوا ما انزل الى الرسول ترى اعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق﴾ (۵-۸۳)

''اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی دیکھتے ہیں اس سبب سے کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا۔''

اتنے اونچے مقامات پر ہونے کے باوجود ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ آخرت کے حساب سے ڈرتے رہتے ہیں، نیک اعمال کرتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں کہ ان پر ثواب کی بجائے عذاب نہ ہوجائے:

﴿يؤتون ما اتوا وقلوبهم وجلة انهم الى ربهم رجعون○﴾

(۲۳-۶۰)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ اللہ کے وہ بندے ہیں جو اللہ اطاعت کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ قبول بھی ہے یا نہیں۔

اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ نیک عمل کرتے ہیں تو انھیں یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں اس پر مؤاخذہ نہ ہو جائے، اجر و ثواب ملنا تو در کنار کہیں ان اعمال پر گرفت نہ ہو، سزا نہ ہو جائے، اپنے اعمال کو ایسے ناقص سمجھتے ہیں، ہر قسم کے گناہوں سے بچے رہنے کے باوجود، اللہ کی اطاعت میں رات دن لگے رہنے کے باوجود خطرہ رہتا ہے کہ قبول بھی ہے یا نہیں ؎

نیکیاں یارب مری بدکاریوں سے بدہوئیں
وہ بھی رسوا کن ترے دربار میں بے حد ہوئیں

اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے والے متقین کو جنت کی نعمتوں کی بشارت دینے کے بعد ان کا حال یوں بیان فرماتے ہیں کہ ان پر فکر آخرت غالب رہتی ہے اس لئے استغفار کرتے رہتے ہیں:

﴿الذین یقولون ربنا اننا اٰمنا فاغفرلنا ذنوبنا وقنا عذاب النار۝﴾ (۳-۱۶)

”اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں جہنّم کے عذاب سے بچالے۔“

متقین کی صفات:

﴿الصبرین و الصدقین و القنتین و المنفقین و المستغفرین

بالاسحار ۞ (۳-۱۷)

الصابرین:

ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی غالب ہوتی ہے کہ انھیں دین پر استقامت نصیب ہوجاتی ہے۔ صبر کے لغوی معنی ہیں "باندھنا" اس مناسبت سے یہ لفظ تین معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا صلہ بدلتا ہے تو معنی بدل جاتے ہیں:

❶ صبر فی المصیبۃ:

مصیبت میں صبر کرنا، جانی، مالی کسی بھی قسم کی کوئی مصیبت آئے تو اس پر صبر کرے۔

❷ صبر عن المعصیۃ:

گناہوں سے صبر کرنا، نافرمانی سے صبر کرنا۔ نفس کے تقاضے ہیں کہ فلاں گناہ کرو، فلاں گناہ کرو، فلاں گناہ کرو تو نفس کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں، صبر کریں اس کے تقاضے پورے نہ ہونے دیں۔

❸ صبر علی الطاعۃ:

اللہ کی اطاعت پر استقامت، کوئی بات اللہ کی اطاعت کے خلاف نہ ہونے پائے، اللہ کی اطاعت پر صبر اور استقامت۔

درحقیت صبر کی یہ قسم یعنی "صبر علی الطاعۃ" تینوں قسموں کو شامل ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر استقامت نصیب ہوجائے۔ اگر کوئی نافرمانی سے نہیں بچے گا تو وہ صبر علی الطاعۃ تو نہیں ہوا، اطاعت تو یہ ہے کہ نافرمانی نہ کریں۔ کسی مصیبت میں پریشان

ہو گیا، صبر نہیں کیا تو صبر علی الطاعۃ تو نہیں ہوا، اللہ کی اطاعت تو یہ ہے کہ مصائب میں صبر کیا جائے، اس لئے دراصل صبر ایک ہی ہے کہ ہر مرحلہ میں، ہر قدم پر، ہر مقام پر کچھ بھی ہو جائے اللہ تعالیٰ کی رضا مقدم رہے۔ دنیا کا کوئی تعلق، کوئی محبت، کوئی خوف، نفس کا کوئی تقاضا، شیطان کی کوئی دعوت، مال کی محبت، جاہ کی محبت، غرض یہ کہ کوئی چیز بھی، کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کے سامنے نہ آسکے، جن لوگوں نے "اٰمنا" کہا، ایمان کا دعویٰ کیا پھر اس پر ثابت قدم رہے، ایسے مضبوط رہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس میں کوئی ادنیٰ سا تزلزل بھی پیدا نہ کر سکے یہ ہیں "صابرین" یا اللہ! اپنی رحمت سے ہم سب کو ایسے صابرین بنادے۔

الصادقین:

انھوں نے جب "اٰمَنَّا" کہا تو اپنے اس قول میں وہ سچے ہیں۔ ایمان صرف ان کی زبانوں پر نہیں، دلوں میں اترا ہوا ہے۔ انھوں نے اپنے دلوں کو اللہ کی رضا پر قربان کر دیا۔ وہ ایسے نہیں ہوتے کہ کسی کی ملامت پر اللہ کی اطاعت چھوڑ دیں، جیسے کسی نے نصیحت کی کوئی بات سن کر ڈاڑھی رکھ لی پھر اگر کہیں کسی نے کہہ دیا کہ ارے، یہ تو بکرا لگ رہا ہے تو وہ بہادر ڈاڑھی منڈا ڈالے، یا کسی عورت نے وعظ سن کر شرعی پردہ کر لیا مگر کسی نے کچھ کہہ دیا تو یہ دنیا والوں کی مروت میں یا خوف میں بے پردہ ہو جائے۔ اللہ کے بندے اپنے دعوائے ایمان میں صادق ہوتے ہیں، اپنے اس دعوے کو پورا کر کے دکھاتے ہیں، یہ مالیدہ کھانے والے مجنون نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صادقین کی فہرست میں داخل فرمالیں۔

القانتین:

جب یہ لوگ عاشق ٹھہرے عاشق، اٰمَنَّا کی معنی ہیں عَشِقْنَا یا اللہ! ہم

تیرے عاشق ہو گئے، عاشق بھی کیسے کہ تو نے خود تصدیق فرمادی کہ یہ صابرین ہیں، تو نے خود تصدیق فرمادی کہ یہ صادقین ہیں، ان میں استقامت ہے، انھوں نے جو عشق و محبت کا دعویٰ کیا ہے یہ اس میں سچے ہیں۔ کہیں آپ لوگ ان کے عشق کو آج کے مسلمان کے عشق پر قیاس نہ کرلیں، آج کا مسلمان تو جھوٹا عاشق ہے، مالیدہ کھانے والا مجنون ہے اور اللہ کے یہ مقرب بندے تو عاشق صادق ہوتے ہیں، سنئے عاشقی کسے کہتے ہیں اور عاشق کا حال کیا ہوتا ہے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جانان بودن
دل بدست دیگرے دادن و حیران بودن

اگر کوئی شخص عشق و محبت کے دعوے کرتا ہے تو واقعۃً اس کے دل میں عشق و محبت ہے بھی یا نہیں؟ اس کا معیار بیان فرمایا:

"عاشقی چیست؟"

کسی کو سمجھانے کا ایک خاص طریقہ ہے کہ پہلے سؤال کیا جائے اس کے بعد جواب دیا جائے، اگر ایسے ہی بتایا جائے تو بات دل میں بیٹھتی نہیں۔ سوال کرنے کے بعد جب وہ شخص متوجہ ہو جائے تو جواب بتایا جائے اس طریقے سے بات دل میں اتر جاتی ہے، اسے کہتے ہیں: اوقع فی القلب۔ فرمایا:

"عاشقی چیست؟"

"بتاؤ عاشقی کسے کہتے ہیں؟" بڑے بڑے دعوے کرنے والے، مرگئے اللہ کے عشق میں، مرگئے عشق رسول میں، دعوے تو بہت بڑے بڑے ہیں مگر یہ تو بتائیں کہ عاشقی کسے کہتے ہیں؟ عاشق صاحب! اگر آپ کو جواب نہیں آتا تو سنئے ہم بتاتے ہیں، اللہ کرے کہ بات دلوں میں اتر جائے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق ہو جائے، عاشقی یہ ہے:

"بندۂ جاناں بودن"

"عاشقی یہ ہے کہ محبوب کا غلام بن جائے۔"

آپ لوگ کہیں گے کہ غلام تو ہم پہلے سے ہیں۔ کتنے لوگ نام رکھتے ہیں غلام محمد، غلام احمد، غلام رسول، یہ سب تو زبانی دعوے ہیں اگر حقیقۃً غلام بنے ہوتے تو مالک کی نافرمانی نہ کرتے؟ یہ تو نام کے غلام ہیں نام کے، کام کے غلام بن جائیں۔ فرمایا کہ غلامی کا مطلب یہ ہے ؏

دل بدست دیگرے دادن و حیران بودن

غلامی اسے کہتے ہیں، عاشقی اسے کہتے ہیں کہ اپنے سینے سے دل نکال کر محبوب کے ہاتھ میں پکڑا دیں یعنی دل کی تمام تر خواہشات محبوب کی رضا میں فنا کر دی جائیں، جس چیز میں تو راضی اسی میں میں راضی، میری اپنی رضا اور عدم رضا ہے ہی نہیں۔

جنہیں استقامت نصیب ہوگئی، ایمان کے دعوے میں صداقت نصیب ہوگئی، وہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے۔ اللہ کے سامنے مرمٹنا، اللہ کے حکم پر اپنی خواہشات کو قربان کر دینا اور ان میں ایسا عجز و انکسار ہوتا ہے کہ اپنے وجود سے بھی نظر اٹھ جاتی ہے ؎

عشق آن شعلہ است کوچون برفروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

"عشق وہ شعلہ ہے کہ جب یہ بھڑک اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔"

وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہی نہیں اپنی ہستی پر نظر نہیں رہتی ؎

تجھے اے شیخ فکر جبہ و دستار ہوجانا
ہمیں ہستی کا جامہ اور سر بھی بار ہوجانا

ایران میں ایک بہت بڑے علامہ مجھ سے کہنے لگے کہ آپ تو ایسے ہی پھر رہے ہیں عام لباس میں، مجھے اگر کوئی ایک لاکھ تومان دے تو بھی ایسے لباس میں گھر سے باہر نہ نکلوں۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ ہمت آپ مجھ سے سیکھیں۔ اس زمانے کے مشائخ تو یوں نکلتے ہیں کہ ایک قباء ہو ٹخنوں تک، پھر اس کے اوپر عباء ہو، بہت بڑی دستار مبارک ہو، بہت لمبی تسبیح ہاتھ میں ہو وہ کھٹ کھٹ کرتی رہے، ہاتھ میں بہت بڑا رنگین عصا بھی ہو، کئی کئی افراد آگے پیچھے ہوں تو جناب حضرت صاحب باہر نکل سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

حضرت سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دو مثالیں:

حضرت سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے عالم، بہت بڑے عارف تھے، انھوں نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی مثال:

فرمایا ع

مگر دیدہ باشی کہ در باغ و راغ
بتابد بشب کرمکے چون چراغ
یکے گفتش اے مرغک شب فروز
چہ بودت کہ بیرون نیائی بروز
ببین کاتشیں کرمک خاک زاد
جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم
ولے پیش خورشید پیدا نیم

جگنو سے کسی نے پوچھا کہ ارے جگنو! تو رات کو بہت ٹمٹماتا ہے، بہت اچھا لگتا ہے، تیری روشنی بہت ہی پیاری لگتی ہے مگر تو دن کو کہاں چلا جاتا ہے جگنو نے کہا کہ دن میں بھی میں یہیں ہوتا ہوں مگر آفتاب کے سامنے میری روشنی ظاہر نہیں ہوتی، آفتاب کی موجودگی میں میرا وجود کالعدم ہو جاتا ہے۔ عارف سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن کے قلوب میں اللہ کی عظمت اور محبت ہوتی ہے وہ یوں سمجھتے ہیں کہ گویا وہ تو ہیں ہی نہیں۔ محبت الٰہیہ انہیں فناء کر دیتی ہے، انہیں اپنی ہستی کا ہوش نہیں رہتا۔

دوسری مثال:

فرمایا ؂

یکے قطرہ باران زابرے چکید
خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من کیستم
گر او ہست حقا کہ من نیستم

بارش کا قطرہ اوپر سے جب نازل ہوتا ہے تو بہت ہی کر و فر سے، کیونکہ فضاء میں ہر طرف خشکی ہی خشکی ہوتی ہے کہیں اسے پانی نظر نہیں آتا اور پھر بلندی بھی بہت ہوتی ہے تو یہ قطرہ خود کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے مگر جب نیچے آیا اور دریا پر نظر پڑی تو بہت شرمندہ ہوا کہ میں تو کچھ بھی نہیں، میں تو دھوکے میں مبتلا رہا۔ اللہ کے بندے خشوع میں ایسے دبے رہتے ہیں کہ خود کو کچھ نہیں سمجھتے ؂

تیرے سوا معبود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مقصود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا مشہود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں
تیرے سوا موجود حقیقی کوئی نہیں ہے کوئی نہیں

دونوں جہاں میں جو کچھ بھی ہے سب ہے تیرے زیر نگیں
جن و انس و حور وملائک عرش و کرسی چرخ وزمین
کون و مکان میں لائق سجدہ تیرے سوا اے نور مبیں
کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کوئی نہیں ہے کوئی نہیں

فرمایا ؎

بسودائے جانان زجان مشتغل
بذکر حبیب از جہان مشتغل
بیاد حق از خلق بگریختہ
چنان مست ساقی کہ مے ریختہ

دلربا کے خیال میں اپنی جان سے بے پروا، دوست کی یاد میں پورے جہان سے بے پروا، حق تعالیٰ کی یاد میں مخلوق سے بھاگا ہوا، ساقی پر ایسا مست کہ شراب انڈیل دی، یعنی منعم کی طرف ایسی توجہ کہ نعمتوں سے نظر اٹھ گئی۔

المنفقین:

انفاق کے معنی ہیں خرچ کرنا، عام طور پر لوگ اس کا مطلب صرف مال خرچ کرنا سمجھتے ہیں، یہ صحیح نہیں، اس میں صرف مال ہی نہیں اور بھی کئی چیزیں شامل ہیں:
① جان خرچ کرتے ہیں۔ ② عزت خرچ کرتے ہیں۔ ③ مال خرچ کرتے ہیں۔
④ علم خرچ کرتے ہیں۔ ⑤ اللہ کی محبت خرچ کرتے ہیں جس سے عمل پیدا ہو۔

❶ جان خرچ کرتے ہیں:

اللہ کے عاشق ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے محبوب کی راہ میں جان قربان کردیتے ہیں۔ نفسانی خواہشات کو قربان کرنا تو رہا الگ وہ اللہ کی محبت میں جان قربان کردیتے ہیں اور

اس پر بھی انھیں ناز نہیں ہوتا بلکہ نیاز ہی نیاز، نیاز ہی نیاز وہ جان قربان کر کے بھی سمجھتے ہیں کہ حق محبت اداء نہیں ہوا ؎

جان دی دی ہوئی انہی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ان عاشقوں کے کچھ قصے بھی سن لیجئے:

① حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار نے گرفتار کرلیا، ان سے سو اونٹوں کے عوض مکہ کے ان کفار نے خرید لیا جن کے باپ کو آپ نے غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا۔ وہ انھیں باندھ کر انتقام لینے لگے، انتقام لینے کا یہ طریقہ بزدلوں کا ہے، حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی آخری خواہش یوں ظاہر فرمائی:

''اگر اجازت دو تو صرف دو رکعت نماز پڑھ لوں۔''

انھوں نے اجازت دے دی آپ نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا:

''اگر تمہیں یہ خیال نہ ہوتا کہ میں موت کے ڈر سے لمبی نماز پڑھ رہا ہوں تو دو رکعت اور پڑھتا۔''

پھر آپ نے یہ اشعار کہے ؎

فلست ابالی حین اقتل مسلما
علی ای جنب کان فی اللّٰہ مصرعی
وذلک فی ذات الالٰہ وان یشا
یبارک علی اوصال شلو ممزع

(صحیح بخاری)

”میں حالت اسلام میں قتل کیا جارہا ہوں، اس لئے مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ میں کس جانب پر گروں گا، یہ اللہ کی راہ میں ہے، وہ چاہے تو میرے اعضاء کے ٹکڑوں میں برکت عطاء فرمادے۔“

﴿۲﴾ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایک غزوہ میں قیصر روم کے لشکر نے اسّی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گرفتار کرلیا ان میں حضرت عبد اللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ہرقل نے حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عیسائیت پر مجبور کیا، سلطنت اور اپنی بیٹی سے شادی کی طمع دلائی۔ طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، لٹکا کر تیر مارے گئے، تنہائی کی قید میں تین روز تک بھوکا پیاسا رکھ کر خنزیر کا گوشت اور شراب پیش کی گئی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جان بچانے کے لئے اگرچہ بقدر سدرمق حرام کھانے کی اجازت ہے مگر میں ایسا کام ہرگز نہ کروں گا جس سے ایک کافر خوش ہو اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کی پیشانی پر یہ داغ رہ جائے کہ مسلمان موت سے ڈرتا ہے۔ آخر کار بادشاہ نے ناامید ہوکر یہ حکم دیا کہ ایک دیگ میں تیل گرم کرکے ان کے ایک ساتھی کو ان کے سامنے اس تیل میں ڈالا جائے تاکہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر عیسائی ہوجائیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میرے ایک ساتھی کو اس کھولتے ہوئے تیل میں ڈالا گیا تو اندر جاتے ہی اس کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس تیل میں ڈالنے کا حکم دیا۔ جب آپ کو لے جانے لگے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ بادشاہ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے موت کو دیکھ کر ڈر گئے ہو، اب بھی عیسائی ہوجاؤ تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ موت

کے خوف سے رو رہا ہوں حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی ادنیٰ سی جان کا نذرانہ اپنے محبوب کے سامنے پیش کر رہا ہوں، جان بھی ایسی کہ بھوک، پیاس اور تکالیف کی وجہ سے نیم مردہ ہوچکی ہے، میں اس افسوس میں روتا ہوں کہ کاش میرے ہر رونگٹے میں جان ہوتی جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرتا ۔

مردم ازین الم کہ نہ مردم برائے تو
اے خاک برسرم کہ نشد خاک پائے تو
غم نیست گر زمہر تو دل پارہ پارہ شد
اے کاش ذرہ ذرہ شود در ہوا ئے تو
من کیستم کہ بہر تو جان را فدا کنم
اے صد ہزار جان مقدس فدائے تو
مے خواہم از خدا بدعا صدہزار جان
تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو

"میں اس غم میں مرا جا رہا ہوں کہ تیرے لئے نہ مرا۔ میرے سر پر خاک پڑے کہ تیرے پاؤں کی خاک نہ بنا۔ اگر تیری محبت میں دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تو کوئی غم نہیں، کاش کہ تیرے عشق میں دل ذرہ ذرہ ہوجائے۔ میں کون ہوں کہ تیرے لئے اپنی جان کو فدا کروں۔ لاکھ مقدس جانیں تجھ پر فدا ہوجائیں۔ میں اللہ سے لاکھ جانیں مانگتا ہوں تاکہ اس کی راہ میں لاکھ بار مروں۔"

آخر میں ہرقل نے کہا کہ اگر میری پیشانی کو بوسہ دو تو آپ کو رہا کردوں گا۔ آپ نے فرمایا بشرطیکہ میرے سب ساتھیوں کو بھی رہا کردو۔ ہرقل نے قبول کرلیا۔ آپ نے اپنے مسلمان بھائیوں کی جان بچانے کے لئے کافر کی پیشانی پر بوسہ دیا، سب کو رہا

کروا کر مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم فرمایا کہ سب لوگ میرے ساتھ استقبال کے لئے نکلیں اور فرمایا کہ سب عبداللہ کی پیشانی پر بوسہ دیں اور اس کی ابتداء میں کرتا ہوں۔

ان عاشقین صادقین کی یہ شان تھی کہ بڑے بڑے ظالم ظلم کرتے کرتے تھک جاتے مگر یہ ظلم سہتے سہتے نہ تھکتے۔ ظلم کے فولادی تیر ان کے صبر کی ڈھال سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے تھے ۔

ادھر آ او ظالم ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

③ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں یہ بشارت ملی کہ آپ شہید ہونے والے ہیں، واہ سبحان اللہ! محبوب نے کیسی خوشخبری سنا دی بہت مزے سے یہ شعر پڑھتے رہے ۔

سر جدا کرد از تنم یارے کہ باما یار بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

ارے میرے یار شاباش! تو نے تو قصہ ہی کوتاہ کر دیا۔ اس دنیا میں بڑا درد سر تھا، میرے سر کو میرے بدن سے جدا کر کے تو نے قصہ ہی ختم کر دیا، بہت اچھا کیا۔

④ حضرت مولانا امیر علی شاہ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ:

اجودھیا میں شیعہ کے ساتھ جہاد کے موقع پر حضرت مولانا امیر علی شاہ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ جب تلوار لے کر میدان جہاد میں نکلے تو یہ نعرہ لگا رہے تھے ۔

سر میدان کفن بر دوش دارم

"میدان میں کندھے پر کفن رکھے ہوئے ہوں۔"

میرے محبوب! تیرے دشمنوں کو جہنّم میں پہنچانے کے لئے کفن کندھے پر لے کر نکلا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غائبانہ آواز آئی جسے لوگوں نے سنا ؎

بیا مظلوم اکنون در کنارم

"اے مظلوم! اب میری بغل میں آجا۔"

میدان جہاد میں لڑتے لڑتے اپنے محبوب کے دشمنوں کو واصل جہنّم کرتے ہوئے خود واصل محبوب ہوگئے۔ محبوب کی راہ میں جان دے دی شہید ہوگئے۔

⑤ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ شاملی کے جہاد میں انگریزی فوج کے سپاھیوں سے قتال کرتے کرتے تھوڑی دیر ستانے کے لئے میدان میں ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ انگریزی فوج کے ایک سپاہی نے دور سے آپ کو دیکھا جو بظاہر سکھ معلوم ہوتا تھا اور جسامت میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کم سے کم چار گنا زیادہ تھا، وہ بڑی تیزی سے آپ کی طرف لپکا اور بہت غصہ سے کہنے لگا کہ تم نے بہت سر اٹھا رکھا ہے اب میرے تیغ کا جواب دو۔ یہ کہہ کر اس نے دو دھاری تلوار مارنے کے لئے پوری قوت سے اوپر اٹھائی اتنے میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ باتیں کیا کرتا ہے ذرا اپنے پیچھے مڑ کر تو دیکھ۔ اس کا اس پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دائیں کندھے پر تلوار کی ضرب اس شدت سے لگائی کہ پورے جسم کو چیرتی ہوئی بائیں پاؤں کے ٹخنے پر جا کر رکی، اس کے عفریتی جسم کے دو ٹکرے ہو کر زمین پر گر گئے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ

نصرت الٰہیہ کا یہ منظر دیکھ کر ایسے تازہ دم ہو گئے کہ تھوڑی دیر سستانے کا خیال ہی ذہن سے نکل گیا اور بزن و بکش کے جوش میں اس کے لاشے پر پاؤں رکھ کر پھر ضرب و حرب کے میدان میں کود گئے۔

⑥ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ:

کسی نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا:

"آپ اپنی قبر کی جگہ اپنے اساتذہ واکابر اولیاء کی قبروں کے پاس متعیّن فرمالیں۔"

آپ نے فرمایا:

"کیا کہہ رہے ہو؟ میں تو چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں میرے جسم کے اتنے ٹکڑے ہو جائیں کہ ان کو جمع نہ کیا جا سکے، دفن کی ضرورت ہی نہ رہے۔"

یہ محبوب حقیقی کے عشق کا کرشمہ ہے۔

❷ عزت خرچ کرنے کی مختلف صورتیں:

اللہ کے عاشق اپنے محبوب کی راہ میں اپنی عزت خرچ کرتے ہیں۔ عزت خرچ کرنے کی مختلف صورتیں ہیں:

پہلی صورت:

اس زمانے میں دیندار بننا ہی بہت بڑی ذلت سمجھا جاتا ہے۔ آج کل اکثریت بے دینوں کی ہے اس لئے اگر کسی کو دین کی طرف ذرا توجہ ہونے لگتی ہے تو اسے یہ خوف ہوتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے بس پھر اس کی عقل سے سارا کچھ نکل جاتا ہے۔ اس بارہ

میں تین باتیں سوچیں:

❶ عزت بلکہ دنیا کی ہر نعمت اسی کو مل سکتی ہے جو اس کو راضی کرلے جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے، کیا کوئی چیز اللہ کے قبضہ سے باہر ہے؟

❷ قرآن مجید اور احادیث میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ ہر پریشانی کا علاج یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی چھوڑ دی جائے۔

❸ دنیا میں چل پھر کر دیکھیں تجربہ کریں کہ اللہ کے فرمانبردار بندے کے پاس بیٹھنے سے سکون ملتا ہے تو یہ سوچیں کہ اس کے دل میں کتنا سکون ہوگا اور نافرمان کے پاس بیٹھنے سے دل پریشان ہوتا ہے تو وہ خود کتنا پریشان ہوگا۔

پہلے تو یہ تین حقائق ذہن نشین کرلیں اور خوب سوچیں کہ درحقیقت عزت اور کامیابی کس میں ہے، جن کے قلوب اللہ کی محبت سے خالی ہیں وہ کتنا ہی سوچ لیں مگر آخر میں کیا ہوتا ہے کہ لوگوں کی باتیں سن کر سارے دلائل دھرے رہ جاتے ہیں، ساری سوچیں تباہ ہوجاتی ہیں اور صرف ایک بات یاد رہتی ہے کہ دنیا سازی کرو:

اگر زمانہ باتو نہ سازد تو بزمانہ بساز

”اگر زمانہ تجھ سے موافقت نہیں کرتا تو تو زمانے سے موافقت کر۔“

اس مقولے پر عمل کرتے ہوئے آنکھیں بند کرکے دنیا کا ساتھ دیتے ہیں ہونا تو یوں چاہئے:

زمانہ با تو سازد یا نہ سازد تو بخدائے خود بساز

”زمانہ تجھ سے موافقت کرے یا نہ کرے تو اپنے اللہ کے ساتھ موافقت پیدا کر۔“

اسے راضی کرلیا تو کسی دوسرے کی کوئی پروا نہیں ؎

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہئے
مدنظر تو مرضی جانانہ چاہئے

بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ
کیا کیا تو کرنا چاہئے کیا کیا نہ چاہئے

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

زمانہ سازی تو احمقوں کا کام ہے اللہ کا بندہ تو زمانہ سازی کی بجائے زمانے کو اللہ کے تابع کرنے کے لئے زمانے کا مقابلہ کرتا ہے، جہاد کرتا ہے، ضرب و حرب اور بزن و بکش کے جوہر دکھاتا ہے ؎

حدیث بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

خر برفت:

ایک شخص گدھے پر سوار کسی خانقاہ میں پہنچ گیا، رات وہیں گزاری، ذاکرین جہری ذکر میں مشغول تھے۔ ذکر کرتے کرتے سب پر حال طاری ہو گیا یک زبان ہو کر پکارنے لگے:

"خر برفت و خر برفت و خر برفت،
خر برفت و خر برفت و خر برفت"

اس شخص نے جب یہ منظر دیکھا تو اسے بھی جوش اٹھا اور کچھ سوچے سمجھے بغیر یہ بھی شروع ہو گیا:

"خر برفت و خر برفت و خر برفت۔"

قصہ یہ ہوا کہ خانقاہ والے کئی دنوں سے بھوکے تھے۔ یہ لوگ دل کے بادشاہ

ہوتے ہیں بھوک سے مر جائیں تو بھی کسی سے سوال نہ کریں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ان کی خانقاہ میں کہیں سے گدھا آگیا ہے اور کوئی مالک بھی نظر نہیں آرہا تو خوش ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے غیب سے مدد فرمائی ہے۔ اسے لے جا کر بیچا اور کچھ گوشت اور کھانا پکانے کا سامان لے آئے۔ کھا پی کر جب ذکر کرنے بیٹھے تو ایک تو ذکر کی مستی دوسرے گوشت کی گرمی، شروع ہو گئے:

"خر برفت و خر برفت و خر برفت"

"گدھا گیا گدھا گیا گدھا گیا۔"

یعنی ہمارے پیٹ میں پہنچ گیا۔ صبح ہوئی تو اس شخص نے خادم سے کہا کہ گدھے پر پالان رکھو خادم نے کہا: "کون سا گدھا؟ آپ کا گدھا تو یہ لوگ رات کو کھا پی گئے" اس شخص نے کہا کہ "تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" خادم بولا کہ "آپ تو خود ہی رات ان کے ساتھ مل کر کہہ رہے تھے "خر برفت و خر برفت" میں تو سمجھا کہ آپ نے خود ہی گدھا ان کے حوالے کر دیا۔ اس شخص نے کہا کہ "نہیں مجھے تو کچھ پتا نہ تھا وہ سارے ایک بات کہہ رہے تھے ان کی دیکھا دیکھی میں نے بھی کہنا شروع کر دیا۔"

یہی حال آج کے مسلمان کا ہے، گناہ کرتے کرتے اس کی عقل مسخ ہو چکی ہے اور یہ بغیر سوچے سمجھے لوگوں کے ساتھ چل رہا ہے۔ اس کا دین کہتا ہے، اس کی عقل کہتی ہے کہ اللہ کی اطاعت کرنی چاہئے، اس کی نافرمانی سے بچنے میں ہی دنیا اور آخرت کا فائدہ ہے مگر یہ دنیا سازی میں لگا ہوا ہے۔

ناکو آگیا:

بہت سے نکٹے بیٹھے ہوئے تھے وہاں ایک ناک والا چلا گیا تو انہوں نے کہا ارے! ناکو آگیا ناکو آگیا۔ اس نے چاقو نکالا اور اپنی ناک کاٹ کر پھینک دی۔ یہ ایسا ہی بہادر

تھا جیسا کہ آجکل کا مسلمان ہے، اس کا دین کہتا ہے، اس کا ضمیر کہتا ہے، اس کی عقل کہتی ہے کہ مسلمان کی صورت بناؤ، عورتوں میں بے پردگی بے حیائی کا خاتمہ کرو، دنیا بھر کے مصائب اور لعنتوں کی وجہ اللہ کی نافرمانیاں ہیں مگر ساری باتیں سمجھنے کے باوجود یہ اس پر عمل نہیں کر رہا صرف اور صرف اس لئے کہ اگر دنیا کے ساتھ نہیں چلیں گے تو لوگ ذلیل سمجھیں گے، جیسے نکٹوں نے ناکو کو ذلیل سمجھا تو اس نے سوچا کہ ٹھیک ہے میں ان کے سامنے معزز بن جاؤں، معاشرے میں میری ذلت ہو رہی ہے سب ناکو ناکو کہہ رہے ہیں تو اس نے اپنی ناک کاٹ کر لوگوں کے طعنوں سے نجات حاصل کر لی اور لوگوں کی نظر میں ذلیل ہونے سے بچ گیا۔

مأمون الرشید:

مأمون الرشید ایک بار اپنے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے۔ ایک بھنگی نے کہا کہ یہ میری نظر سے گر گیا۔ مامون نے بڑے اطمینان اور وقار سے کہا:

"کوئی ہے جو میری ان رئیس صاحب سے سفارش کر دے تاکہ میں ان کی نظر میں بلند ہو جاؤں۔"

مطلب یہ ہے کہ تقریباً پوری مہذب دنیا کے بادشاہ کو اگر کوئی بھنگی کہتا ہے کہ یہ میری نظر سے گر گیا تو بادشاہ کی عزت میں کیا کمی آئی؟

یہ قصہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا مقرب بن جاتا ہے اس کا مقام تو بادشاہوں سے بھی بہت بلند ہے۔ دنیا کی بادشاہت اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اگر ساری دنیا اسے یہ کہتی رہے کہ میری نظر سے گر گیا تو بال برابر بھی اس کے دل پر اثر نہیں ہوتا۔ جیسے مامون الرشید کو بھنگی نے کہہ دیا تو ان کی عزت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اللہ کے بندوں کو ذلیل سمجھنے والے بھنگیوں سے بھی بدتر ہیں، اگر ان کی نظر میں عزت نہ رہی تو کیا ہو گیا، عزت اور ذلت تو وہ معتبر ہے جو اللہ کے نزدیک ہو۔

اللہ کے بندے اہل دنیا کی نظر میں جو عزت ہے یعنی بے دینی اسے چھوڑ کر اہل دنیا کی نظر میں جو ذلت ہے اسے قبول کر لیتے ہیں اس لئے کہ دراصل عزت اور ذلت کا معیار تو وہ ہے جو اللہ کے ہاں ہے۔ اللہ جسے معزز کہے در حقیقت عزت اسی کی ہے اور اللہ جسے ذلیل کرے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا ہے۔

بنی اسرائیل کی ایک عورت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کی ایک عورت کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ اس کے قریب سے بہت عالیشان گھوڑے پر ایک بہت خوبصورت جوان گزرا تو وہ عورت کہنے لگی: ''یا اللہ! میرے بچے کو اس نوجوان جیسا بنادے'' بچہ اس کے سینے سے منہ ہٹا کر کہتا ہے: ''یا اللہ! مجھے ایسا مت بنانا'' ماں کو بہت تعجب ہوا کہ یہ بولنے کیسے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد بہت خستہ حالت میں ایک عورت وہاں سے گزری اس کو لوگ بہت ذلت کے ساتھ لے جا رہے تھے، بچے اسے پتھر مار رہے تھے، لوگ اسے برا بھلا کہہ رہے تھے کوئی اس پر بدکاری کی تہمت لگا رہا تھا اور کوئی چوری کا الزام لگا رہا تھا۔ اس عورت نے کہا: ''یا اللہ! میرے بیٹے کو ایسا مت بنائیو'' وہ بچہ پھر سینہ سے منہ ہٹا کر کہتا ہے: ''یا اللہ مجھے ایسا ہی بنائیو'' ماں بہت حیران ہوئی کہ یہ کیا قصہ ہے یہ ابھی سے کیسے بولنے لگا اور بولا بھی تو اپنے فائدے کے خلاف بولا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اس بچے سے تقریر کروائی اس نے کہا: ''وہ شخص جو پہلے گزرا اس میں حسن و جمال ہے، کمال ہے، جوانی ہے، مالدار ہے، سبھی کچھ ہے مگر وہ ظالم ہے کسی کو قتل کر کے جا رہا ہے۔ یا اللہ! جب میں بڑا ہوں تو مجھے ظالم نہ بنائیو۔ اور یہ عورت جسے لوگ ذلیل کرتے ہوئے لے جا رہے ہیں یہ مظلوم ہے، لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدکار ہے مگر اللہ جانتا ہے کہ یہ پاکدامن ہے، لوگ کہتے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے مگر اللہ جانتا ہے کہ یہ کبھی ایسی خیانت نہیں کرتی، یا اللہ! مجھے ایسی عزت نہیں چاہئے جو

تیری نظر میں ذلت ہو(مسلم)

دنیا ذلیل سمجھتی ہے تو سمجھتی رہے اگر اللہ کی نظر میں عزت ہے تو پوری دنیا کی تذلیل کی کوئی پرواہ نہیں ؎

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

حضرت جعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی، مشرکین میں سے ایک رئیس گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسا شخص ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یہ بہت بڑا رئیس ہے، کہیں سفارش کرے تو فوراً قبول ہو، اور کہیں نکاح کا پیغام بھیجے تو فوراً قبول ہو جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت جعیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ یہ ایسا مسکین ہے کہ کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو اور اگر کہیں شادی کا پیغام بھیجے تو اس کی شادی نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو پہلا کافر رئیس گزرا ہے اس جیسوں سے ساری دنیا بھر جائے تو تمام کے تمام ملا کر بھی اس ایک مسکین کے برابر نہیں ہو سکتے(متفق علیہ)

یاد رکھئے! قدر و منزلت وہ ہے جو مالک کی نظر میں ہو، منصب و عزت وہ ہے جو وطن آخرت کے لئے مقدر ہو۔

حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نہ مال نہ منصب، شکل و صورت بھی کچھ

اچھی نہ تھی۔ مدینہ منورہ کے نواح میں گاؤں میں رہتے تھے، وہاں سے سبزی لاکر مدینہ منورہ میں بیچا کرتے تھے۔ ایک بار حسب معمول مدینہ منورہ کی گلی میں بیٹھے سبزی فروخت کررہے تھے، پیچھے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دبے پاؤں تشریف لائے اور ان کو اس طرح بغل میں لے لیا کہ پہچان نہ سکیں، کچھ دیر کے بعد انھیں علم ہوگیا کہ اس طرح محبت کا مظاہرہ فرمانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو انھوں نے اپنی پشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک کے ساتھ پیوست کردی۔ تاکہ خوب انوار جذب کرلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب علم ہوا کہ انھوں نے مجھے پہچان لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ محبت مزاح کے طور پر فرمایا:

﴿من یشتری ھذا العبد﴾

"اس غلام کو کون خریدے گا؟"

انھوں نے عرض کیا:

﴿یارسول اللّٰہ اذا واللّٰہ تجدنی کاسدا﴾

"یارسول اللہ! ایسا ہوا تو واللہ آپ مجھے بے قیمت پائیں گے۔"

یعنی آپ مجھے بیچ رہے ہیں مگر میرے پاس نہ مال ہے، نہ جمال ہے اور نہ کوئی کمال ہے، اس لئے آپ کو میری کوئی قیمت نہیں ملے گی۔ اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿انت عند اللّٰہ غال﴾ (شرح السنۃ)

"تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت قیمتی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: من یشتری ھذا العبد کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ "اس غلام کو کون خریدے گا" مگر درحقیقت یہاں العبد سے مراد

''عبد اللہ'' ہے یعنی ''اللہ کا بندہ'' اور اسے خریدنے سے مراد یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے کے لئے اسے اختیار کرے'' اس لئے اس مزاح میں کوئی بات خلاف واقع نہیں۔

یہ قصے بتانے کا مقصد یہ ہے کہ عزت اور ذلت کی حقیقت سمجھ میں آجائے۔

اللہ کے بندے اللہ کے ہاں عزت حاصل کرنے کے لئے دنیا کی عزت پر لعنت بھیجتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عزت اور ذلت وہ معتبر ہے جو اللہ کے نزدیک ہو، ساری دنیا عزت کرتی رہے لیکن اگر اللہ کے نزدیک عزت نہیں تو دنیا کی عزت بیکار ہے اور اللہ کے نزدیک عزت صرف اسی کی ہے جو اس کا فرمانبردار ہے۔

عزت خرچ کرنے کی ایک صورت تو یہ ہوئی کہ دیندار بن کر اہل دنیا کی نظر میں ذلیل ہو گئے۔

دوسری صورت:

عزت کی قربانی کی دوسری صورت یہ ہے کہ دیندار بننے سے بظاہر مال کے دروازے بند ہو گئے اور آج کل تو عزت ہے ہی مالدار کی، خواہ وہ بھنگی ہی کیوں نہ ہو، گدھا ہی کیوں نہ ہو، ایک بات اور سن لیں کہ اللہ کے باغی کے پاس مال کا بڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی عقل ختم ہو رہی ہے، دنیا کے تجربے یہ بتاتے ہیں کہ جیسے جیسے مال بڑھتا ہے تو اگر وہ شخص فرمانبردار ہو تو اس کی عقل بڑھتی ہے اور مال بڑھنے کے ساتھ اگر نافرمانی بڑھتی ہے تو اس کی عقل ختم ہو جاتی ہے۔ اس بارہ میں کچھ قصے بھی سن لیجئے:

پہلا قصہ:

ایک بادشاہ کا باز اڑ گیا تو اس نے شہر کے سب دروازے بند کروا دیئے تاکہ باز شہر

سے باہر نہ جاسکے، پہلے زمانے میں شہر کے گرد فصیل ہوتی تھی جس میں دروازے ہوتے تھے ایک شخص اس شہر کی طرف آیا اس نے دروازے بند دیکھ کر پوچھا کہ شہر کے دروازے تو رات کو بند کئے جاتے ہیں یہاں دن کے وقت دروازے کیوں بند ہیں؟ دروازے پر موجود شخص نے بتایا کہ بادشاہ کا باز اڑ گیا ہے اس لئے بادشاہ نے تمام دروازے بند کروادئے۔ اس شخص کو بہت تعجب ہوا کہ یہ بادشاہ اس قدر احمق ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ باز اوپر کو اڑتا ہے دروازوں سے نہیں بھاگتا پھر اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ درخواست کی کہ یا اللہ! اس میں اتنی بھی عقل نہیں اور اسے تو نے بادشاہت عطاء فرمائی اور مجھے تو نے اتنی عقل دی ہے کہ یہ سمجھ سکوں کہ باز دروازوں سے نہیں بھاگتا لیکن عقلمند ہونے کے باوجود میں تنگدستی میں بسر کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب میں یہ القاء فرمایا: ”اگر تم چاہتے ہو تو اس کی بادشاہت اور حماقت تمہیں دے دیں اور تمہاری عقل و افلاس اسے دے دیں“۔ اس پر اس شخص نے کہا: ”یا اللہ! مجھے ایسی بادشاہت نہیں چاہئے اس بادشاہت سے بہتر یہ ہے کہ عقل سلیم کے ساتھ ایک وقت کی روٹی مل جائے“۔

دوسرا قصہ:

ایک شخص اونٹ پر گیہوں لاد کر لے جا رہا تھا، اس طرح کہ ایک طرف بوری میں گیہوں اور دوسری طرف بوری میں ریت بھر رکھی تھی، راستے میں ایک شخص اسے ملا اس نے پوچھا: ”اونٹ پر کیا لادا ہوا ہے؟“ اس نے بتایا: ”ایک طرف گیہوں اور دوسری طرف وزن برابر کرنے کے لئے ریت بھر رکھی ہے“ اس شخص نے کہا: ”اللہ کے بندے! تم نے اونٹ کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے، اس ریت کو پھینکو اور گیہوں کو دو حصوں میں کر کے دونوں جانب رکھو“ اونٹ والے نے اسی طرح کر لیا اور اس نے سوچا کہ یہ تو بڑا عقلمند ہے یقیناً بہت بڑا مالدار بھی ہوگا۔ یہ سوچ کر اس نے اس شخص کو

اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھالیا اور پوچھا: ”آپ کے پاس اونٹ کتنے ہیں؟“ اس نے کہا: ”ایک بھی نہیں“ پھر پوچھا: ”آپ کے پاس گھوڑے کتنے ہیں؟“ اس نے کہا: ”ایک بھی نہیں“ پھر پوچھا: ”بکریاں کتنی ہیں؟“ اس نے کہا: ”ایک بھی نہیں“ اس طرح وہ مختلف چیزوں کے بارے میں پوچھتا رہا اور اس کا یہی جواب کہ کچھ بھی نہیں۔ آخر میں اونٹ والے نے کہا: ”چل منحوس اتر جا میرے اونٹ پر سے کہیں تیری نحوست سے میرا مال بھی نہ چلا جائے“ اونٹ بٹھایا اور پھر اسی طرح ایک طرف گیہوں اور دوسری طرف ریت بھرلی۔ اس نے سوچا کہ اس کے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں تو یہ منحوس ہے۔

تیسرا قصہ:

حضرت حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک سیٹھ آیا، کہنے لگا: ”میری بیوی مرگئی ہے آپ اسے زندہ کردیں“ حضرت نے فرمایا: ”میں اسے زندہ نہیں کرسکتا“ اس نے حضرت حکیم الامۃ سے ذرا دور ہوکر اپنے مصاحب سے کہا: ”یہ بزرگ ایسے ہیں کہ زندہ کرسکتے ہیں مگر انھوں نے ہمیں ٹال دیا“۔

اسی سیٹھ کا دوسرا قصہ ہے کہ یہ اپنے مصاحب کے ساتھ اپنی بیوی کی قبر پر گیا۔ مصاحب سے کہا: ”میری بیوی کی قبر کے پاس جاکر کہو کہ تیری بہن مجھ سے بہت لڑتی ہے، مجھے بہت پریشان کرتی ہے تم اسے سمجھاؤ کہ مجھ سے مت لڑا کرے اگر تم نے اسے نہ سمجھایا تو یاد رکھو! تمہارے ایصال ثواب کے لئے جو کھانا میں بھیجا کرتا ہوں وہ بند کردوں گا پھر بھوکی مرتی رہو گی“ جب مصاحب نے یہ سب کچھ کہہ دیا تو اس سے پوچھا: ”کیا جواب دیا“ اس نے کہا: ”کوئی جواب نہیں دیا“ تو کہنے لگا: ”قبر سے کان لگا کر غور سے سنو“ اس نے کان لگا کر سنا پھر بتایا: ”کوئی جواب نہیں آیا“ سیٹھ کہنے لگا تم ہٹو میں خود سنتا ہوں یہ کہہ کر قبر سے کان لگا کر بیٹھ گیا پھر کچھ دیر کے بعد کہنے لگا: ”ایسا

لگتا ہے کہ اس وقت کسی کام میں مشغول ہے اسی لئے جواب نہیں دے رہی چلو پھر کسی وقت آکر اس سے بات کریں گے“

تیسری صورت:

عزت کی قربانی کی تیسری صورت یہ ہے کہ دیندار شخص کے لوگوں سے تعلّقات کم ہو جاتے ہیں۔ تعلّقات کم ہو جانے کو یہ لوگ بے عزتی سمجھتے ہیں ان کے نزدیک عزت یہ ہے کہ لوگوں سے زیادہ سے زیادہ تعلّقات بڑھائے جائیں، کہتے ہیں فلاں بڑے اثر و رسوخ والا ہے، بڑے تعلّقات والا ہے، درحقیقت جن لوگوں کے قلوب میں اللہ کی محبت نہیں ہوتی وہ اللہ پر توکل نہیں کرتے ان کی نظر احکم الحاکمین کی چوکھٹ کی بجائے ہزاروں چوکھٹوں پر ہوتی ہے اسی لئے یہ ایک اللہ سے تعلّق قائم کرنے کی بجائے فانی مخلوق سے تعلّقات قائم کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے تو بڑے اونچے لوگوں سے تعلّقات ہیں جس محکمے میں چاہتا ہے منٹوں میں کام کروالیتا ہے۔ ارے اللہ کے بندو! کام بنانے والی ذات تو صرف ایک اللہ کی ہے۔ عزت تو یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ تعلّق رہے اور اللہ کے تعلّق پر دنیا بھر کے تعلّقات کو قربان کردے۔ دنیا میں جتنے تعلّقات زیادہ ہوں گے وہ ایک ایک تعلّق اسے اپنی طرف کھینچے گا اور اللہ سے کاٹنے کی کوشش کرے گا۔ اللہ کے ساتھ تعلّق تو اس کا برقرار اور مضبوط رہ سکتا ہے جو دنیا بھر سے تعلّقات کم سے کم رکھے۔

سمجھ کر اے خرد اس دل کو پابند علائق کر
یہ دیوانہ اڑا دیتا ہے ہر زنجیر کے ٹکڑے

۳ مال خرچ کرتے ہیں:

اللہ کے بندے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں۔ مال خرچ کرنے کی دو قسمیں

ہیں:

❶ جو مال اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

❷ وہ مال جو اللہ کی رضا کے خلاف مل رہا ہو یعنی حرام ذرائع سے اسے اللہ کی محبت اور اللہ کے خوف کی وجہ سے چھوڑ دینا، یہ بھی انفاق میں داخل ہے۔

اس زمانے میں لوگ کہتے ہیں کہ اگر وہ صحیح اور سچے مسلمان بن جاتے ہیں تو پھر آمدنی کے ذرائع تو محدود ہو جائیں گے، حرام خوری کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ شیطان کے بندے کہتے ہیں کہ رحمٰن کے بندے بننے سے دنیا کو نقصان پہنچے گا جس کی وجوہ یہ ہیں:

ایک تو یہ کہ لوگ خلاف ہو جائیں گے۔ شیاطین کی اکثریت ہے وہ سارے کے سارے خلاف ہو جائیں گے تو پھر یہ دنیا میں رہے گا کیسے؟ کن کے ساتھ کام کرے گا اس کا تو جوڑ ہی نہیں ملے گا۔

دوسری یہ کہ مالی نقصان ہو گا، مالی فوائد تو جب ہی حاصل ہوں گے کہ لوگوں کے ساتھ تعلّقات ہوں۔

تیسری وجہ یہ کہ بینک کی ملازمت حرام، انشورنس کی ملازمت حرام، فلاں حرام فلاں حرام، فلاں حرام ہزار دروازوں میں سے ۹۹۹ حرام تو پھر اسے مال کہاں سے ملے گا، بھوکا مرتا رہے گا کھائے گا کہاں سے؟

فرمایا: ”والمنفقین“ جن کے دلوں میں اللہ کی محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے وہ مال آنے کے ہزاروں دروازے بند کر دیتے ہیں۔ بس ایک دروازہ کافی ہے، سارے دروازے بند ہوتے ہیں تو ہو جائیں کسی کی پروا نہیں کرتے۔

بظاہر تو یہ مال کا نقصان ہے، بظاہر اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ جو دیندار بن جاتا ہے اس پر رزق کے دروازے کھل جاتے ہیں، پتا نہیں چلتا کہ کہاں سے آرہا ہے، اللہ اپنے بندوں پر رزق برساتا ہے، فرمایا:

﴿بل یداہ مبسوطتٰن ینفق کیف یشاء﴾ (۵-۶۴)

اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ جب میں اس آیت کی تلاوت کرتا ہوں تو بڑے جوش کے ساتھ آیت پڑھتا ہوں اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا ہوں۔ آپ لوگ تو ہاتھ کہتے ہیں گٹے تک یا پھر کہنی تک، عربی میں ہاتھ کہتے ہیں انگلیوں سے لے کر کندھے تک، پھر ہاتھ کس کا؟ اللہ کا سبحان اللہ! اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جیسے چاہتا ہے بہاتا ہے بہت برساتا ہے۔ یہود نے کہہ دیا تھا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہے۔ اللہ کو ان پر اتنا غصہ آیا، اتنا غصہ آیا فرمایا کہ ان لوگوں پر میں نے لعنت کردی جو یہ کہتے ہیں کہ میرا ہاتھ تنگ ہے، آگے فرمایا کہ جو میرے فرمانبردار ہیں ان کے لئے میرے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔

بظاہر تو نقصان ہے مگر در حقیقت اللہ کی راہ میں انفاق مال بڑھانے کا طریقہ ہے، فرمایا:

﴿وما اٰتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللّٰہ وما اٰتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللّٰہ فاولئک ھم المضعفون۝﴾ (۳۰-۳۹)

سود پر رقمیں لگا کر مال بڑھانا چاہتے ہو تمہارے خیال میں مال بہت بڑھ رہا ہے مگر:

لا یربوا عند اللّٰہ اللہ نے فیصلہ سنا دیا کہ نہیں بڑھ رہا۔ آخرت کا معاملہ تو ذرا دیر سے ہے مگر یہ لوگ دنیا میں بھی راحت سے نہیں رہ سکتے۔ ایسے ایسے حوادث اللہ تعالیٰ ان پر ڈال دیتے ہیں کہ دنیا ہی میں سب کچھ تباہ ہو جاتا ہے، عذاب ہی عذاب ہے اور جو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں یہ اللہ کے ہاں اتنا بڑھتا ہے، اتنا بڑھتا ہے کہ ایسے لوگوں کے بارہ میں فرمایا کہ یہ بڑھانے کا گر جانتے ہیں، مال بڑھانے کے ماہر ہیں، بڑے تاجر ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ مال بڑھاتے ہیں بلکہ فرمایا:

﴿اولئک هم المضعفون﴾

پوری دنیا میں صرف یہی لوگ ہیں مال بڑھانے کے ”اسپیشلسٹ“ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے، یہ لوگ مال بڑھانے والے ہیں۔ اگر کسی نے ایک آدھ بار کوئی کام کرلیا اسے بھی کہہ دیتے ہیں کہ اس نے یہ کام کیا یا کرلیا یا کرتا ہے اور جہاں آتا ہے اسم فاعل تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کام کا ماہر ہے۔ دیکھئے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بظاہر نقصان ہورہا ہے، اپنے پاس سے مال نکل رہا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مال کا نقصان کرنے والے نہیں بلکہ یہ تو مال بڑھانے کا گر جانتے ہیں۔

اس بارہ میں ایک مثال بھی سن لیں، کسی نے تجارت میں لگانے کے لئے لاکھوں روپے تجوری میں سے نکالے تو کوئی بیوقوف یہ دیکھ کر کہنے لگا کہ اس نے تو اپنی تجوری ہی خالی کرڈالی اور وہ اس پر افسوس بھی کرنے لگا تو اسے یہی جواب دیا جائے گا کہ ارے احمق! یہ لاکھوں روپے جو اس نے کسی کو دیئے ہیں وہ مال میں اضافہ کرنے کے لئے دیئے ہیں، حالانکہ دنیا کی تجارت میں تو نفع اور نقصان دونوں ہی کے امکان ہوتے ہیں مگر آخرت کی تجارت میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نقصان ہورہا ہے، اس پر رزق کے دروازے بند ہوگئے لیکن یاد رکھئے! اسی پر اللہ کی طرف سے وسعت رزق کا وعدہ ہے:

﴿ان اللّٰہ هو الرزاق ذو القوة المتين ۝﴾ (۵۱-۵۸)

”بے شک اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانے والا قوت والا نہایت قوت والا ہے۔“

اللہ کے بندے کو اس کا اللہ کافی ہے ؎

مجھے دوست چھوڑدیں سب مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی مجھے کل جہاں نہ پوچھے

بات کچھ سمجھ میں آئی، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی یہ تفصیل دلوں میں اتار لیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور رحمت واسعہ سے دلوں میں اتار دیں۔ سارے دروازے بند ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، سارے تعلّقات ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹتے رہیں اللہ کا بندہ کہتا ہے کہ مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں میری مدد کے لئے میرا اللہ کافی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ جس کی خاطر میں نے ساری دنیا کو چھوڑا وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔ کیا نعوذ باللہ! وہ عاجز ہے؟ یا ظالم ہے؟ یا اسے پتا ہی نہیں کہ اس کا بندہ اس کی خاطر ساری دنیا کو چھوڑ بیٹھا؟ وہ تو محبت کی قدر کرنے والا ہے پھر وہ کیسے اپنے عاشقوں کی مدد نہیں کرے گا۔

۴ علم خرچ کرتے ہیں:

اللہ کے بندے علم خرچ کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ انھیں علم کی جو دولت عطاء فرماتے ہیں اس کو وہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ علم ایک ایسی چیز ہے کہ اسے جتنا خرچ کریں گے یہ بڑھتا ہی جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین کا علم، اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم جتنا آگے پہنچائیں گے اس کا ایک فائدہ تو یہ کہ علم میں ترقی ہوگی اور دوسرا فائدہ یہ کہ یہ انسان کے لئے صدقۂ جاریہ اور ذخیرہ آخرت ہوگا۔ حدیث میں ہے:

> ”ایک مسئلہ سیکھنے پر ایک ہزار رکعتوں سے زیادہ اجر ملتا ہے اور ایک آیت سیکھنے پر سو رکعتوں سے زیادہ اجر ملتا ہے۔“ (ابن ماجہ)

اس کی سند کو بعض نے حسن کہا ہے اور بعض نے ضعیف۔ جب سیکھنے پر اتنے اجر کی بشارت ہے تو سکھانے والے کو کتنا زیادہ اجر ملتا ہوگا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھ فرمایا:

”اگر کوئی تیز سے تیز تلوار میری گردن پر رکھ دے اور مجھے یہ یقین ہو جائے کہ چلنے والی ہے، اتنی دیر میں اگر کوئی کلمہ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور مجھے خیال ہو کہ میں اسے پہنچا سکوں گا تو تلوار چلتے چلتے بھی وہ کلمہ کہہ کر چھوڑوں گا۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اظہار حق سے، دین پہنچانے سے یا دین پر عمل کرنے سے روک نہیں سکتی، مرتے مرتے بھی کہہ دوں گا۔“ (صحیح بخاری)

⑤ اللہ کی محبت خرچ کرتے ہیں:

اللہ کے نیک بندوں کے قلوب میں ایسا درد ہوتا ہے کہ وہ انہیں چین نہیں لینے دیتا انہیں اللہ کی مخلوق سے محبت ہوتی ہے وہ اللہ کے بندوں کو جہنّم کے عذاب سے بچانا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے وہ لوگوں میں اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ یہ اللہ کی نافرمانی سے بچ جائیں۔ اللہ کے بندے اللہ سے تعلّق جوڑلیں۔ اسے بھی جتنا زیادہ خرچ کریں گے یہ خزانہ بڑھے گا بشرطیکہ اخلاص ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو اخلاص کی دولت عطاء فرمائیں۔

والمستغفرین بالاسحار:

یہ سارے کمالات ہونے کے باوجود وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کوئی بہت بڑے ولی اللہ ہیں بلکہ ساری ساری رات اللہ کی یاد میں گزارتے ہیں اور جب صبح ہونے لگتی ہے تو استغفار کرتے ہیں:

﴿كانوا قليلا من اليل مايهجعون ۝ وبالاسحار هم يستغفرون ۝﴾ (۵۱ - ۱۷، ۱۸)

رات کو بہت کم بہت کم بہت کم سوتے ہیں اور جب صبح ہونے لگتی ہے۔ رات بھر

کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یا اللہ! ہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہ ہوسکا تو ہمیں معاف فرمادے۔

مؤمنین کی صفات کیسے حاصل کی جائیں؟:

قرآن میں کئی جگہ اللہ کے بندوں کی صفات کا ذکر ہے کہ وہ ایسے ہوتے ہیں۔ ایسے ہوتے ہیں۔ فرمایا:

﴿لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البرمن اٰمن باللّٰہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبیین واٰتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل والسائلین و فی الرقاب واقام الصلوۃ واٰتی الزکوۃ والموفون بعھدھم اذاعٰھدوا والصٰبرین فی الباساء والضراء و حین الباس اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون○﴾

(۲-۱۷۷)

”کچھ سارا کمال اسی میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (سب) کتب (سماویہ) پر اور نبیوں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور (بضرورت) سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی اداء کرتا ہو اور جو اشخاص (ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ) اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو

سچے (کمال کے ساتھ موصوف) ہیں اور یہی لوگ ہیں جو (سچے) متقی (کہے جاسکتے) ہیں۔"

﴿قدافلح المؤمنون۝ الذین هم فی صلاتهم خشعون۝ والذین هم عن اللغو معرضون۝ والذین هم للزکوة فعلون۝ والذین هم لفروجهم حٰفظون۝ الاعلی ازواجهم اوما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین۝ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک هم العدون۝ والذین هم لاٰمٰنٰتهم وعهدهم رعون۝ والذین هم علی صلوٰتهم یحافظون۝ اولئک هم الوٰرثون۝ الذین یرثون الفردوس هم فیها خٰلدون۝﴾ (۲۳-۱تا۱۱)

"بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکنار رہنے والے ہیں اور جو (اعمال و اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں (سے حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (پس) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

سورۃ الفرقان میں رحمٰن کے بندوں کے بارہ میں فرمایا:

﴿وعباد الرحمٰن الذين يمشون على الارض هونا واذا خاطبهم الجٰهلون قالوا سلٰما۝ والذين يبيتون لربهم سجدا وقياما۝ والذين يقولون ربنا اصرف عنا عذاب جهنم ان عذابها كان غراما۝ انها ساءت مستقرا ومقاما۝ والذين اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواما۝ والذين لا يدعون مع الله الٰها اٰخر ولا يقتلون النفس التى حرم الله الا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذٰلك يلق اثاما۝ يضٰعف له العذاب يوم القيٰمة ويخلدفيه مهانا۝ الامن تاب واٰمن وعمل عملا صالحا فاولئك يبدل الله سياٰتهم حسنٰت وكان الله غفورا رحيما۝ ومن تاب وعمل صالحا فانه يتوب الى الله متابا۝ والذين لا يشهدون الزور واذامروا باللغو مروا كراما۝ والذين اذا ذكروا باٰيٰت ربهم لم يخروا عليها صما وعميانا۝ والذين يقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذريٰتنا قرة اعين واجعلنا للمتقين اماما۝ اولٰئك يجزون الغرفة بما صبروا ويلقون فيها تحية وسلٰما۝ خٰلدين فيها حسنت مستقرا ومقاما۝ قل مايعبؤ بكم ربى لولا دعاؤكم فقد كذبتم فسوف يكون لزاما۝﴾ (۲۵- ۶۳ تا ۷۷)

”اور رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین میں عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات (چیت) کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کہتے ہیں اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم سے جہنّم کے عذاب کو دور رکھئے کیونکہ اس کا

عذاب پوری تباہی ہے بیشک وہ جہنّم برا ٹھکانا اور برا مقام ہے (یہ تو ان کی حالت طاعات بدنیہ میں ہے) اور (طاعات مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا کہ قیامت کے روز اس کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (وخوار) ہو کر رہے گا۔ مگر جو (شرک و معاصی) سے توبہ کرلے اور ایمان (بھی) لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گزشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہے گا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کررہا ہے۔ اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے پاس ہو کر گزریں تو سنجیدگی سے گزر جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں جس وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔ اور ایسے ہیں کہ دعاء کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطاء فرما اور ہم کو متقیوں کا افسر بنادے، ایسے لوگوں کو (جنت میں رہنے کو) بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کے (دین و طاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (جنت) میں (فرشتوں کی

جانب سے) بقاء کی دعاء اور سلام (ملے گا اور) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔ آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروانہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے۔ سو تم تو (احکام الٰہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ (جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے) وبال (جان) ہو گا۔“

یہ تو کچھ آیات میں نے بتادیں ورنہ اور بھی کئی جگہ اللہ کے بندوں کی صفات کا بیان ہے اور ان صفات میں ایک ہی بنیادی چیز ہے کہ یہ لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہی آخرت میں عظیم کامیابی کا ذکر ہے۔ جب قرآن صاف صاف بتارہا ہے کہ یہی لوگ کامیاب ہیں اور انہی لوگوں سے اللہ راضی ہے تو پھر مسلمان کہلانے والوں کو اس طرف توجہ کیوں نہیں کہ یہ فوز عظیم حاصل کی جائے اور یہ عظیم کامیابی محض قرآن کو چومنے سے یا خوانیاں کرنے سے یا وظائف پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی اس کے لئے عمل کی ضرورت ہے۔ مختصراً کچھ چیزیں بتادیتا ہوں اگر ان پر عمل کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ دل میں اللہ کا خوف، اللہ کی عظمت اور محبت پیدا ہو جائے گی:

❶ یہ سوچیں کہ اسلام میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی حکومت کو اس کے قوانین کو تسلیم کرلیا اور جب قوانین کو تسلیم کرلیا تو لازماً ان پر عمل بھی کرنا ہو گا۔ لہٰذا جب کوئی کام کریں خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے متعلق ہو تو اس کے بارے میں مفتیان کرام سے معلوم کیا کریں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ جس حاکم کی حکومت کو ہم نے تسلیم کرلیا اس کے قانون کے مطابق ہم یہ کام کرسکتے ہیں یا نہیں؟ مفتیان کرام سے رابطہ رکھیں لیکن یہ خیال رہے کہ مسئلہ معلوم کریں تو کسی صحیح مفتی سے ہی معلوم کریں ہر عالم سے مسئلہ نہ پوچھا کریں۔

❷ اپنے گھروں میں بہشتی زیور پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کریں۔ صرف ایک بار کتاب

ختم کرلینا کافی نہیں بلکہ اسے مستقل مطالعہ میں رکھیں کیونکہ بار بار جب کسی چیز کو پڑھا جائے تو بات دل میں اترتی ہے اور جب مسائل کو بار بار پڑھیں گے تو وہ خوب اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیں گے اور بروقت مسئلہ معلوم ہونے کی وجہ سے عمل آسان ہوجائے گا۔

۳ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کو کسی چیز کا علم تو ہوتا ہے مگر عمل اس کے مطابق نہیں ہوتا۔ اس کی بے شمار مثالیں ہیں سب سے بڑی مثال موت کا علم ہے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ایک مخصوص مدت تک اسے دنیا میں رہنا ہے اور وہ مدت کتنی ہے یہ کسی کو معلوم نہیں۔ بس جب مالک کی طرف سے بلاوا آجائے گا تو پھر ایک لمحہ دیر نہیں ہوگی، لیکن یہ دیکھئے کہ کتنے لوگ ہیں جو موت کی تیاری کرتے ہیں؟ اسی طرح نماز کے بارے میں ہر مسلمان جانتا ہے کہ فرض ہے مگر کتنے لوگ ہیں جو نماز کے پابند ہیں؟ جب آپ ذرا غور کریں گے تو اس کی بہت سی مثالیں آپ کو نظر آئیں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل کرنے کے لئے محض علم کا ہونا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے اور وہ ہے صحبت صالح، صحبت صادق۔ اہل دل حضرات کی صحبت انسان میں قوت عمل پیدا کرتی ہے۔ وہ لوگ جن کا عمل علم کے مطابق ہے جو اپنے دعوائے ایمان، دعوائے محبت میں صادق ہیں ان لوگوں کی مجلس میں حاضر ہوا کریں۔ ان کی صحبت کا اثر چند ہی دن میں آپ خود محسوس کریں گے۔ ان حضرات کے قلوب میں محبت الٰہیہ کی ایسی آگ ہوتی ہے کہ کسی پر ایک نظر ڈال دیں تو اس کی کایا ہی پلٹ جائے ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ! کیا آگ بھری ہوگی

زاہدوں کو بھی شریک بزم رنداں کردیا
سینکڑوں کو دختر رز نے مسلماں کردیا

(اولیاء اللہ کی صحبت کے اثر کے بارے میں حضرت اقدس دامت برکاتہم و عمت فیوضہم کا وعظ ”علم کے مطابق علم کیوں نہیں ہوتا“ پڑھیں۔ جامع)

۴ اگرچہ مجلس میں حاضری سے بھی فائدہ ہوتا ہے لیکن مکمل فائدہ کے لئے ضروری ہے کہ باطنی امراض کے کسی طبیب حاذق سے اصلاحی تعلّق قائم کریں۔ (شیخ کی علامات بہشتی زیور حصہ ہفتم میں دیکھ لیں) اس طرح یہ راستہ بہت جلد طے ہو جاتا ہے کیونکہ جب آپ اپنے امراض باطنہ کے لئے شیخ سے نسخے حاصل کریں گے اور دی گئی ہدایات پر صحیح طریقہ سے عمل کریں گے تو ایک ایک کر کے رذائل ختم ہوتے جائیں گے اور اخلاق حمیدہ آپ کے اندر پیدا ہوتے جائیں گے یعنی مومنین کی صفات آپ کے اندر پیدا ہوتی جائیں گی اور محبت الٰہیہ میں لمحہ بہ لمحہ ترقی ہوتی چلی جائے گی۔

۵ روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ کیجئے جو گناہ ہو گئے ہوں ان سے استغفار کریں اور آیندہ ان گناہوں کے نہ کرنے کا عزم کریں اور اللہ تعالیٰ سے آیندہ کے لئے حفاظت کی دعاء بھی کریں۔

۶ اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کیا کریں کہ یا اللہ! اپنے اس مبارک کلام میں اپنے محبوب بندوں کی جو صفات آپ نے بیان فرمائی ہیں وہ تمام صفات بدرجۂ اتم میرے اندر بھی پیدا فرما دیجئے میں کمزور ہوں نفس و شیطان اور برے معاشرے اور بے دین ماحول کے لشکروں میں گھرا ہوا ہوں۔ اگر آپ دستگیری نہ فرمائیں گے تو میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ محض اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ دولت عطاء فرما دیجئے، مجھے اپنا بنا لیجئے اور آپ میرے بن جائیے ؎

اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی معرفت، محبت اور اطاعت عطاء فرمائیں۔ ہر قسم کی نافرمانیوں سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کی فکر عطاء فرمائیں۔ اپنی راہ میں جہاد اور جان لینے دینے کے جذبات عطاء فرمائیں۔ اپنی رحمت سے پوری دنیا میں حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

وصل اللّٰھم وبارک وسلم علی عبدک ورسولک محمد
وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین
والحمد للّٰہ رب العٰلمین

دوست دشمن سب ترے مجذوب قائل ہیں مگر
کوئی قائل ہے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے
مجذوب

انوار الرشید

فقیہ العصر، شیخ الحدیث، مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم
کے
نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات

جن کے مطالعہ سے بیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلاب عظیم
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں

پانچ ضخیم جلدیں